

# مَلَا حَيْدِيَّ

صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

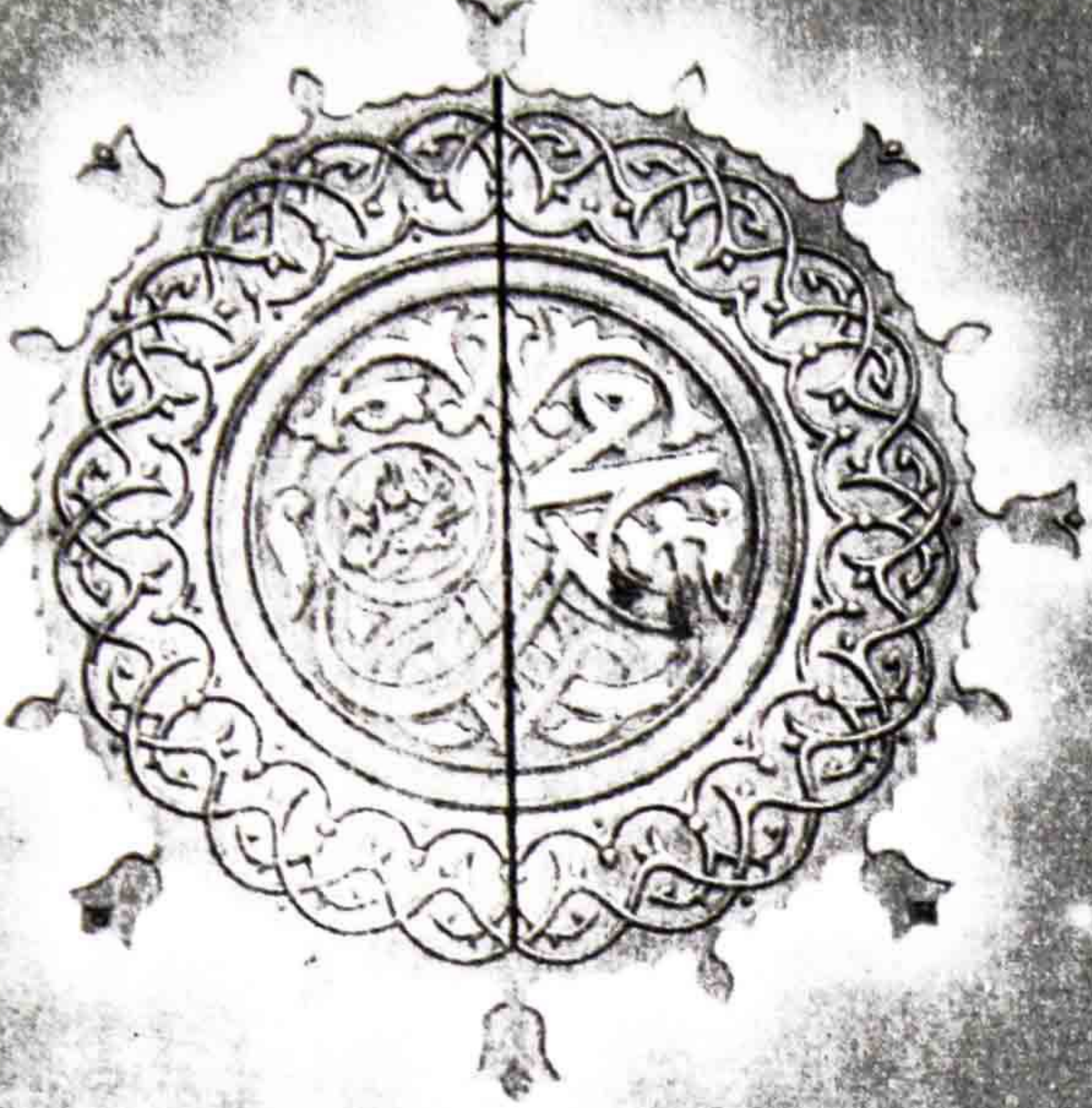
شیخ الحدیث علامہ قاضی  
عبدالرزاق بھٹراوی حطاروی

مکتبہ اہل بیت

کری روڈ، راولپنڈی

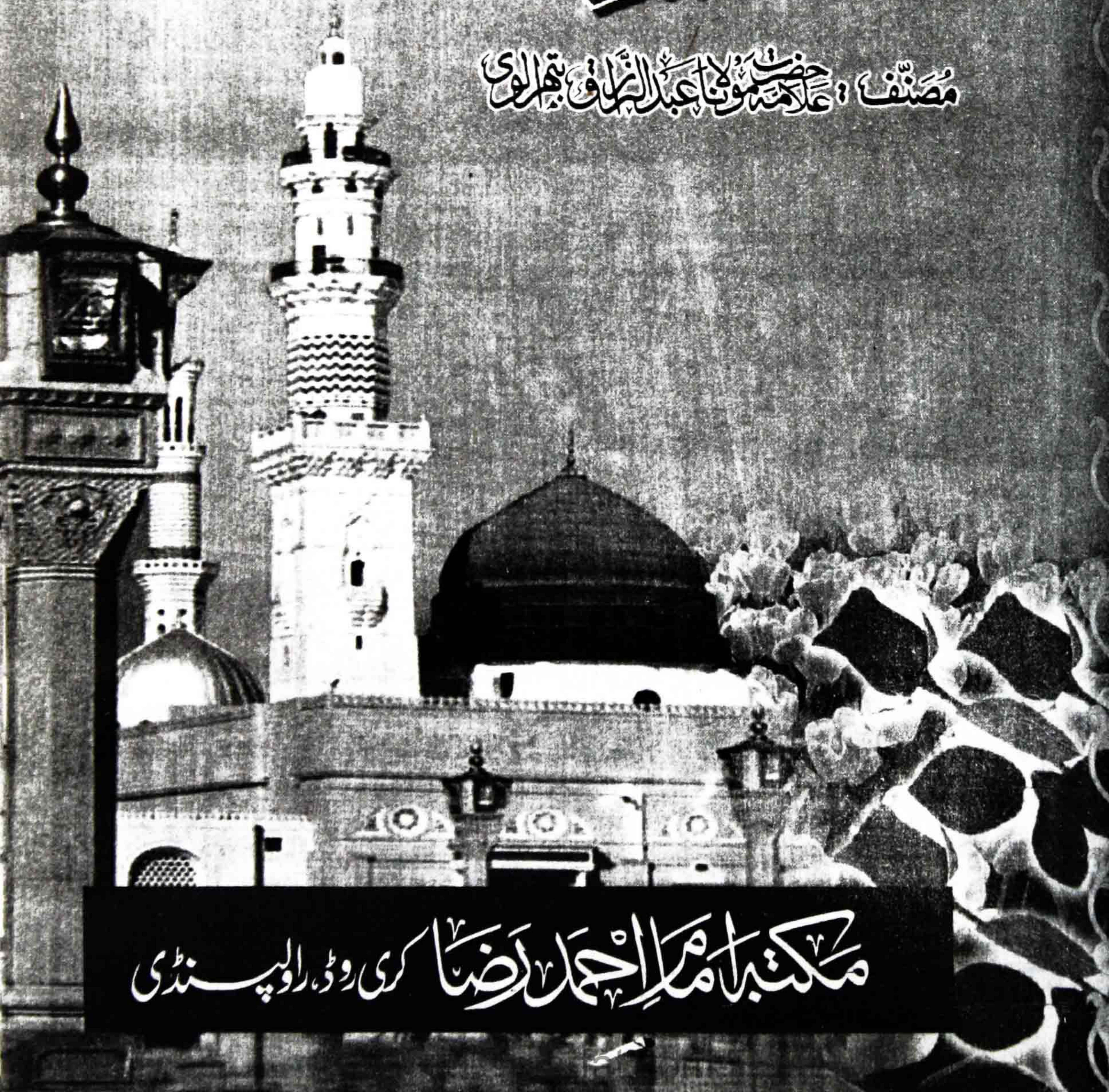


صَلِّوا لَنَا إِذْ تَمُوتُوا وَاصَلِّوا



# مازحسب كبرياء

مُصَنَّفٌ : علامہ مولانا عبدالغفار قہاروی



مکتبہ ملاح احمد رضا کوی روڈ، راولپنڈی



## جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب:	نماز حبیب کبریٰ	✽
تالیف:	علامہ مولانا قاضی عبدالرزاق بھتر الوی عطاری	✽
کمپوزنگ:	شیخ الحدیث جامعہ جماعتیہ مہر العلوم راولپنڈی	✽
ضخامت:	ضیاء العلوم کمپوزنگ سینٹر سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی	✽
بارطباعت:	450 صفحات	✽
تاریخ اشاعت:	23×36/16 سوئم	✽
ناشر:	فروری 2008ء	✽
	مکتبہ ضیاء العلوم اندرون جامعہ محمدیہ غوثیہ ضیاء العلوم	✽
	مولوی محلہ صدر راولپنڈی	

### ملنے کے پتے

✽	جامعہ جماعتیہ مہر العلوم راولپنڈی
✽	مکتبہ ضیاء العلوم اندرون جامعہ محمدیہ غوثیہ ضیاء العلوم
✽	مولوی محلہ صدر راولپنڈی موبائل: 0332-5262513
✽	احمد بک کارپوریشن عالم بزنس سینٹر کمیٹی چوک راولپنڈی
✽	مکتبہ احمد رضا شکر یال راولپنڈی،
✽	اسلامک بک کارپوریشن فضل داد پلازہ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
	فون: 051-5536111, 03005-829668



فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۶	صحابہ کرام پر کس کی تقلید ضروری تھی؟	۸	تقدیم
۴۶	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے مذہب کو فوقیت کیوں؟	۹	وجہ تالیف
۴۷	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کا تابعی ہونا	۱۳	عرض و دعاء
۴۸	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امام اعظم کے لئے دعا	۱۳	جامعہ کے قیام کے متعلق
۵۰	آپ کی فضیلت میں احادیث پاک	۱۵	اظہار تشکر
۵۳	اعتراض و جواب	۱۷	نبی کریم ﷺ کا طریقہ نماز
۵۵	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کا علمی مقام	۲۰	جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا
۵۶	امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ	۲۱	مقتدی کے لئے حکم
۵۷	مقام تفر	۲۲	مرض و عذر
۶۰	امام محمد رحمہ اللہ علیہ	۲۳	عید کی نماز
۶۱	امام شافعی رحمہ اللہ علیہ آپ کے شاگرد ہیں	۲۳	مسافر کی نماز
۶۵	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مذہب	۲۶	سر سے نیچے نماز پڑھنے کا حکم
۶۵	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۶	اعتراض و جواب
۶۸	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے اساتذہ و شاگرد	۲۷	مقدمہ
۶۹	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے تقویٰ کی ایک جھلک	۲۸	اعتراض و جواب
۷۱	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے مقلدین اولیاء کرام	۲۸	اجتہاد کے درجہ کا علم فرض کفایہ ہے
۷۱	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ طریقت کے بادشاہ	۳۰	فقہ کیا ہے
۷۲	امام اعظم رحمہ اللہ علیہ اور امام باقر رضی اللہ عنہما	۳۱	فقہ کون ہے؟
۷۳	نماز میں تکبیر افتتاح کے وقت ہاتھ اٹھانا	۳۲	اسلام کے پہلے فقہ اور مجتہد
۷۳	غیر مقلدین کا قول	۳۳	عبداللہ بن مسعود کے بعد کے فقہاء کرام
۷۳	احناف کا مذہب	۳۵	تقلید کیا ہے؟
۷۳	صحاح ستہ سے کانوں تک ہاتھ اٹھانا ثابت ہے	۳۵	تقلید صرف مجتہد کی ہوگی
۷۳	احادیث مبارکہ	۳۶	مذہب اربعہ حق ہیں
۷۷	کانوں تک ہاتھ اٹھانا دیگر کتب احادیث سے	۳۷	مذہب اربعہ کے غیر تقلید متعین
۷۷	احادیث مبارکہ	۳۸	تقلید بہت ضروری ہے
۸۰	ہاتھ کانوں سے اوپر تک اٹھانے کی روایات	۳۹	تقلید مذہب اربعہ کی کیوں ضروری؟
۸۰	احادیث مبارکہ	۳۹	تمام فقہاء کے ساتھ درجے ہیں
۸۲	کندھے تک ہاتھ اٹھانے والی روایات	۴۳	تقلید کن مسائل میں جائز ہے؟
۸۲	احادیث مبارکہ	۴۴	اپنے امام کے مذہب کو حق ماننا واجب ہے



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۱	صبح کی چار قسمیں ہیں	۸۳	صرف ہاتھ اٹھانے والی روایت
۱۲۳	رفع یدین، ممانعت کی احادیث صحاح سے	۸۳	مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہوا
۱۲۶	رفع یدین واضح طور پر منع صحاح سے حدیث	۸۳	احادیث کی تطبیق میں اہل علم کے اقوال
۱۲۶	اعتراض و جواب	۸۷	احادیث کی تطبیق احادیث پاک سے
۱۲۸	رفع یدین کی ممانعت والی حدیث	۸۹	ہاتھ باندھنے کا طریقہ
۱۲۹	سلام و رکوع میں مانع رفع یدین والی احادیث	۸۹	غیر مقلدین
۱۳۰	قارئین کرام سے انصاف کی درخواست	۸۹	احناف
۱۳۲	رفع یدین نہ کرنے پر اور احادیث	۸۹	دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے والی احادیث
۱۳۴	اعتراضات و جوابات		وہ حدیث جس سے دائیں ہاتھ
۱۳۴	جامع المسانید سے رفع یدین کی ممانعت	۹۱	کو بائیں کی کھائی پر رکھنا ثابت ہے
۱۳۴	امام محمد زہرا سے رفع یدین کی ممانعت	۹۱	احادیث میں تطبیق حدیث پاک سے
۱۳۶	بخاری کی حدیث جس میں رفع یدین کا ذکر نہیں	۹۳	ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟
۱۳۷	اعتراض و جواب	۹۳	غیر مقلدین کے حکیم فیض عالم کا یہودہ قول
۱۳۸	مسند ابی یعلیٰ سے احادیث رفع یدین کی نفی پر	۹۳	آئیے اصل مسئلہ کی طرف توجہ کریں
۱۳۹	مسند امام احمد سے احادیث رفع یدین کی نفی پر		وہ احادیث جن سے ہاتھ ناف
۱۵۰	اعتراض و جواب	۹۵	کے نیچے باندھنا ثابت ہے
۱۵۲	دار قطنی سے احادیث	۹۷	زیر ناف ہاتھ باندھنے والی احادیث صحیح ہیں
۱۵۳	مصنف عبدالرزاق سے احادیث		وہ روایات جن سے ناف کے اوپر
	مالک اشعری کا اپنے خاندان کو جمع کرنا،	۹۸	ہاتھ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے
۱۵۳	اور نماز کا طریقہ بتانا	۹۹	وہ روایات جن سے ہاتھ سینے پر رکھنا ثابت ہے
۱۵۶	ذرا غور تو کریں	۱۰۲	نیوی کی فیصلہ کن بات
۱۵۶	اعتراض و جواب	۱۰۲	اعتراض و جواب
۱۵۸	پیش کردہ حدیث کا حال دیکھیں	۱۰۳	امام ترمذی زہرا سے ان کا شاندار فیصلہ
۱۵۹	اعتراض و جواب	۱۰۶	رفع یدین کی بحث
۱۶۱	کسی فقیہ نے رفع یدین نہیں کیا	۱۱۰	دور کعتوں کے بعد کھڑا ہوتے وقت رفع یدین
۱۶۱	اعتراض و جواب	۱۱۰	سجدہ کے لئے رفع یدین
۱۶۲	عشرہ مبشرہ نے رفع یدین نہیں کیا	۱۱۲	رکوع میں جاتے، اور سر اٹھاتے
۱۶۲	عشرہ مبشرہ کے اسماء گرامی	۱۱۶	صبح کی مختصر بحث
۱۶۳	اعتراض و جواب	۱۱۶	صبح کی قسمیں
۱۶۵	غیر مقلدین کے عجیب دلائل	۱۲۱	صبح کی ایک اور تقسیم
۱۶۶	سبحان اللہ کیسی دلیل		



## نماز حبیبِ کبریٰ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۷	فاتحہ میں شدت یا حدیث پاک کی مخالفت	۱۶۶	آخری دلیل
۲۲۸	غیر مقلدین کا مذہب	۱۶۷	امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل اور مکالمہ
۲۲۸	احناف کا مسلک	۱۶۹	رفع یدین میں ائمہ کا اختلاف
۲۳۰	اعتراض و جواب	۱۷۰	اہل علم حضرات کی توجہ کے لئے
۲۳۱	بخاری کی حدیث سے انحراف کیوں؟	۱۷۰	احناف کی حق گوئی
۲۳۳	خلاصہ کلام	۱۷۱	پاکستانی مسلمان خود فیصلہ کریں
۲۳۶	"فقراۃ الامام لہ قرأۃ" جماعت کی روایت	۱۷۳	اعتراض و جواب
۲۳۶	امام اعظم رحمہ اللہ کی روایت	۱۷۶	<u>امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ</u>
۲۳۷	بخاری کی حدیث کا صحیح ترجمہ	۱۷۶	احناف کا مسلک
۲۳۷	بخاری کی رائے امام اعظم کی رائے سے اعلیٰ نہیں	۱۷۶	مقدمہ کی قرأت کا حکم
۲۳۸	بخاری کے عنوان سے بھٹکانے کی کوشش	۱۷۷	احناف کے دلائل
۲۳۸	اعتراض و جواب	۱۸۰	صحاح ستہ سے احادیث
۲۳۱	فتاویٰ ابن تیمیہ کی ایک جھلک	۱۸۱	اعتراضات و جوابات
۲۳۲	فیصلہ کن بات	۱۸۶	مؤطا امام مالک سے حدیث
۲۳۳	<u>مسئلہ آئین کہنے کا</u>	۱۸۷	مؤطا امام محمد سے حدیث
۲۳۳	احناف کا مذہب اور دلائل	۱۹۱	مصنف ابن ابی شیبہ سے احادیث
۲۳۳	آہستہ آہستہ کہنا صحاح ستہ سے	۱۹۵	یہودی سے احادیث
۲۳۶	اعتراضات و جوابات	۱۹۹	مصنف عبدالرزاق سے احادیث
۲۵۱	موطا امام محمد سے حدیث	۲۲۰	دارقطنی سے احادیث
۲۵۲	آئین آہستہ پڑھنے پر واضح حدیث	۲۰۲	نتیجہ واضح ہے
۲۵۳	اعتراض و جواب	۲۰۳	غیر مقلدین کا مذہب
۲۵۷	غیر مقلدین کا مذہب	۲۰۳	غیر مقلدین کے دلائل اور احناف کے جوابات
۲۵۸	غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات	۲۰۵	اعتراض و جواب
۲۵۹	غیر مقلدین کی پہلی دلیل	۲۰۶	"لا" ذات کے وجود کی نفی کے لئے آئے
۲۵۹	غیر مقلدین کی دوسری دلیل	۲۰۶	"لا" کبھی کمال کی نفی کرتا ہے
۲۶۰	ان دلیلوں کا جواب	۲۱۰	سوال و جواب
۲۶۲	اعتراضات و جوابات	۲۱۱	حدیث پاک کی توجیہ حدیث پاک سے
۲۶۹	غیر مقلدین کی تیسری دلیل	۲۱۲	اعتراضات و دلائل اور جوابات
۲۶۹	جواب	۲۱۶	غیر مقلدین کی دلیل و جواب
۲۷۰	غیر مقلدین کی چوتھی دلیل	۲۱۷	احادیث واضحہ صریحہ
۲۷۱	جواب	۲۲۰	اعتراضات و جوابات



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۸	وتر میں ایک اور اختلاف	۲۷۲	غیر مقلدین کی پانچویں دلیل
۳۱۸	احناف کا مذہب	۲۷۲	جواب
۳۱۸	غیر مقلدین کا مذہب	۲۷۳	اعتراض و جواب
۳۱۹	غیر مقلدین فرق نہ سمجھ سکے	۲۷۳	غیر مقلدین کی چھٹی دلیل
۳۲۰	غیر مقلدین کی بدیانتی یا جہالت	۲۷۵	جواب
۳۲۱	غیر مقلدین کی پیش کردہ احادیث کو دیکھیں	۲۷۶	غیر مقلدین کی ساتویں دلیل
۳۲۳	قنوت نازلہ کی منسوخیت احادیث سے	۲۷۷	جواب
۳۲۷	نماز تراویح کا بیان	۲۷۹	حقیقت یہ ہے
۳۲۷	حادث تراویح سے پہلے چند ضروری باتیں	۲۷۹	غیر مقلدین اور احناف میں فرق
۳۲۸	احناف کی اپنے موقف پر احادیث	۲۷۹	غیر مقلدین کا یہودہ کلام
۳۳۰	تراویح کی جماعت رسول اللہ ﷺ نے کرائی	۲۸۰	احناف کا سنجیدہ کلام
۳۳۱	حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد	۲۸۲	تکبیرات عیدین
۳۳۲	تراویح کی ابتدا اعتکاف کی راتوں میں ہوئی	۲۸۲	غیر مقلدین کا مذہب
۳۳۵	نبی کریم ﷺ نے تراویح کی جماعت کرائی	۲۸۲	احناف کا مذہب
۳۳۶	حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد	۲۸۲	غیر مقلدین کے دلائل
۳۳۸	جماعت سے تراویح، نبی علیہ السلام کی پسند	۲۸۶	احناف کے دلائل
۳۳۹	حضرت عمر، تراویح کی جماعت کا اجراء	۲۹۱	فریقین کی پیش کردہ احادیث کی طرف توجہ
۳۴۰	حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد	۲۹۲	تمام احادیث میں تطبیق اور غیر مقلدین کی غلطی
۳۴۱	فائدہ جلیلہ	۲۹۳	غیر مقلدین کی بے انصافی
۳۴۲	بیس تراویح کا ثبوت	۲۹۶	مسئلہ میں اختلاف
۳۴۷	اہل مدینہ بیس رکعت پڑھتے تھے	۲۹۹	نماز وتر
۳۴۷	اعتراض و جواب	۲۹۹	احناف کا مذہب
۳۴۸	اہل مکہ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا	۲۹۹	مذہب احناف پر دلالت کرنے والی احادیث
۳۴۹	بیس رکعت کے ثبوت پر اور احادیث	۳۰۰	احادیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد
۳۵۱	بیس رکعات کے متعلق کچھ اور احادیث	۳۰۷	غیر مقلدین کی اپنے موقف پر احادیث
۳۵۲	چار مذہب میں بھی تراویح بیس رکعات ہیں	۳۰۸	غیر مقلدین کی زیادتی غلطی
۳۵۲	تراویح کی بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع	۳۰۹	غیر مقلدین والا معنی کیوں درست نہیں
۳۵۵	غیر مقلدین کے امام کا فتویٰ	۳۱۱	وتر میں ایک اور اختلاف
۳۵۶	آٹھ تراویح پر غیر مقلدین کے دلائل	۳۱۲	اعتراض و جواب
۳۵۷	غیر مقلدین کی اس دلیل کا رد	۳۱۶	غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث، اس کا جواب
		۳۱۷	غیر مقلدین کی اس دلیل کا جواب



## نماز حبیب کبریاء

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۶	عورتوں کی نماز	۳۵۸	غیر مقلدین کی عجیب چالبازی
۳۹۷	عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق	۳۵۸	غیر مقلدین کا موقف غلط ہے
۳۹۸	عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے	۳۵۹	غیر مقلد ثناء اللہ امرتسری کی حق گوئی
۴۰۳	عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی	۳۶۲	تہجد اور تراویح علیحدہ، علامہ امرتسری کا فتویٰ
۴۰۵	عورت کی صف مردوں کی صف کے پیچھے	۳۶۲	نبی کریم ﷺ تہجد آخرات میں ادا کرتے تھے
۴۰۵	عورت کا سجدہ	۳۶۲	حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد
۴۰۶	عورت کا نماز میں بیٹھنا	۳۶۳	تراویح اول وقت میں
۴۱۰	جلسہ استراحت کا مسئلہ	۳۶۳	تہجد اور تراویح دونوں کے ادا کرنے کی ترغیب
۴۱۰	غیر مقلدین کا مذہب اور دلیل	۳۶۳	تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ ہیں
۴۱۱	احناف کا مذہب و دلائل	۳۶۶	تہجد اور تراویح کو علیحدہ علیحدہ پڑھا گیا
۴۱۶	غیر مقلدین کا جواب اور شاندار محاکمہ	۳۶۷	بخاری نے بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ پڑھا
۴۱۷	محاکمہ پر احادیث کی تائید	۳۶۷	غیر مقلدین کی آٹھ تراویح پر ایک اور دلیل
۴۱۹	نمازوں کے اوقات	۳۶۸	جوابات
۴۱۹	غیر مقلدین کا مذہب و دلائل	۳۷۰	ایک لطیفہ لیکن حقیقت
۴۲۰	متفق کی نماز	۳۷۳	جنازہ کا مسئلہ
۴۲۱	غیر مقلدین دعویٰ علمت کرنے میں ناکام	۳۷۳	غیر مقلدین کا مذہب
۴۲۳	عصر کا وقت فقہ حنفی سے	۳۷۳	احناف کا مذہب
۴۲۶	نماز ظہر کے وقت کے متعلق	۳۷۷	نماز جنازہ میں قراءت نہیں
۴۳۱	فجر کی نماز کے متعلق	۳۸۱	وہ جلیل القدر جو فاتحہ کی قرات کے قائل نہیں
۴۳۲	صبح کی جماعت کا مستحب وقت فقہ حنفی سے	۳۸۲	سورۃ فاتحہ ثناء کے طور پر پڑھنا جائز ہے
۴۳۳	احناف کا استدلال اور غیر مقلدین کا جواب	۳۸۳	فاتحہ والی حدیث
۴۳۷	جلد نماز پڑھنے پر غیر مقلدین کی ایک اور دلیل	۳۸۳	مقام توجہ
۴۳۹	غیر مقلدین کا حدیث پر عمل یا انحراف	۳۸۵	جنازہ کی تکبیر
۴۴۲	چھوٹے بچے کے پیشاپیش میں اختلاف	۳۸۵	جنازہ کی تکبیروں کی تعداد
۴۴۲	احناف کا مذہب اور غیر مقلدین کی دلیل	۳۸۸	چار تکبیروں کے بغیر باقی منسوخ ہیں
۴۴۳	احناف کی طرف سے جواب	۳۹۰	چار تکبیروں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق
۴۴۷	قلطی کی بیادوی لاجہ محاورات سے بے خبری	۳۹۱	جنازہ میں شاکا آہستہ پڑھنا
۴۴۸	مغرب کی اذان کے بعد نفل	۳۹۲	نماز جنازہ کے بعد دعاء اور اس کا ثبوت



## تقدیم

آئے دن نئے نئے فتن کے ابواب کھلتے جا رہے ہیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ اسلام، قرآن اور حدیث کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے۔ بے چارے سیدھے سادھے مسلمان جو حضور کا نام ہی سن کر مر مٹنے والے ہیں۔ جب ان کے سامنے احادیث مبارکہ کو درپردہ مذموم عزائم کے پیش کیا جاتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ اب تک تم نے اپنی زندگی مشرکانہ گزاری اور ابھی تک تو تمہیں وہ نماز ہی پڑھنا نہ آئی، جو آقائے دو عالم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ نتیجتاً وہ سادہ لوح مسلمان کف افسوس ملتے ہوئے اپنی سابقہ زندگی پر پشیمان ہونے لگتا ہے اور گویا اس کا ذہن ایک منجد ہار میں پھنس گیا ہے کہ اسے ماضی و مستقبل تاریک نظر آنے لگتا ہے۔ ایام اور مسلمانوں کے بارے میں طرح طرح کے خدشات جنم لینے لگتے ہیں۔ بلا آخر وہ راہ راست سے بھٹک کر شیطان کے پنجے میں پوری طرح جکڑا جاتا ہے۔

ایسے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے مرد مجاہد میدان علم و عمل کے غازی اور درس و تدریس کے میدان کے شہسوار اور خداداد بے پناہ (خوبیوں) کے مالک کہ جن کا اسم گرامی تحریری میدان میں گویا شیر کی دھاڑ ہے۔ اور جنہیں تحریری ملکہ کا دافر حصہ بارگاہ خداوندی سے ملا ہے۔ میری مراد شیخ الحدیث (مفتی) حضرت علامہ **عبد الرزاق بھتر الوہی مدظلہ العالی** ہیں۔ آپ نے نماز کے حوالے سے منسوخ روایات کے بل بوتے پر لوگوں کو گمراہ کرنے والے غیر مقلدین کو آئینہ دکھایا ہے اور **نماز حبیب کبریٰ** علیہ النجۃ والثناء تالیف فرما کر یہ ثابت فرمایا ہے کہ اے طبقہ غیر مقلدین آؤ دیکھ لو حدیث رسول پر عمل کرنے والے ہم ہیں یا تم؟ آپ کی مدلل تحریر پڑھ کر اس بات کا قازی فیصلہ خود ہی کریگا۔

اللہ کریم اپنے محبوب رحیم کے صدقے موصوف کو صحت کے ساتھ عمر خضری عطا فرمائے آپ اہل سنت کا فخر اور عظیم سرمایہ ہیں۔

**جامعہ جماعتیہ مہر العلوم** کے شعبہ نشر و اشاعت کو اس کتاب کے شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے، اور اس سے قبل بھی ”ایصال ثواب مستحب ہرے“ اور ”تکریم والدین مصطفیٰ ﷺ“ شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر چکا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ادارہ کی ظاہری و باطنی ترقی کے لئے دعا فرمائیں۔

یکے از خوش چین علامہ بھتر الوہی

حافظ شوکت حیات الخیری



## ﴿وجہ تالیف﴾

ایک مرتبہ قاری محمد آصف صاحب نے فرمایا کہ فقہ حنفی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مضمون تحریر کرو لیکن وہ بہت مختصر ہو اور آسان ہو جس سے عوام فائدہ حاصل کر سکیں۔ قاری محمد آصف صاحب کے کہنے پر میں نے ایک مختصر مضمون تحریر کر دیا۔ اس مضمون کی تحریر کے وقت خیال تو ہوا تھا کہ فقہ حنفی کے مخالفین کے اختلافی مسائل پر بھی قلم اٹھایا جائے۔ تاکہ اپنے اہل سنت و جماعت حنفی حضرات کو اپنے مذہب کا پتہ چل جائے اور آئے دن مخالفین کی اشتہار بازی سے کہیں دھوکہ میں آکر مذہب حق سے روگردانی نہ کر لیں۔ لیکن اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہی رہا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ کئی اور تصنیفات میں مشغول تھا۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ مولانا محمد اسحاق نظیری صاحب کے والد مکرم کے جنازہ میں شریک تھا، وہاں قاری عبید احمد ستی صاحب نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے، رفع یدین، اور بلند آواز سے آمین کہنے پر زور دینے والوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ بخاری (مترجم اردو) لوگوں کو دکھا دکھا کر متزلزل کر رہے ہیں اسلئے ان مسائل پر کچھ لکھنے کی ضرورت ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم ان مسائل پر کچھ ضرور لکھو گے۔ ساتھ ہی برادر محترم، شفیق و مہربان حضرت علامہ عبدالغنی نقشبندی نے بھی ان کی تائید کی اور مجھے لکھنے کا مشورہ اور حکم دیا۔

اس کے بعد عزیزم محمد رضوان زاہد آف پوڑمیانہ (ضلع انک) نے بھی کئی مرتبہ کہا کہ میں کوئی کتاب اس قسم کے مسائل کے متعلق لکھوں۔

اسی طرح ایک اور عزیز متعلم نے بھی کہا کہ آزاد کشمیر کے علماء کہتے ہیں کہ چھوٹے شاہ صاحب (استاذ العلماء حضرت علامہ پیر سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی) اتنے بڑے عالم ہیں کاش کہ وہ ان مسائل پر کوئی کتاب تصنیف کر دیتے تاکہ



عوام غیر مقلدین کے جال سے بچ جاتے تو کتنا اچھا تھا۔ میں نے کہا قبلہ شاہ صاحب مدرسے کے نظم و نسق میں اتنے مصروف ہیں کہ ان کا تین، چار اسباق پڑھا دینا بھی غنیمت ہے۔ ان کے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ وہ اس قسم کے کام کریں۔

یہ تو یقینی بات ہے کہ ان کے علم، زہد و تقویٰ سے ہمیں عشر عشر بھی حاصل نہیں، لیکن وہ اپنی شفقت و مہربانی سے میری تحریروں کو سراہتے ہوئے اس طرح حوصلہ افزائی فرماتے ہیں جیسے کہ عظیم المرتبت علماء کرام، اساتذہ کرام اپنے ادنیٰ طلباء کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

خیال ہوا کہ آزاد کشمیر کے علماء کرام کے اس مطالبے کو حضرت شاہ صاحب کے نمائندہ کی حیثیت سے اپنی وسعت کے مطابق میں ہی پورا کر دوں اور ساتھ ساتھ قاری عبید ستی برادر م حضرت مولانا عبدالغنی نقشبندی اور عزیز محمد رضوان زاہد کے مطالبہ پر بھی عمل ہو جائے اور دیرینہ خیال کی ترجمانی بھی ہو جائے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے کچھ عرصہ کام نہ کر سکا۔ اب چند ضروری مسائل کو اپنی علمی وسعت کے مطابق تحریر کر دیا ہے تاکہ عوام و طلباء کرام کو فائدہ ہو سکے۔

امید ہے کہ علماء کرام کم از کم عوام کو اس کتاب کی رہنمائی کر کے حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ میں نے تین مسائل کو تحریر کر کے اپنے پرانے تلمیذ رشید یعنی مولانا ضمیر احمد ساجد کو دکھائیں کہ ان سے رائے لے لوں کہ یہ تحریر چھپوانے کے قابل ہے یا نہیں۔ انہوں نے پڑھ کر بہت حوصلہ افزائی کی کہ ضرور چھپوایا جائے، کوئی مانے یا نہ مانے کم از کم اپنے لوگ تو اس سے ضرور فائدہ حاصل کریں گے۔ برادر محترم حضرت علامہ مولانا عبد الرشید قریشی (مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی) نے بھی چند اوراق دیکھے انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ ضرور چھپوانا چاہیے۔ منصب تدریس پر فائز ایک عظیم محقق کا مشورہ بھی یقیناً حوصلہ افزائی کا سبب بنا۔ قاری محمد آصف اور قاری محمد عارف صاحب ہر کتاب کی تصنیف پر



عظیم مشورے سے نوازتے ہیں اس کتاب کے بھی چند ابتدائی اوراق سب سے پہلے انہوں نے ہی دیکھے۔

خصوصاً میرے والدین کریمین کی زندگی میں میرے حق میں کی گئی دعائیں اور آج تک ان کا روحانی فیض اور میرے اساتذہ کرام کی نظر رحمت بالخصوص استاذ المحققین والمدققین اشرف العلماء حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی اور میرے شیخ کامل رئیس الاصفیاء حضرت پیر نصیر الدین شاہ گولڑوی مدظلہ العالی کی نظر کرم کا اثر ہے کہ میں تصنیفی کام میں علماء کرام، طلباء کرام اور عوام اہلسنت سے شرف قبولیت حاصل کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے بچوں حافظ عبد الماجد سلمہ اللہ تعالیٰ حافظ عبد الباسط سلمہ اللہ تعالیٰ حافظ عبد الواسع سلمہ اللہ تعالیٰ کو راہ حق پر قائم و دائم رکھے۔

عرض دعاء:

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ میرے مدرسے ”جامعہ جماعتیہ مہر العلوم“ کی ترقی کیلئے دعاء فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کو دن دگنی، رات چکنی ترقی عطاء فرمائے۔ اور اس کو ہریلی اور شریر آنکھ سے محفوظ فرمائے۔ امین بجاہ النبی الکریم ﷺ

عبدالرزاق بہترالوی، حطاروی

مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم

رحیم ٹاؤن شکریال راولپنڈی



## ﴿نبی کریم ﷺ کا طریقہ نماز﴾

صفوں میں سیدھا کھڑا ہونا:

”وعن انس قال اقيمت الصلوة فاقبل علينا رسول الله ﷺ بوجهه فقال اقيموا صفوفكم وتراصوا فاني اراكم من وراء ظهري“ (رواه البخاری، مشکوة باب تسوية الصفوف)  
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نماز کے لئے اقامت کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمارى طرف توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا اپنی صفوں کو سیدھا برابر رکھو اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہو، بیشک میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

## وضاحت حدیث:

﴿اقيمت الصلوة﴾ ای فعلت اقامة الصلوة “یعنی نماز کے لئے اقامت کہی گئی، یا یوں کہیں جب نماز کو قائم کرنے کی تیاری کی گئی۔ (اقیموا صفوفکم) ای عدلوا واتموا“ حدیث شریف میں جو لفظ ”اقیموا صفوفکم“ کے استعمال ہیں ان کا معنی یہ ہے صفوں کو سیدھا برابر رکھو اور صفوں کو مکمل کرو۔

”عن انس قال قال رسول الله ﷺ اراصوا صفوفكم قاربوا بينها وحاذا بالاعناق فوالذي نفسي بيده اني لارى الشيطان يدخل من خل الصف كانها الخذف“  
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو درست رکھو ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ اور گردنوں کو برابر کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بیشک میں شیطان کو صف کی خالی جگہ میں ایسے گھستے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے بھیڑ بکری کا چھوٹا بچہ خالی جگہ میں ٹھس جاتا ہے۔

## وضاحت حدیث:

﴿ارصوا صفوفكم﴾ کا معنی یہ کہ صفوں کو سیدھا رکھو اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوں درمیان میں خالی جگہ نہ رہے۔



خیال رہے ”رصوا“ اور تراصوا“ کے معانی ”بنیان مرصوص“ سے لئے ہوئے ہیں۔  
 (وقار بوابینہا) یعنی صفوں کے درمیان قرب رکھو ایسا نہ کہ دو صفوں کے  
 درمیان اتنی کشادگی رکھو کہ ان کے درمیان ایک اور صف سما سکے، تمہارا صفوں میں جسمانی  
 طور پر ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا تمہاری روحوں کے درمیان اتصال کا ذریعہ ہوگا۔  
 یعنی تمہارے دل ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، اور شیطان تمہارے درمیان گھس کر  
 تمہارے درمیان نفاق (منافقت) پیدا نہیں کرے گا۔

”والظاہر ان محلہ حیث لا عذر کحرا وبرد شدید“ اگر کسی عذر کی وجہ سے  
 صف میں اس طرح کھڑے ہوں کی ایک دوسرے سے معمولی فاصلہ رہے تو کوئی حرج نہیں  
 جیسا کہ شدید گرمی اور شدید سردی میں ضرورت ہوتی ہے کہ کچھ فاصلہ رہے۔ گرمی میں تو واضح  
 ہے اور سردی میں اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ لوگوں نے چادریں اوڑھ رکھی ہوتی ہیں بہت  
 قرب اور بہت زیادہ مل کر کھڑا ہونا رکوع اور سجدہ کرنے میں دشواری کا سبب بنتا ہے۔

﴿و حاذوا بالاعناق﴾ اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ  
 گردنیں برابر رکھو احادیث کا ظاہری ترجمہ دیکھنے والے مطالب کو نہ سمجھنے والے یا لوگ ایک  
 جیسے قد والے لوگ تلاش کر کے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑا کریں تب اس پر عمل ہو سکے گا،  
 نہیں نہیں اس کا مطلب ہی نہیں اسی لئے علامہ طیبی رحمہ اللہ نے واضح طور پر بیان فرمایا۔

”ولا عبرة بالاعناق اذ ليس على الطويل ان يجعل عنقه  
 محاذيا للقصير“

حدیث شریف کا ظاہری معنی معتبر ہی نہیں اس لئے کہ لمبے قد والے شخص کی  
 گردن چھوٹے قد والے کی گردن کے برابر نہیں ہو سکتی۔

ہاں ذرا غور کیجئے حدیث پاک کا مطلب کیا ہے؟

(و حاذوا بالاعناق) ای بان لا یترفع بعضکم علی بعض بان  
 یقف فی مکان ارفع من مکان الآخر“



یہ بھی خیال رہے کہ امام کے ساتھ کچھ صفیں برابر جگہ پر ہوں پھر اور صفیں کچھ اوپر  
دوسری منزل میں ہوں اور کچھ نیچے تہہ خانہ وغیرہ میں ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں

اس حدیث کی وضاحت سے ایک اور مسئلہ حل ہو گیا:

ایک اور حدیث پاک کی طرف توجہ کیجئے:-

”عن انس عن النبی ﷺ قال اقيموا صفوفكم فاني اراكم من  
وراء ظهري و كان احدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه  
بقدمه“ (بخاری باب الزايق المنكب بالمنكب واقدم بالقدم في الصف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنی صفوں کو درست رکھو  
پیشک میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے دیکھتا ہوں اور ہم سے کوئی ایک اپنے کندھے کو  
دوسرے کے کندھے سے ملاتا اور قدم کو قدم سے ملاتا۔

”وقال النعام بن بشر رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحب“  
نعمان بن بشر کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ایک شخص اپنے  
کعب کو دوسرے کے کعب سے ملاتا۔

جب پہلی حدیث سے واضح کیا جا چکا ہے کہ گردنوں کا برابر کرنے کا حکم اپنے  
ظاہر پر نہیں بلکہ اس سے مراد ہے کہ ایک دوسرے سے ایک ہی صف میں اوپر نیچے نہ  
کھڑے ہو، اسی طرح ان دونوں حدیث کا بھی مقصد یہ ہے ”المراد بذلك المبالغة  
في تعديل الصف وسدخله“ کہ صفوں کو درست کرنے اور ان میں کشادگی کو بند  
کرنے کو بہت مبالغہ سے ثابت کیا گیا ہے۔

کئی احادیث میں صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑا ہونے کا حکم دیا  
گیا ہے کہ درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑو مختلف احادیث میں مختلف الفاظ مذکور ہیں تاہم  
ابوداؤد اور صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث مذکور ہے جس کے الفاظ تمام  
احادیثوں کے الفاظ کو جامع ہیں۔

”ان رسول الله ﷺ قال اقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب  
وسدوا الخلل ولا تذروا فرجات للشيطان ومن وصل



صفا وصله الله ومن قطع صفا قطع الله“

پيشك رسول الله ﷺ نے فرمایا صفوں کو سیدھا رکھو اور کندھوں کو برابر رکھو اور درمیان میں کشادگی کو بند کر اور درمیان میں شیطان کے لئے خالی جگہ نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا اللہ تعالیٰ اے ملائے گا (یعنی ان کے دل ایک دوسرے سے مل جائیں گے) اور جس نے صف کو منقطع کیا اللہ تعالیٰ اسے منقطع کرے گا۔

جن دو حدیثوں کا ذکر کیا جا رہا ہے ان سے یہ ثابت کرنا کہ صف میں کندھے سے کندھا ملانا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملانا ضروری ہے یہ ناکام کوشش ہے اس کی وجوہ دیکھیں مسئلہ خود واضح ہو جائے۔

ایک وجہ تو یہ ہے ”وحنان احدنا“ کا مفہوم یہ ثابت کرنا یقینی نہیں کہ اس کا یہ ہی ترجمہ کیا جائے کہ ہم میں سے ہر ایک (کندھے سے کندھا ملاتا) بلکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہم میں کوئی ایک کندھے کو کندھے سے ملاتا۔

پھر ”یلزق“ کا معنی ملانا اور چمٹانا کرنا بھی ضروری نہیں اس لئے کہ ”ملزق“ منہ بولے بیٹے کو بھی کہا جاتا ہے۔ اسے اپنی طرف منسوب تو کیا جاسکتا ہے لیکن متصل ہونا اور چمٹنا معنی مراد لینا درست ہی نہیں پھر کعب کا معنی ٹخنہ کرنا ضروری نہیں اس لئے کہ وضوء کے مسائل میں ”کعب“ کا معنی ٹخنہ ہے حج کے مسائل میں ”کعب“ کا معنی ”معقد الشراک“ لیا گیا ہے یعنی پاؤں کا اوپر ہڈی والا حصہ جہاں تسمہ ہوتا ہے اور ”کعب“ کا معنی ایڑی بھی لیا گیا۔ تمام احادیث کا مجموعی مفہوم یہ ہے کہ کندھے کو کندھے کے برابر رکھو قدم کو قدم کے برابر رکھو صف کو درست رکھو درمیان میں جگہ خالی نہ چھوڑو۔ اس لئے کندھے چڑھا کر، یا کندھے نیچے کر کے دوسرے کے کندھے سے ملانا اور پاؤں پھیلا کر ایک دوسرے کے ٹخنوں سے ٹخنے ملانا احادیث کا مطلب نہیں اور بہت واضح بات ہے کہ رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تکلیف کا حکم نہیں کیا گیا۔ کندھوں کو کندھوں سے ملانا اور ٹخنوں کو



شخنوں سے ملانا، اور کھڑے ہونا اور اسی حال میں رکوع اور سجدہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں اس پر عمل کرنے کی ناکام جسارت ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی عمل ایسا نہیں جسے لوگ عیب سمجھیں۔

سب حضرات کو دعوت فکر دیتا ہوں اور انصاف کی توقع رکھتا ہوں کہ ذرا غور کریں اور انصاف کی آنکھ سے غیر مقلدوں کو بھی نماز جماعت سے ادا کرتے ہوئے دیکھو اور حنفیوں کو بھی دیکھو تو خود بخود سمجھ آ جائے گا کہ اونٹ کی طرح پاؤں پھیلا کر کھڑے ہو جانا اور طبعی طور پر پاؤں جتنے کھلے ہوتے ہیں اسی مقدار میں کھلے رکھ کر کھڑا ہونا ان میں مہذب طریقہ کون سا ہے اور عیب دار کون سا ہے اور لطف کی بات ہے کہ حدیث میں صف کو درست کرنے کا حکم دیا ہے اس کے ظاہری الفاظ سے غلطی کھانا اور حقیقی مطلب کونہ سمجھنا تو غیر مقلدوں کا طریقہ چلا آ رہا ہے لیکن ان احادیث سے اکیلے نماز پڑھتے ہوئے پاؤں پھیلا کر کھڑا ہونا کہاں سے ثابت ہے۔

دینی مدارس کے طلباء اس مسئلہ کو بھی باخوبی سمجھتے ہیں کہ ”با“ الصاق کے لئے آتی ہے اور الصاق کا معنی ہے ”اتصال الشئی بالشئی“ ایک چیز کا دوسری چیز سے متصل ہونا پھر اتصال کی دو قسمیں ہیں۔ اتصال حقیقی اور اتصال مجازی۔ اتصال حقیقی کی مثال ”بہ داء“ ہے جس کا معنی ہے اس کے ساتھ بیماری حقیقی طور پر متصل ہے۔ اور اتصال مجازی کی مثال ہے ”مردت بزید“ جس کا معنی میں زید کے قریب سے گزرا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چمٹ کر، اپنے جسم کو اس کے جسم سے ملا کر گزرا۔ جب ”الصاق“ اور ”الزاق“ کا تقریباً ایک معنی تو کیا وجہ ہے کہ الصاق کا مجازی معنی لے لیا جائے اور الزاق کا مجازی معنی نہ لیا جائے؟ وجہ صرف یہی ہے کہ علمی کمزوری ہے ظاہری معنی کو دیکھنا اور کسی عبارت کی اصل روح کونہ سمجھنا ہے ورنہ اور کوئی وجہ ہی نہیں۔



﴿ بسم الله الرحمن الرحيم ﴾

## ﴿ نبی کریم ﷺ کا طریقہ نماز ﴾

باوضوء ہو کر جسم کو ڈھانپ کر یعنی ستر عورت اور مستحب لباس کا لحاظ کرتے ہوئے ، قبلہ کی طرف منہ کر کے انسان کھڑا ہو جائے ۔

نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے یعنی نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہے ، تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھائے ہاتھ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لوتک ہوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں اور ہاتھوں کی انگلیاں کانوں سے اوپر ہوں ۔

پھر اپنے ہاتھ باندھ لے ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کے اوپر دایاں ہاتھ ہو اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی پیٹھ پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی ہو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کا بائیں ہاتھ کے جوڑ پر گھیرا ہو اور دائیں ہاتھ کی درمیان والی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلانی پر ہوں

پھر ثناء پڑھے پھر تعوذ پڑھے پھر تسمیہ ، سورۃ الفاتحہ ، پھر کوئی اور سورۃ یا ایک بڑی آیت جو اٹھارہ حرفوں سے زائد ہو۔ یا تین چھوٹی آیتیں پڑھے کم از کم ہر آیت چھ لفظوں پر مشتمل ہو۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے ، یہاں ہاتھ نہ اٹھائے ، رکوع



میں کم از کم تین مرتبہ ”سبحان ربی العظیم“ پڑھے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے۔ پھر ربنا لک الحمد کہے۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے، یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے، پھر سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھے۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے۔ یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر دوسرے سجدہ میں چلا جائے۔ یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے۔ پھر دوسرے سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے۔ یہاں بھی ہاتھ نہیں اٹھانے۔

دوسری رکعت تسمیہ سے شروع کرے، پھر پہلی رکعت کی طرح ہی اسے مکمل کرے۔ دوسری رکعت کے مکمل ہونے پر دو زانو ہو کر بیٹھ جائے۔ اس طرح کہ بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور اس قعدہ (بیٹھنے کی حالت) میں تشهد پڑھے۔ یعنی التحیات سے لے کر عبدہ ورسولہ تک پڑھے۔

اگر انسان نے دو ہی رکعت پڑھنے ہیں تو تشهد کے بعد درود پاک پڑھے۔ پھر کوئی دعا پڑھے جو دعا قرآن پاک میں ہو یا حدیث پاک میں۔ زیادہ مشہور دعا ”رب اجعلنی“ الخ ہے۔

دعاء کے مکمل کرنے کے بعد السلام علیکم ورحمة اللہ کہتے ہوئے پہلے دائیں طرف منہ پھیرے پھر اسی طرح السلام علیکم ورحمة



اللہ کہتے ہوئے بائیں طرف منہ پھیرے۔

اگر ایک شخص نے تین رکعت یا چار رکعت پڑھنی ہوں تو دوسری رکعت کے بعد قعدہ میں صرف تشهد پڑھے۔ درود شریف اور دعانہ پڑھے۔

تشہد کے بعد تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو جائے۔ اگر نفل نماز ہو یا سنت ہوں تو تیسری رکعت اور چوتھی رکعت بھی دوسری رکعت کی طرح ہی پڑھے یعنی تسمیہ سے شروع کرے اور سورۃ فاتحہ بھی پڑھے اور سورۃ بھی ملائے۔

اگر فرض پڑھ رہا ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھ لینے کافی ہے۔ تاہم اگر سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور کوئی سورۃ بھی ملائے تو کوئی حرج نہیں۔

اگر وتر پڑھ رہا ہو تو تیسری رکعت کو تسمیہ سے شروع کرے، پھر سورۃ فاتحہ پڑھے پھر اور سورۃ ساتھ ملائے۔ سورۃ پڑھ لینے کے بعد اللہ اکبر کہے اور ہاتھ کانوں تک اٹھائے۔ کھڑا رہے۔ رکوع میں نہ جائے۔ اسی کھڑے ہونے کی حالت میں دعاء قنوت پڑھے پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے۔ ہاتھ نہ اٹھائے۔ اس کے بعد عام نماز کی طرح مکمل کرے۔

وتر صرف رمضان المبارک میں جماعت سے پڑھے جاتے ہیں۔ باقی دنوں میں اکیلے ہی پڑھے جاتے ہیں۔ وتر کی صرف تین رکعت ہیں۔ ایک رکعت یا پانچ رکعت یا سات رکعت وتر نہیں۔ رمضان المبارک میں وتر جماعت



كے ساتھ پيس ركعت تراويح ادا كر ليئنے كے بعد پڑھے جاتے هیں۔

## تنبيه:

كوئى شخص جب اكيلى نماز ادا كر رہا هو تو سنت كى هر ركعت ميں، نفلوں كى هر ركعت ميں، وتروں كى هر ركعت ميں مطلقاً قرأت فرض هے۔ سورة فاتحه پڑھنى واجب هے۔ اور كوئى سورة ملانا بهى واجب هے۔

فاتحه پڑھ لے اور كوئى سورة بھول كر نہ ملائے تو فرض بهى ادا هو گيا۔ اور ايك واجب بهى ادا هو گيا كہ سورة فاتحه پڑھ لى۔ ليكن ايك واجب چھوٹ گيا كہ دوسرى كوئى سورة نہيں ملى۔ لہذا سجدہ سھو لازم آئے گا۔

اگر اور كوئى سورة پڑھ لى بھول كر سورة فاتحه نہ پڑھى تو پھر بهى يہى صورت هے كہ فرض ادا هو گيا۔ ايك واجب بهى ادا هو گيا۔ اور ايك واجب رہ گيا۔

اگر فرض نماز پڑھ رہا هو تو پہلى اور دوسرى ركعت ميں مطلقاً قرأت فرض هے سورة فاتحه كا پڑھنا واجب اور كسى سورة كا ملانا بهى واجب هے۔ ليكن تيسرى اور چوتھى ركعت ميں قرأت فرض نہيں۔ البتہ سورة فاتحه كا پڑھنا مستحب هے۔

## جماعت كے ساتھ نماز ادا كرنا:

اگر جماعت كے ساتھ نماز ادا كر رہا هو تو امام كے لئے وہى حكم هے جو اكيلى نماز پڑھنے والے كے لئے هے۔ البتہ چند صورتوں ميں كچھ فرق هے وہ يہ



ہیں۔ اکیلا نماز پڑھنے والا تکبیریں، سمع اللہ لمن حمدہ اور سلام آہستہ آواز سے کہتا ہے۔ اور امام بلند آواز سے۔ اسی طرح اکیلا نماز پڑھنے والا جب رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو اس کے بعد ربنا لك الحمد کہتا ہے لیکن امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے، ربنا لك الحمد نہیں کہتا۔

جو شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہوتا ہے وہ ہر نماز میں قرأت آہستہ آواز سے کرتا ہے۔ ہاں اگر فجر کی فرض نماز میں، مغرب کی فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشاء کے فرضوں کے پہلی دور کعت میں اتنی آواز سے پڑھنا چاہے جو اپنے آپ کو آواز سنائی دے تو جائز ہے بلند آواز سے نہیں پڑھنا۔ امام کو فجر کے فرضوں کی دونوں رکعتوں میں، مغرب کے فرضوں کی پہلی دور کعت میں، عشاء کے فرضوں کی پہلی دور کعت میں بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔

## مقتدی کے لئے حکم :

مقتدی ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائے قرأت امام نے کرنی ہے۔ نماز کوئی بھی ہو خواہ ظہر و عصر کی ہو یا فجر و مغرب و عشاء کی ہو یعنی امام آہستہ قرأت کر رہا ہو یا بلند ہر حال میں مقتدی نے خاموش رہنا ہے۔ کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے یعنی امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہے۔

امام جب بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو تو سورۃ فاتحہ کے ختم کرنے



پر امام اور مقتدی آہستہ آواز میں آمین کہیں گے۔ امام جب ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہے گا تو مقتدی نے ”سمع اللہ لمن حمدہ“ نہیں کہنا بلکہ صرف ”ربنا لك الحمد“ کہنا ہے۔

## فائدہ:

یہ لفظ حدیث پاک میں تین طرح آیا ہوا ہے تینوں میں سے جس پر عمل کرے جائز ہے۔ وہ تین طرح یہ ہیں:

”ربنا لك الحمد، اللهم ربنا لك الحمد، اور اللهم ربنا ولك الحمد“

باقی رکوع اور سجود کی تسبیحات مقتدی نے بھی کہنی ہیں۔ تشہد، درود، اور دعاء بھی مقتدی پڑھے گا۔

## مرض و عذر:

نماز میں کھڑا ہونا فرض ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر، بیماری کی وجہ سے نہ کھڑا ہو سکے تو بیٹھ کر نماز ادا کرے۔ اگر تشہد میں بیٹھنے کی طرح بیٹھے تو زیادہ بہتر ہے۔ اگر اس طرح نہ بیٹھ سکے تو جس طرح بھی بیٹھ سکتا ہو اسی طرح بیٹھ جائے اور نماز ادا کرے۔ نماز میں رکوع اور سجود فرض ہیں اگر رکوع اور سجود کر سکے تو بہتر ہے۔ ورنہ اشارہ سے نماز ادا کرے۔ اشارہ کا یہ مطلب ہے کہ تھوڑا سر جھکائے تو اس سے رکوع ادا ہو جائے گا اور تھوڑا سر نیچے کر لے



تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ رکوع میں کمر کو بالکل سیدھا کرے۔ اس طرح کہ اگر اس کی پیٹھ پر پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا جائے تو پانی نہ گرے۔ اگر کمر وغیرہ میں تکلیف ہو پیٹھ کو سیدھا نہ کر سکے تو جس طرح بھی ممکن ہو اسی طرح ہی رکوع کرے۔

راقم کمر کی شدید تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ اور ایک مرتبہ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بایاں پاؤں ٹیڑھا ہو گیا۔ اسلئے راقم وجہ عذر رکوع میں کمر کو ہموار نہیں رکھ سکتا اور قعدہ میں بائیں پاؤں کے اوپر نہیں بیٹھ سکتا بغیر زمین پر سہارا لینے کے کھڑا ہونا دشوار ہے یہ سب عذر ہیں۔

رکوع سے سجدہ میں جانے کے لئے گھٹنے پہلے زمین پر رکھے اور ہاتھ بعد میں سجدہ سے اٹھتے ہوئے جب کھڑا ہونا ہو تو ہاتھ پہلے اٹھائے اور گھٹنے بعد عذر کی صورت میں جیسے ممکن ہو اسی طرح سجدہ میں جائے اور جیسے ممکن ہو اسی طرح سجدہ سے اٹھے۔

سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں لگائے اور ناک یا پیشانی میں تکلیف ہو کسی ایک کو زمین پر نہ لگا سکے تو ایک کا ہی زمین پر لگانا کافی ہوگا۔

مرض کی حالت میں جب لیٹ کر نماز پڑھنی ہو تو پیچھے سہارا لگائے۔ اور پاؤں قبلہ کی طرف کر لے تاکہ اس کے رکوع اور سجود میں اشارہ کرنے کی صورت میں چہرہ قبلہ کی طرف رہے۔

جب کسی شخص کو ایسی تکلیف ہو کہ وہ کھڑا تو ہو سکتا ہے لیکن رکوع



و سجد نہیں کر سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، کیونکہ اس نے اشارے سے نماز ادا کرنی ہے نماز میں سب سے اعلیٰ رکن سجدہ ہے جو غیر خدا کو نہیں ہو سکتا۔ اسلئے بیٹھ کر جب اشارہ کرے گا تو وہ اشارہ سجدہ کے زیادہ قریب ہوگا۔

## عید کی نماز :

دو رکعت نماز ہے خواہ عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ ہو۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تین مرتبہ تکبیریں کہے اور ہر مرتبہ ہاتھ اٹھائے جائیں دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین تکبیریں کہے اور ہر مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔ پھر چوتھی مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر بغیر ہاتھ اٹھانے کے رکوع میں چلا جائے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام نے دو خطبے پڑھنے ہیں عوام نے فقط سنا ہے پڑھنا نہیں۔

## مسافر کی نماز :

جب کوئی شخص گھر سے ساڑبانوے کلو میٹر (ساڑھے ستاون میل) سفر کا ارادہ کر کے نکلے تو اپنے شہر کی حدود سے جب نکل جائے تو اس کی نماز قصر شروع ہو جائے گی۔ قصر کا مطلب یہ ہے کہ چار رکعت والے فرض دو رکعت ادا کرے اگر سفر میں گاڑی وغیرہ کے نکلنے کا خطرہ ہو کسی طرح بھی وقت کم ہو، سنتیں نہ ادا کر سکے تو سنت کو چھوڑ سکتا ہے اور اگر سنت ادا کرنے کا وقت مل جائے تو سنت موکدہ ادا کرے سنتوں میں قصر نہیں۔



یہ بھی خیال رہے کہ مسافر کو قصر کرنا واجب ہے قصر نہ کرنا مکروہ ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز مکمل پڑھنے میں ثواب ہے حالانکہ ایسا نہیں۔

مسافر شخص اگر مقیم امام کے پیچھے نماز ادا کرے گا تو مکمل نماز پڑھے گا اب قصر نہیں کرے گا۔

مسافر آدمی اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو مقیم بن جاتا ہے اب اسے نماز مکمل کرنی پڑے گی۔ اگر پندرہ دنوں سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز قصر ہوگی۔

اگر کہیں باہر سے انسان اپنے گھر آجائے تو اپنے اصلی گاؤں شہر میں نماز مکمل پڑھے گا۔ خواہ تھوڑی دیر کے لئے آیا ہو پھر اس نے واپس ہی کیوں نہ جانا ہو۔

سفر والی قضاء نماز اقامت والی جگہ آکر قصر پڑھے گا۔ اور اقامت والی جگہ کی قضاء نماز سفر میں مکمل پڑھے گا۔ واپس جب اپنی شہری حدود میں آجائے تو نماز مکمل ہو جائے گی۔ قصر ختم ہو جائے گی۔

اگر ایک شخص نے پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ ارادہ یہ ہو آج چلا جاؤں گا، کل چلا جاؤں گا، اس طرح اسے کام پڑتا رہا وہاں ہی رہنا پڑا تو نماز قصر ہی ہوگی خواہ کئی مہینے کیوں نہ ٹھہرنا پڑے۔



## سر سے ننگے نماز پڑھنے کا حکم :

اگر سستی سے سر ننگا رکھے تو نماز مکروہ ہوگی اگر حقیر سمجھ کر سر کو ننگا رکھے، طنز کرے کہ سر کو ڈھانپنے کا کیا فائدہ تو ایسے شخص کے کفر کا خدشہ ہے۔  
(مخطوی، شامی)

**اعتراض :** حج میں سر ننگا کھا جاتا ہے تو آگے پیچھے سر کو ننگا رکھنے سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔

**جواب :** حج میں صرف احرام کے دنوں میں سر کو ننگا کھا جاتا ہے۔ کیونکہ سر کو ننگا رکھنا مرد کے احرام کا حصہ ہے۔ حج کے احکام علیحدہ ہیں۔ اور باقی دنوں میں اور عبادات کے احکام علیحدہ ہیں۔ اگر حج پر ہی قیاس کرنا ہو تو پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ حج میں سوائے دو چادروں کے، سارے کپڑے پہننا منع ہے، لہذا نماز میں بھی منع ہونا چاہیے۔ اس طرح کی سوچ احمقانہ ہے۔ ایسے جگ ہنسائی والے دلائل ممکن ہے کوئی جاہل مان لے۔

**حضراتِ محترم :** یہ چند مسائل صرف کتاب کے لئے رابطہ کے طور پر ذکر کر دیئے ہیں۔ ورنہ اصل مقصد صرف وہ مسائل بیان کرنے ہیں، جن میں غیر مقلدین اختلاف رکھتے ہیں۔ صرف مشہور مسائل پر بحث کرنی مقصود ہے۔ رب تعالیٰ حق کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین



## ﴿مقدمہ﴾

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

”الحمد لله رب العلمین ☆ والصلوة والسلام علی رسولہ رحمة  
للعلمین ☆ وعلی الہ وصحابہ اجمعین“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا :

”فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد“

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب العلم)

یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

ہزار عابد سے مراد معین تعداد نہیں بلکہ ”المراد الکثرة“ مراد کثیر  
عبادت گزار لوگ ہیں خواہ ہزار سے زائد ہی کیوں نہ ہوں، ایک فقیہ کثیر  
عابدوں کی بنسبت شیطان پر سخت اور بھاری کیوں ہے؟ اس لئے کہ جب  
شیطان مکر و فریب کے دروازے کھولتا ہے تو فقیہ اسے جانتا ہے وہ اپنی تقریر  
و تحریر کے ذریعے دوسرے لوگوں کو بھی اس کے مکر و فریب سے آگاہ  
کرتا ہے اس طرح وہ شیطانی راستے کو بند کرتا ہے کیونکہ جب لوگ شیطان  
کے جال میں نہیں پھنستے تو وہ رسوا ہو جاتا ہے۔

لیکن عابد اپنی عبادت میں مشغول رہتا ہے اسکی توجہ ہی شیطانی مکر  
و فریب کی طرف نہیں ہوتی، اس لئے وہ تو خود شیطانی جال کی زد میں  
ہوتا ہے دوسروں کو کیا پچائے گا خیال رہے کہ فقیہ یعنی عالم سے مراد باعمل



عالم ہے اور عابد سے مراد بے علم عابد ہے۔

**اعتراض:** اس حدیث کے متعلق تو طبرانی نے لکھا ہے ”سندہ ضعیف ولہ شواہد اسانیدھا ضعیفة“ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر کثیر شواہد پائے جاتے ہیں؟

**جواب:** طبرانی نے اگرچہ اسی حدیث کے متعلق لکھا ہے لیکن سند اس کی دوسری ہے وہ شہقی نے شعب میں اور طبرانی نے اوسط میں ذکر کی ہے جسکی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لکن کثرة طرقہ تخرجه من الضعف خصوصا حیث

اعتضده بروایة الترمذی وابن ماجہ عن ابن عباس“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بے شک راویوں کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے ضعف سے خارج بلکہ حسن لغیرہ ہے خصوصاً جب اس کو تائید حاصل ہے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت سے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ واضح ہوا کہ حضرت ابن عباس کی سند سے مروی حدیث نے تو حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث کو بھی ضعف سے نکال دیا ہے، یہ خود ضعیف نہیں۔

(مرقاۃ جلد ۱ ص ۲۸۴)



اجتہاد کے درجہ کا علم فرض کفایہ ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

” طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة “

ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔ ہر مسلمان پر جس علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے یہ وہ علم ہے کہ جسکے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے ، خالق ہونے کا علم ، اس کی وحدانیت کا علم اور اس کے رسولوں کی نبوت کا علم ، اور نماز کی کیفیت کا علم فرض عین ہے یعنی یہ باتیں ہر شخص کو جاننا ضروری ہیں اگر کوئی ان چیزوں سے بے خبر رہا تو گناہگار ہوگا۔

” واما بلوغ رتبة الاجتهاد والفتيا فرض كفاية “

(ازمرقاہ ج ۱ ص ۲۸۴)

یعنی اجتہاد اور فتویٰ دینے کی حد تک علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ تقریباً ستاون میل کے اندر کوئی ایک بھی ایسا عالم پایا جائے جو علم رکھتا ہو تو دوسرے لوگ گناہگار نہیں ہونگے ورنہ تمام گناہگار ہونگے۔ اس سے واضح ہوا کہ تفصیلی علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض نہیں لیکن مسائل کا خود علم نہ رکھنے کی وجہ سے مجتہد عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا۔

فائدہ : ” فان قيل ما الفرض قبل الفرض فقل العلم قبل

العمل وان قيل ما الفرض في الفرض فقل الاخلاص في العلم

والعمل وان قيل ما الفرض بعد العمل فقل الخوف والرجاء “

(مرقاہ ج ۱ ص ۲۸۴)



اگر کہا جائے کہ فرض سے پہلے کیا فرض ہے تو تم کہو عمل سے پہلے علم یعنی فرض دونوں ہی ہیں لیکن علم پہلے اور عمل بعد میں) اگر کہا جائے کہ فرض میں فرض کیا ہے تو تم کہو علم اور عمل میں خلوص (یعنی جس طرح علم اور عمل فرض ہیں اسی طرح ان میں خلوص بھی فرض ہے) اگر کوئی کہے عمل کے بعد کیا چیز فرض ہے تو تم کہو خوف اور امید (یعنی عمل بھی فرض ہے اور عمل کے بعد یہ بھی فرض ہے کہ انسان بخشش کی امید بھی رکھے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا بھی رہے، یہ امید و بیم بھی فرض ہے۔

## فقہ کیا ہے؟

فقہ کا لغوی معنی ہے ”سمجھنا“ اور اہل شرع کے نزدیک فقہ ایک خاص علم کا نام جسکی تعریف یہ ہے :

” الففة هو العلم الحاصل بجملة من الاحكام الشرعية الفرعية بالنظر والاستدلال“  
(مقدمہ نور الانوار)

فقہ وہ علم ہے کہ نظر و استدلال سے تمام احکام شرعیہ فرعیہ حاصل ہوں۔

فقہ کی تعریف میں لفظ علم استعمال کیا گیا ہے یہ بمعنی یقین کے ہے یعنی جس کے ذریعے احکام شرعیہ فرعیہ کا یقین حاصل ہو اگر گمان حاصل ہو تو وہ حقیقی معنی کے لحاظ سے فقہ نہیں اگرچہ مجازاً اسے فقہ کہہ لیا جاتا ہے۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ تمام احکام کا علم حاصل ہوا اسلئے کہ اگر کسی کو ایک دو



مسئلے آجائیں تو اس کے علم کو فقہ نہیں کہا جائے گا۔

یہ کہا گیا کہ احکام بھی شرعی ہوں، اسلئے کہ اگر عقلی یا حسی اشیاء کا علم حاصل ہو جائے تو اسے فقہ نہیں کہتے۔ فرعیہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم جو خود دلیلوں کے حجت ہونے کا ہے یعنی قرآن، سنت (حدیث)، اجماع اور قیاس دلائل فقہ ہیں اس چیز کے جاننے کا نام فقہ نہیں بلکہ ان سے حاصل ہونے والے مسائل کا نام فقہ ہے نیز اصولی اشیاء کا علم بھی فقہ نہیں توحید باری تعالیٰ رسالت و نبوت، قیامت کا علم، جنت و دوزخ وغیرہ اس قسم کے عقائد کا علم فقہ نہیں۔

فقیہ کون ہے؟

”ولم يطلق الفقيه الاعلى المستنبطين منهم يعني يشترط لهم ملكة الاستنباط الصحيح وهو ان يكون مقرونا بشرائطه“

(از توضیح)

یعنی فقیہ وہ ہوگا جسے تمام احکام شرعیہ فرعیہ کے استنباط صحیح کا ملکہ حاصل ہو اور استنباط صحیح کی تمام شرائط پائی جائیں یعنی مجتہد ہو اور اجتہاد کی شرائط اسکے میں پائی گئی ہوں۔

وشرط الاجتهاد ان يحتوى علم الكتاب بمعانيه اللغوية والشرعية ووجوهه التي قلنا من الخاص والعام والامر والنهي وسائر الاقسام السابقة وعلم السنة بطرقها المذكورة وان يعرف وجوه القياس بطرقها وشرائطها

(از منار و نور الانوار ص ۲۴۶)



اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی معانی لغویہ اور شرعیہ پر انسان حاوی ہو اور اصول فقہ کے تمام ضوابط یعنی خاص، عام، مشترک، مآول، ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل، تشبہ، حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ، عبارة النص، دلالة النص، اشارة النص، اقتضاء النص، اور امر و نہی وغیرہ کو جانتا ہو، اور تمام طریقوں کا علم اسے سنت میں بھی حاصل ہو جیسے قرآن پاک کا علم ان طریقوں کے مطابق ہونا ضروری ہے نیز قیاس کے تمام طریقے اور انکی شرائط کو جانتا ہو۔

خیال رہے کہ جو مسائل کتاب و سنت و اجماع سے ثابت ہوں ان میں قیاس و اجتہاد نہیں ہوگا البتہ ایک مسئلہ مختلف احادیث سے مختلف طریقوں سے ثابت ہو رہا ہو تو ان احادیث میں تطبیق دینا اور مسئلہ کا استنباط کرنا مجتہد کا کام ہے اسی طرح قرآن پاک کی آیت اور حدیث میں اگر بظاہر تعارض نظر آ رہا ہو تو اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے اجتہاد ہوگا۔

## اسلام کے پہلے فقیہ و مجتہد :

رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں آپ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کا خاوند جماع سے پہلے ہی فوت ہو گیا اور نکاح کے وقت اسکا مہر بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا اسکا کیا حکم ہے یعنی وہ عورت کتنا مہر لینے کی حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا :

” اجتہد فیہا برای ان اصبت فمن الله وان اخطات فمنی



ومن الشيطان

میں اپنی رائے سے اس میں اجتہاد کروں گا اگر میں نے درست بیان کر دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہوگی اور اگر میں نے اس میں غلط فیصلہ کیا تو میرے اجتہاد میں میری اپنی ہی غلطی ہوگی یا شیطان کی طرف سے شک ڈالا گیا ہوگا۔

آپ نے اس مسئلہ میں ایک ماہ تک اجتہاد کرنے کے بعد یہ فیصلہ صادر فرمایا ”اری لها مہر مثل نسانها لاوکس ولاشطط“ میں نے اپنے اجتہاد سے یہ مسئلہ حاصل کیا کہ اسکا مہر اس کے خاندان کی اس جیسی عورتوں کی مثل ہوگا یعنی وہ مہر مثل کی حقدار ہے نہ اس سے کچھ کم ہوگا اور نہ زائد۔

آپ کا یہ قول شکر ایک صحابی نے کہا کہ حضور ﷺ نے بھی ایک عورت کے متعلق یہی فیصلہ کیا تھا۔ یہ سن کر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے کہ میرا اجتہاد نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کے مطابق ہو گیا کیونکہ آپ نے پہلے اس مسئلہ کے متعلق کسی سے نہیں سنا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اس میں کوئی حکم فرمایا ہے۔

” وکان ذالک بمحضر من الصحابة ولم ینکر علیہ احد منهم“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اجتہاد کئی صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا اور کسی نے انکار نہیں کیا لہذا اس مسئلہ پر اجماع صحابہ ہو گیا کہ اجتہاد کیا جاسکتا ہے، اور اجتہاد میں غلطی کا بھی گمان ہو سکتا ہے اور اجتہاد صحیح بھی ہو سکتا ہے۔



مجتہد کو اجتہاد کر نیکاً ثواب ہر حالت میں حاصل ہوگا اگر درست فیصلہ ہو تو دو ثواب حاصل ہونگے ایک اجتہاد کا، اور دوسرا درست فیصلے کا اور اگر خطا ہوگئی تو بھی اجتہاد کا ثواب ضرور حاصل ہوا۔

(از نور الانوار ص ۲۴۶)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد کے فقہاء کرام :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مزید فقہ کی مزید وضاحت حضرت علقمہ بن قیس نے کی، یہ ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات میں ہی پیدا ہو گئے تھے انہوں نے حضرت ابن مسعود، حضرت علی، حضرت ابوالدرداء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا اور ان سے ہی قرآن پاک پڑھا۔ ان کے بعد ابراہیم بن یزید حنفی نے مختلف فوائد و نوادر جمع کئے اور ان کے بعد مزید وضاحت اور چھان بین حضرت حماد مسلم کوفی نے کی۔

ان کے بعد اثر اصول و ضوابط امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرتب فرمائے، سب سے پہلے فقہ کو تدوین کرنے والے آپ ہی ہیں آپ نے ہی فقہ کی کتب کو کتاب باب وغیرہ میں مرتب فرمایا اور آج تک اسی پر فقہی کتب مرتب ہو رہی ہیں خیال رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے مؤطا میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب ہی کی تابعداری کی ہے۔ کتاب الفرائض اور



کتاب الشروط کو بھی سب سے پہلے مرتب کرنے والے امام اعظم ہی ہیں، آپ کے بعد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کے بیان کردہ اصول و ضوابط میں مزید نظر فرمائی اور فروع کا استنباط کیا ان کے بعد مزید وضاحت اور استنباط امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کیا

(شامی جلد ۱ ص ۳۵)

## تقلید کیا ہے؟

”التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما یقول او فی فعلہ علی زعم  
انہ محق بلا نظر فی الدلیل فکان المقلد جعل قول الغیر او فعلہ  
قلادۃ فی عنقہ کذا فی مختصر المنار“

(حاشیہ نور الانوار ص ۲۱۶)

تقلید کا لغوی معنی ہے گردن میں قلادہ یعنی پٹا ڈالنا۔ اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ غیر کے قول اور فعل کی تابعداری کرنا یہ قوی اور غالب گمان کرتے ہوئے کہ اس شخص کا قول اور فعل حق ہے اس کے دلائل کو بھی نہ دیکھا جائے کہ اس کے دلائل کس درجہ کے ہیں لغوی اور اصطلاحی معنی میں مطابقت واضح ہے کہ تقلید کرنے والے نے گویا اپنے گلے میں غیر کے قول و فعل کا قلادہ ڈال لیا ہے۔

## تقلید صرف مجتہد کی ہوگی :

صاحب منار نے تحریر فرمایا ہے ”تقلید الصحابی واجب یترک بہ القیاس“ صحابی کی تقلید واجب ہے اس کے ذریعے قیاس کو



چھوڑ دیا جائیگا۔ اس عبارت کی وضاحت میں صاحب قمر الاقمار فرماتے ہیں

”والمراد بالصحابی الصحابی المجتهد کذافی التلویح فان  
روایة الصحابی الغیر المجتهد قد ترک اذا خالف القیاس من  
کل وجه فقوله اولی بالترك“  
(نور الانوار ص ۲۱۶)

صحابی سے مراد وہ صحابی ہے جو مجتہد ہو یعنی مجتہد صحابی کے قول  
کے خلاف اگر قیاس ہو تو اسے چھوڑ دیا جائیگا۔ جیسا کہ اصول فقہ کی  
مشہور کتاب تلویح میں بھی ذکر ہے لیکن غیر مجتہد صحابی کی روایت  
جب قیاس کے سراسر مخالف ہو اور ان میں تطبیق کی کوئی وجہ نہ ہو  
تو وہاں قیاس پر عمل ہو گا اور قول صحابی کو چھوڑ دیا جائے گا۔

## مذہب اربعہ حق ہیں :

مذہب حنفی، مذہب مالکی، مذہب شافعی اور مذہب حنبلی چاروں حق  
ہیں ان چاروں مذہب میں جس کسی کی تقلید کی جائے صحیح ہے تقلید کرنے  
والا گناہ گار نہ ہو گا کیونکہ مجتہد سے اپنے اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو وہ گناہ گار  
نہیں۔ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اسکا عمل صحیح ہو گا اور اس کی تقلید  
بھی اس اجتہاد میں صحیح ہو گی۔

”ان المجتهد یخطی ویصیب والحق فی موضع الخلاف  
واحد لکن لایعلم ذلك الواحد بالیقین فلهذا قلنا بحقیة  
المذاهب الاربعة ای الحنفی والشافعی والمالکی والحنبلی“

(منار، نور الانوار، قمر الاقمار ۲۴۶)

بے شک مجتہد سے اجتہاد میں کبھی خطا ہو جاتی ہے اور کبھی اسکا اجتہاد



درست ہوتا ہے جب مجتہدین کے اجتہادات میں اختلاف ہو تو حق صرف ایک میں ہے ہوگا کیونکہ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کس اجتہاد میں حقانیت ہے اسلئے چاروں مذاہب یعنی حنفی، شافعی مالکی اور حنبلی حق ہونگے۔ خیال رہے کہ ایک کے حق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سے حق ایک ہی ہے۔

”ان لله تعالیٰ فی کل مسألة فیها المجتهدون حکما معینا  
فمن اصابه اصاب ومن اخطاه اخطاء“

(قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص ۲۴۶)

یعنی جس مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف ہوگا ان مختلف اجتہادات میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی حکم معین ہوگا جس کو اس کی طرف سے توفیق کامل حاصل ہوئی اس نے راہ حق کو پایا اور دوسرے سے خطا واقع ہو گئی۔ لیکن خیال رہے کہ تقلید کرنے والے صرف دلائل کی برتری اور طرز استدلال کو دیکھ کر کسی ایک مذہب کو ترجیح دیں گے اسلئے جس مذہب کو غالب سمجھ کر کسی نے تقلید کر لی وہی اس کے حق میں درست ہوگا۔

مذاہب اربعہ کے بغیر تقلید منع ہے :

”ولایجوز تقلید ما عدا المذاهب الاربعہ ولووافق قول الصحابة والحديث الصحيح والایة فالخارج عن المذاهب الاربعہ ضال مضل وربما اذاه ذالك الى الکفر لان الاخذ بظواهر الکتاب والسنة من اصول الکفر“

(صاوی ، سورة الکہف اية واذکر ربک اذا نسیت)



ان چاروں مذاہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید درست نہیں  
اگرچہ وہ بظاہر صحابہ کے قول اور حدیث اور کسی آیت کے مطابق ہی  
کیوں نہ ہو، جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ  
کرنے والا ہے کیونکہ بسا اوقات یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے اسلئے کہ  
قرآن و حدیث کے ظاہری معانی مراد لینا اور انکی حقیقت کو نہ سمجھنا  
کفر کی جڑ ہے۔

## تقلید بہت ضروری ہے :

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا.....! فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم  
لا تعلمون تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔ اہل ذکر سے مراد  
کون ہیں؟ فاسئلوا المؤمنین العالمین من اهل القرآن (خازن) یعنی جو  
مومن ہیں اور قرآن کا علم رکھتے ہیں ان سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔  
مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درمنثور میں  
فرماتے ہیں :

”اخرج ابن مردويه عن انس قال سمعت النبي ﷺ يقول ان  
الرجل يصلی ویصوم ویحج ویغزو وانه لمنافق قالوا یا رسول  
الله بما ذا دخل علیه النفاق قال لطنه علی امامه و امامه من  
قال قال الله فی کتابه فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون“  
ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ  
کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ بیشک ایک شخص  
نماز پڑھتا ہوگا، روزے رکھتا ہوگا، حج کرتا ہوگا اور جہاد کرتا ہوگا لیکن



وہ منافق ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ نے فرمایا! اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے، امام کون ہے؟ فرمایا، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

**تقلید مذاہبِ اربعہ ہی کی کیوں ضروری ہے :**

صرف ان چاروں ائمہ کی ہی تقلید ہو سکتی ہے کسی اور کی نہیں کیونکہ ان حضرات نے ہی وہ قوانین و ضوابط مرتب فرمائے ہیں جن کے ذریعہ مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے اور باقی تمام لوگ ان کے ہی پیروکار ہیں۔ خیال رہے کہ غیر مقلدین بھی اپنے دلائل وہی پیش کرتے ہیں جو کسی نہ کسی امام کے مذہب میں پیش کیے گئے ہیں۔ تمام حنفی فقہاء امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ تمام فقہاء کے کل سات درجے ہیں :

**پہلا درجہ** ان حضرات کا جو مجتہد فی الشرع ہیں جس طرح چاروں امام یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین انہی حضرات نے فقہ کے قواعد و اصول مرتب فرمائے ہیں۔

**دوسرا درجہ** ان حضرات کا ہے جو مجتہد فی اللذہب ہیں جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، رحمۃ اللہ علیہما اور امام اعظم کے دیگر شاگرد جن کو یہ طاقت حاصل تھی کہ وہ اپنے امام اور استاذ کے بتائے ہوئے قوانین کے ذریعے قرآن و حدیث سے مسائل نکال سکتے تھے۔



**تیسرا درجہ** مجتہدین فی المسائل کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو اصول اور فروع میں اپنے امام کے مقلد ہیں ہاں البتہ جن مسائل میں کوئی نص نہیں پائی جاتی یہ حضرات وہ مسائل اپنے امام کے بنائے ہوئے اصول و قوانین سے نکالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ جیسے خصاف، ابو جعفر طحاوی، ابو الحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضیخان وغیرہ۔

**چوتھا درجہ** مقلدین میں اصحاب تخریج کا ہے یہ حضرات اجتہاد پر تو بالکل قادر نہیں ہوتے لیکن انہیں قوانین اور ماخذ کا علم ہوتا ہے اگر کوئی مسئلہ مجمل ہوتا اور اس میں دو وجوہات ہوتیں یا اسی طرح کوئی مسئلہ مبہم ہوتا جس میں دو احتمال پائے جاتے تو یہ ترجیح دے سکتے تھے جیسے رازی وغیرہ۔

**پانچواں درجہ** مقلدین میں اصحاب ترجیح کا ہے یہ وہ حضرات ہیں جو روایات کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے کہ یہ اولیٰ ہے، یہ اصح ہے، یہ لوگوں کے لئے بہتر اور آسان ہے جیسے ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ۔

**چھٹا درجہ** مقلدین میں سے ان حضرات کا ہے جو زیادہ قوی اور قوی و ضعیف کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور ظاہر اور روایات نادرہ وغیرہ میں تمیز کر سکتے تھے جیسے متأخرین فقہاء کرام جنہوں نے وہ کتب تصنیف کیں جنہیں متن کہا جاتا ہے جیسے صاحب کنز، صاحب مختار،



صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔ یہ حضرات اقوال مردود اور روایات ضعیفہ نقل نہیں کرتے۔

ساتواں درجہ ان فقہائے کرام کا ہے جو ان چھ مذکورہ مدارج میں سے کسی درجہ پر نہیں ہوتے بلکہ انہیں صرف یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ فقہ کی کسی کتاب کو دیکھ کر مسئلہ بتا سکتے ہیں۔ جو فقہ کی کتب کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہو اسے ہم فقیہ اعظم اور فقیہ العصر کے القاب دیتے ہیں یہ کامل طور پر مقلد ہوتے ہیں۔

(از شامی ج ۱ ص ۵۷)

**تنبیہ:** ایک درجہ کے فقہاء ایک دوسرے کے مقلد نہیں ہوتے لیکن اوپر والے درجہ کے فقہاء کے مقلد کی حیثیت میں ہوتے ہیں اگرچہ درحقیقت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مقلد ہوتے ہیں۔

امام اعظم کے شاگردوں کا آپ سے کئی مسائل میں اختلاف کیوں؟

ایک مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک چو کو کچڑ میں کھیلنے ہوئے دیکھ کر فرمایا، دیکھنا کہیں گرنہ جانا۔ اس بچے نے عرض کی:

” اخذر انت السقوط فان فی سقوط العالم سقوط العالم “

آپ احتیاط کرنا کیونکہ ایک عالم کے پھسلنے اور گرنے سے تمام جہاں گر جاتا ہے۔

یعنی عالم کی غلطیوں سے لوگ غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ اس واقعہ کے



بعد امام صاحب نے اپنے اصحاب کو حکم دیا :

” ان توجه لكم دليل فقولوا به “

اگر تمہیں کوئی دلیل نظر آئے تو اس کے مطابق تم مسئلہ بیان کر دیا کرو، آپ کا یہ ارشاد آپ کے کامل تقویٰ پر دلالت کرتا ہے آپ کے اس ارشاد کے باوجود آپ کے تلامذہ نے آپ کے بیان کردہ اصول و ضوابط کے خلاف کوئی قانون نہیں وضع کیا بلکہ آپ کے اصولوں کے مطابق ہی مسائل میں اجتہاد کیا ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں :

” ماقلت قولا خالفت فيه اباحنيفة الا قولا قد كان قوله “

یعنی میں نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے کسی قول کی سوائے ایک قول کے مخالفت نہیں کی۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

” ماخالفت اباحنيفة في شئ الا قد قاله ثم رجع عنه “

میں نے امام صاحب کے کسی قول کی مخالفت نہیں کی ہاں البتہ آپ کا ایسا کوئی قول ہو جس سے آپ نے خود ہی رجوع فرمایا ہو تو اس کی مخالفت اگرچہ میں نے کی لیکن وہ بھی درحقیقت مخالفت نہیں کیونکہ آپ نے اسے ترک کر دیا تھا۔

” فهذا اشارة الى انهم ماسلكوا الطريق الخلاف بل قالوا

ماقالوا عن اجتهاد ورأى اتباعا لما قاله استاذهم ابوحنيفة

رحمه الله تعالى “



اس سے واضح ہوا کہ امام صاحب کے شاگردوں نے آپ کے مخالف کسی راہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے اجتہاد یا اپنی رائے سے جو مسئلہ بھی بیان کیا ہے اس میں انہوں نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تابعداری کی ہے۔

اس بحث سے واضح ہوا کہ تمام فقہاء کے طبقات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہی مقلد ہیں اور آپ کے شاگرد بھی آپ ہی کے مقلد ہیں ایک درجے کا فقیہ اپنے ہی درجے کے فقیہ کا مقلد نہیں نیز ہمارے زمانے کے سب فقہاء پہلے تمام فقہاء کے تابع ہیں۔

## تقلید کن مسائل میں جائز ہے؟

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں آیت ”نصیبہم غیر منقوص“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

” وفي الآية ذم التقليد وهو قبول قول الغير بلا دليل وهو جائز في الفروع والعمليات ولا يجوز في اصول الدين والاعتقادات بل لا بد من النظر والاستدلال“

تقلید صرف فروعی مسائل اور عملیات میں ہے اصول دین اور اعتقادی مسائل میں تقلید جائز نہیں بلکہ ان میں نظر و استدلال ضروری ہے آیت کریمہ میں جس تقلید کی مذمت کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ اعتقادات اور اصول دین کو بغیر نظر و استدلال کے صرف کسی شخص کے کہنے پر تسلیم نہ کیا جائے۔



اپنے امام کے مذہب کو حق ماننا واجب ہے :

” اذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا قلنا وجوبا مذهبنا صواب يحتمل الخطاء ومذهب مخالفنا خطاء يحتمل الصواب “

(مقدمہ در مختار)

جب ہم سے ہمارے مذہب (مذہب حنفی) اور دوسروں کے مذہب کے متعلق سوال کیا جائے تو ہم پر واجب ہوگا کہ ہم یہ جواب دیں، ہمارا مذہب حق اور درست ہے اور غلطی کا اس میں بہت ہی کم احتمال ہے جبکہ ہمارے غیر کا مذہب درست نہیں اور اس کے صحیح ہونے کا بہت ہی کم احتمال ہے۔

” واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا بالحق ما نحن عليه والباطل ما عليه خصومنا “

(در مختار)

اور جب ہم سے پوچھا جائے کہ ہمارا عقیدہ سچا ہے یا ہمارے مخالفین کا تو ہم پر یہ جواب دینا واجب ہے کہ ہمارا عقیدہ حق، اور سچ اور درست ہے اور ہمارے مخالفین کا عقیدہ باطل ہے۔

یعنی ہمیں اپنے عقیدے کی اور اپنے مذہب کی حقانیت پر کامل یقین ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے عقیدے اور مذہب میں متزلزل اور متردد نہ ہوں۔

در مختار کی اس عبارت پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

” عن معتقدنا ای عما نعتقدہ من غیر المسائل الفرعية مما



يجب اعتقاده على كل مكلف بلا تقليد لاحد وهو ما عليه  
اهل السنة والجماعة وهم الاشاعرة والماتريدية وهم  
متوافقون الا في مسائل يسيرة اربعها بعضهم الى الخلاف  
اللفظي

(شامی ج ۱ ص ۳۶)

عقیدہ سے مراد فروعی مسائل کے بغیر اصول دین ہیں عقائد میں  
ہر مکلف یعنی عاقل و بالغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی شخص کی  
تقلید کے بغیر ان پر اعتقاد رکھے۔ (فروعی مسائل میں تقلید واجب  
ہوگی) عقائد صحیحہ صرف وہی ہونگے جن پر اہلسنت و جماعت یعنی  
اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اجماع ہے، انکا آپس میں بہت ہی کم اختلاف  
ہے وہ بھی بعض حضرات کے نزدیک لفظی اختلاف ہے۔

علامہ شامی کی اس تحقیق کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اعتقادات یعنی  
اصول دین میں تقلید نہیں، صرف فروعی مسائل میں تقلید ہوگی۔ اسی وجہ سے  
صاحب در مختار نے بھی مذہب اور عقیدہ کا الگ الگ ذکر کیا ہے کیونکہ مذہب  
سے مراد فروعی مسائل میں امام کی تقلید ہے اور عقیدہ سے مراد اصول دین  
ہیں جنہیں بغیر تقلید کے تسلیم کرنا اور ان پر قائم رہنا واجب ہے۔

خیال رہے کہ صریح احکام جن میں احادیث متعارض نہیں ان میں  
بھی تقلید نہیں اور نہ ہی ان میں کسی امام کا اختلاف ہے جیسے نماز کی رکعتیں یعنی  
فجر کی نماز دو رکعت فرض ہیں اور ظہر کی چار، اسی طرح رمضان کے پورے  
مہینے کے روزے فرض ہیں، اس قسم کے مسائل میں تقلید نہیں۔



## صحابہ کرام پر کس کی تقلید ضروری تھی؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ فقہاء کرام کے کئی طبقات ہیں ہر طبقہ کے لوگوں کو اپنے ہی درجے کے لوگوں کا مقلد ہونا ضروری نہیں البتہ اپنے سے اوپر والے درجے کے فقہاء کا مقلد ہونا ضروری ہے اس سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کو آقائے دو جہاں ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی وہ جب چاہتے نبی کریم ﷺ سے مسائل پوچھ لیتے تھے اسلئے انکو دین سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی۔

اسی طرح تابعین صحابہ کرام کی طرف رجوع فرما لیتے تھے اور انکو بھی کسی ایسے امام کی ضرورت نہیں تھی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مسائل کو سمجھنا اور احادیث میں تطبیق دینا دشوار ہوتا چلا گیا اسلئے بعد کے لوگوں کو ائمہ کی تقلید کرنا واجب ہوا کیونکہ ان ائمہ نے مسائل کے حل اور احادیث میں تطبیق کے لئے اصول و ضوابط مقرر فرما دیئے۔

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو فوقیت کیوں؟

1:- مذہب حنفی کی فضیلت کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور تابعی کا قول حدیث قولی ہے اور تابعی کا فعل حدیث فعلی ہے اور تابعی کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور وہ اس سے نہ روکے تو وہ حدیث تقریری ہے یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے اقوال



وافعال اور ان کا کسی کام کے کرنے سے نہ روکنا احادیث ہیں اسے طرح تابعی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ قوت اور ضعف کا فرق ہو گا لیکن حدیث ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور خصوصاً جبکہ تابعی بھی وہ ہو جسے علم اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام حاصل ہو تو یقیناً اس کے اقوال نے حجت ہونا ہی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تابعی ہونا :

”ادرك بالسن نحو عشرين صحابيا“ (مقدمہ در مختار)

آپ نے اپنی عمر میں تقریباً بیس صحابہ کرام سے ملاقات کی۔

جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

لن فضیل ، واثلہ ، عبداللہ بن عامر ، لن ابی اوفی ، لن جزء ، عتبہ ، مقداد ، لن بسر ، لن ثعلبہ ، سہل بن سعد ، انس ، عبدالرحمن بن یزید ، محمود بن لبید ، محمود بن ربیع ، ابو امامہ ، ابو الطفیل ، عمرو بن حریث ، عمرو بن سلمہ ، لن عباس ، سہل بن منیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔

”وصح ان ابا حنیفة سمع الحدیث من سبعة من الصحابة“

(مقدمہ در مختار)

صحیح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سات صحابہ کرام سے احادیث بلا واسطہ سنیں ہیں :

”ولم یثبت ذلك لاحد من ائمة الامغاصرین له کالوزاعی بالشامی والحمادین بالبصرة والثوری بالكوفة ومالك بالمدينة الشریفة واللیث بن سعد بمصر“

(شامی ج ۱ ص ۴۸)



علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں صحابہ کی ایک جماعت کو پایا اور یہ مقام آپ کے زمانے کے دوسرے اکابر ائمہ کو حاصل نہیں ہو سکا جن میں ملک شام میں لوزاعی، بصرہ میں حمادین، کوفہ میں ثوری، مدینہ طیبہ میں امام مالک اور مصر میں لیث بن سعد علیہم الرحمۃ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعا :

دوسری وجہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی فوقیت کی یہ ہے کہ آپ کے لئے شیر خدا، حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی جو یقیناً قبول ہوئی اسی وجہ سے کسی امام کو آپ کا مرتب حاصل نہ ہوا دعا کی یقینی قبولیت کامیابی نے اس لئے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سید الاولیاء اور مستجاب الدعوات ہیں۔

وقد ثبت ان ثابتاً ادرك الامام علي بن ابي طالب فدعا له  
ولذريته بالبركة  
(مقدمہ درمختار)

یعنی تحقیق یہی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت ثابت بن نعمان (آپ اپنے دادا کے ہم نام ہیں) نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضری دی تو انہوں نے ان کے لئے لور انکی لولاد کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔

اسی لئے امام اعظم کے پوتے اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت فرماتے ہیں لرفحن فرجو ان يكون الله تعالى قد استجاب لعلی فینا یعنی ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ



کی دعا قبول فرمائی ہے۔ قد استجاب کا معنی یہ ہے یقیناً دعا قبول فرمائی ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہ دعا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے پہلے کی ہے کیونکہ آپکی پیدائش ۸۰ھ میں جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی اصل میں جو مشہور ہے کہ امام اعظم کے والد آپکو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ ابن خلکان کے بعض نسخوں میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے :

” ولد جدی ابو حنیفة سنة ثمانین و ذہب ثابت بجدی الی

علی ابن ابی طالب “

یعنی میرے دادا ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور انکے باپ ثابت انہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے، لیکن صحیح نسخہ میں ”ذہب ثابت جدی“ کے الفاظ ہیں۔

یعنی میرے دادا ثابت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے

”والظاهر ان لفظہ بجدی من زیادة النساخ او الباء زائدة

واصلہ جدی لان علیا مات سنة اربعین من الهجرة“

(شامی ج ۱ ص ۴۷)

ظاہر یہی ہے کہ جدی یا تو کتابت کی غلطی اور یا لفظ باء زائد ہے اصل جدی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۰ھ میں شہید ہو گئے۔



## آپکی فضیلت میں حضور علیہ السلام کے ارشادات :

تیسری وجہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور انکے مذہب کی برتری کی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کئی ارشادات ایسے ہیں جو امام صاحب کی افضلیت پر دلالت کر رہے ہیں اگرچہ بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ بھی ذکر ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے آپکا نام لے کر آپ کی افضلیت بیان کی ہے لیکن ان احادیث پر بعض حضرات نے جرح کی ہے۔

### حدیث نمبر ۱ :

” وعنه عليه الصلوة والسلام ان ادم افتخر بي وانا افتخر  
برجل من امتي اسمه نعمان وكنيته ابو حنيفة هو سراج امتي“  
نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں آدم علیہ السلام کو مجھ پر فخر تھا اور مجھے  
اپنی امت کے ایک شخص پر فخر ہے جسکا نام نعمان ہوگا اور کنیت  
ابو حنیفہ۔ وہ میری امت میں ایک چراغ کی حیثیت رکھے گا۔

### حدیث نمبر ۲ :

” وعنه عليه الصلوة والسلام ان سائر الانبياء يفتخرون بي  
وانا افتخر بابي حنيفة من احبه فقد احبني ومن ابغضه فقد  
ابغضني“  
حضور ﷺ فرماتے ہیں، بیشک تمام انبیاء کرام نے مجھ پر فخر کیا اور



مجھے ابو حنیفہ پر فخر ہے جس نے اس سے محبت کی وہ میری محبت کی وجہ سے ہی اس سے محبت کرتا ہوگا اور جس نے اس سے بغض رکھا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ہی اس سے بغض رکھے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے متعلق ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ موضوع ہیں اگرچہ صاحب در مختار نے اسکا رد ان الفاظ سے کیا ہے۔

”وقول ابن الجوزی انه موضع تعصب لانه روی بطرق مختلفة“

ابن جوزی کا موضوع کہنا صرف تعصب کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ مختلف طریقوں سے مروی ہے جو حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے لیکن علامہ شامی کہتے ہیں کہ ان احادیث کو کئی اور حضرات نے بھی موضوع کہا ہے۔ اسلئے علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خیرات الحسان میں فرمایا :

”ومن اطلع علی ما یاتی فی هذا الكتاب من احوال ابی حنیفة وکراماتہ و اخلاقہ و سیرتہ علم انه غنی عن ان یتشهد علی فضلہ بخبر موضوع“

جو شخص اس کتاب میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال، کرامات، اخلاق اور سیرت پر مطلع ہوگا اسے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے فضائل پر موضوع احادیث کے دلیل بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ صحیح احادیث آپکی شان پر دلالت کر رہی ہیں۔

حدیث نمبر ۳ :

”روی عنه علیہ الصلوٰۃ ولسلام انه قال ترفع زینۃ الدنیا سنۃ خمسن و مائۃ“



نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک سو پچاس سن ہجری میں دنیا کی زینت کو اٹھالیا جائے گا۔ اس حدیث کی شرح میں شمس الائمہ کردی بیان کرتے ہیں ”ان هذا الحديث محمول على ابي حنيفة لانه مات تلك السنة“ یعنی بے شک یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان کو واضح کر رہی ہے کیونکہ آپ کا وصال ۱۵۰ھ میں ہی ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی۔

### حدیث نمبر ۴ :

” ان النبي ﷺ قال لو كان الايمان عند الثريا لتناوله رجال من ابناء فارس “

بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایمان ثریا یعنی آسمان کے پاس بھی ہو تو فارس کے شخص اسے حاصل کر لیں گے۔

ابو نعیم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور شیرازی اور طبرانی نے قیس بن سعد بن عبادہ سے روایت کی ہے :

” ان النبي ﷺ قال لو كان العلم معلقا عند الثريا لتناوله رجال من ابناء فارس “

بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر علم آسمان کے پاس بھی لٹکا ہوا ہو گا تو فارس کے شخص اسے حاصل کر لیں گے۔

طبرانی کے الفاظ قیس کی روایت سے یہ ہیں :

” لا تناله العرب لئلا رجال من ابناء الفارس “



یعنی جسے عرب حاصل نہیں کر سکیں گے اسے فارس کے شخص حاصل کر لیں گے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا :

”لو كان الايمان عند الثريا لذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناوله“

اگر ایمان آسمان کے پاس بھی ہوا تو فارس سے ایک شخص جائے گا اور اسے حاصل کر لے گا۔

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا :

”والذی نفسی بیدہ لو كان الدین معلقا بالثريا لتناوله رجل من فارس“

ارشاد نبوی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر دین آسمان کے ساتھ بھی ہوا تو فارس کا ایک شخص اسے حاصل کر لے گا۔

**اعتراض :** امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں عبد الملک بن مردان کے زمانے میں کوفہ میں پیدا ہوئے، جب آپ شیراز وغیرہ کے نہیں تو یہ حدیثیں آپ پر کیسے صادق آرہی ہیں؟

**جواب :** جس طرح فقہ وغیرہ کی کتب میں اردو، پنجابی، سرائیکی وغیرہ تمام زبانوں کو ہندیہ کہا گیا ہے اور ہندوستان و پاکستان کے تمام علاقوں کو ملک ہند بولا گیا ہے اسی طرح حجاز سے باہر کے علاقے جن پر اس وقت بلاد عرب کا اطلاق نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو بلاد عجم کہا جاتا تھا، ان علاقوں کے لیے فارس ہی بولا



جاتا تھا اس لئے فارس سے مراد خاص شیراز وغیرہ کا علاقہ نہیں ” و لیس المراد بفارس البلاد المعروفة بل جنس من العجم “ فارس سے مراد خاص فارس کا خطہ نہیں بلکہ اسی کی جنس سے دوسرے عجمی علاقے بھی فارس کہلاتے ہیں۔

دیلمی میں مذکور ہے ” خیر العجم فارس “ یعنی عجم میں سے بہتر حضرات کو فارس کہا جاتا تھا۔ و قد کان جد ابی حنیفہ من فارس علی ما علیہ الاکثرون۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا محترم خاص مشہور ملک فارس کے تھے اسلئے بھی آپ کو فارس کا شخص کہا گیا ہے جیسا کہ ہمارے علاقہ میں ہندوستانی، کشمیری وغیرہ کے الفاظ ان لوگوں پر بھی استعمال ہو رہے ہیں جن کے آباؤ اجداد ہندوستان یا کشمیر سے تشریف لائے تھے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

” هذا الحديث الذى رواه الشيخان اصل صحيح يعتمد

عليه فى الاشارة لابی حنيفة وهو متفق على صحته “

یہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے بیان کی ہے اسکے صحیح ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور اسی پر کامل اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان کی طرف یہ حدیث واضح طور پر اشارہ کر رہی ہے اسلئے موضوع احادیث کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔

مواہب کے حاشیہ پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد



علامہ شامی (یہ اور شامی ہیں، مشہور علامہ شامی نہیں) فرماتے ہیں :

”ماجزم بہ شیخنا من ان اباحنیفہ ہو المراد من ہذا  
الحدیث ظاہر لا شک فیہ لانہ لم یبلغ من ابناء فارس فی العلم  
مبلغہ احد“

(شامی ج ۱ ص ۳۹، ۴۰)

ہمارے شیخ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یقین کیا ہے کہ  
مخاری و مسلم کی حدیث سے مراد امام ابو حنیفہ ہی ہیں، یہ ظاہرات  
ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ فارس کے علاقوں میں  
سے کوئی ایک بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے منصب پر نہیں پہنچ  
سکا۔

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام :

چوتھی وجہ امام اعظم اور آپ کے مذہب کی برتری کی یہ ہے آپ کے  
علمی مقام کو کسی اور امام نے نہ پایا، ابھی آپ کے علمی مقام کی طرف حدیث  
پاک میں اشارہ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تقویٰ کا بادشاہ اور  
احادیث میں کامل علم رکھنے والا علامہ سیوطی حنفی نہیں، جس نے ثابت کیا ہے  
کہ حدیث میں بلا شک اشارہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف ہے۔ امام  
اعظم کے علمی مقام کو سمجھنے کے لئے پہلے آپ کے دو مشہور شاگردوں کے علم کا  
اندازہ کریں پھر خود خود سمجھ میں آئے گا کہ آپ کا مقام کیا ہے۔



## امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ :

آپ کا نام یعقوب ہے، کنیت سے ہی مشہور ہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اصول و قواعد میں آپ نے دقیق نظر فرمائی، فروع و احکام کے استنباط میں آپ نے اجتهاد فرمایا، قاضی القضاة (چیف جسٹس آف سپریم کورٹ) کے منصب پر قائم رہے، آپ نے حنفی مذہب کو مختلف علاقوں تک پہنچایا۔

”وہو افقہ اہل عصرہ ولم يتقدمه احد فی زمانہ وکان النہایة

فی العلم والحکم والریاسة“

آپ اپنے زمانے میں تمام اہل علم سے زیادہ فقیہ تھے آپکے زمانہ میں کوئی ایک شخص بھی آپ سے زیادہ فقہ میں مہارت نہیں رکھتا تھا آپکو علم و حکمت و ریاست میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

آپکی پیدائش ۱۱۳ھ میں ہوئی اور وفات بغداد میں ۱۸۲ھ میں ہوئی۔

(شامی ج ۱ ص ۳۷)

آپکو موضوع احادیث ہی ہزاروں کی تعداد میں یاد تھیں تاکہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ پر موضوع حدیث کو بطور دلیل پیش کرے تو دفاع کیا جاسکے اور اسے بتایا جاسکے کہ یہ حدیث تو موضوع ہے۔ صحیح حدیثیں آپکو بہت ہی کثیر تعداد میں یاد تھیں یہاں سے ہی ایک اور سوال خود بخود رد ہو گیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو احادیث کا علم نہیں تھا، یہ بہتان عظیم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسوقت احادیث لکھنے کا رواج کم تھا یاد کرنے کا ہی زیادہ رواج تھا، آپکو ہزاروں



بلکہ لاکھوں احادیث یاد تھیں۔ جس شخص نے صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث سنیں ہوں اور وہ خود بھی تابعی ہو اور اسے جلیل القدر تابعین کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کے ہزاروں مواقع میسر آئے ہوں اسکے متعلق یہ تصور کرنا باطل ہے۔

آپ کی کتاب مسند امام اعظم اور آپ کے شاگرد امام محمد کی مؤطا امام محمد اس پر شاہد ہیں کہ آپ سے بڑھ کر کسے حدیث کا علم ہو سکتا ہے۔ صرف یہ خیال کر کے کہنا کہ آپ سے کم احادیث مروی ہیں یا آپ نے کتابی شکل میں احادیث کو جمع نہیں کیا اسلئے آپ کو احادیث کا علم نہیں تھا، یہ ایسی عظیم غلطی ہے کہ اس سے معاذ اللہ یہ لازم آئے گا کہ کسی صحابی کو بھی حدیث میں کوئی دسترس حاصل نہ ہو۔ کیونکہ کسی نے بھی کتابی شکل میں احادیث کو جمع نہیں کیا۔ نیز خلفاء راشدین کا علم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کم ماننا پڑے گا کیونکہ خلفاء راشدین سے مروی احادیث کی تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث سے بہت ہی کم ہے، لیکن یہ دلیل ہی باطل ہے۔

### مقام تفکر:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸۰ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی جبکہ امام بخاری کی پیدائش ۱۹۴ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی اور امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ میں اور وفات ۲۶۱ھ میں اب آپ خود غور و فکر کریں کہ دو سو سال تک مسلمان کیا دین سے اور علم حدیث سے بے خبر تھے؟



لوگوں کو گمراہ کرنے کی ایک سازش یہ کی جاتی ہے کہ صرف وہ حدیثیں معتبر ہیں جو صحاح ستہ میں ہیں یہ بھی ایک غلط روش ہے کیونکہ صحیح احادیث صرف صحاح ستہ ہی میں نہیں ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

” وقد حاث هذا فرقة من المبتدعة اطالوا السننهم بالطعن على ائمة الدين بان مجموع ماصح عندكم من الاحاديث لم يبلغ زهاء آلاف “

ایک نیابدعتی فرقہ ایجاد ہو چکا ہے جو ائمہ کرام پر طعن کی زبانیں لہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے پاس تو دس ہزار تک صحیح حدیثیں نہیں پہنچیں۔

حالانکہ ان کا یہ قول سراسر باطل ہے کیونکہ امام بخاری خود کہتے ہیں :

” حفظت من الصحاح مائة الف حديث ومن غير الصحاح مائتي الف “

یعنی میں نے صحیح حدیثیں ایک لاکھ حفظ کیں اور غیر صحیح حدیثیں یعنی حسن، ضعیف وغیرہ دو لاکھ۔

حالانکہ بخاری نے اپنی کتاب میں صرف سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) احادیث جمع کیں جبکہ کثیر حدیثیں تکرار سے آئی ہوئی ہیں اگر تکرار کو حذف کیا جائے تو صرف چار ہزار حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ بخاری اور مسلم نے یہ نہیں کہا کہ صحیح حدیثیں صرف وہی ہیں جو ہم نے جمع کی ہیں بلکہ امام بخاری کہتے ہیں۔

” ما اوردت في كتابي هذا الا ماصح ولقد تركت كثيرا من الصحاح “



يعنى میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے لیکن بہت سی صحیح حدیثوں کو جمع نہیں بھی کیا۔

امام مسلم کہتے ہیں :

” الذی اوردت فی هذا الكتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ما ترکت ضعیف “

یعنی میں نے اس کتاب میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جن کو ذکر نہیں کیا وہ ضعیف ہیں۔

واضح ہوا کہ یہ رٹ لگانا کہ حدیث وہی معتبر ہے جو صحاح ستہ میں ہو۔

یہ اپنی زبان سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے :

” ولقد صنف الآخرون من الائمة صحاحا مثل ابن خزيمة وصحيح ابن حبان وصحيح الحاكم ابى عبد الله النيشابورى المسمى بالمستدرک وصحيح ابن عوانه وابن السكن والمنتقى لابن جارود وهذه الكتب كلها مختص بالصحاح ، ولقد اورد السيوطى فى كتاب جمع الجوامع من كتب كثيرة يتجاوز خمسين مشتملة على الصحاح والحسن والضعاف “

(از مقدمہ مشکوٰۃ)

یعنی دوسرے ائمہ نے بھی صحیح احادیث جمع کی ہیں جیسے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان اور حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری کی صحیح جس کا نام مستدرک ہے اور صحیح ابن عوانہ اور صحیح ابن جارود کی صحیح منتقی، یہ سب کتب صحیح احادیث پر مشتمل ہیں علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں احادیث کی پچاس سے زائد کتب کا ذکر کیا ہے جن میں صحیح حسن اور ضعیف حدیثوں کا ذکر ہے۔



سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دن رات یہ رٹ لگانے والے کہ ہم تو صرف قرآن و حدیث کو مانتے ہیں اور اسکے بعد کسی کتاب کو نہیں مانتے، تو وہ جب حدیث کی سند پر بحث کرتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے تو قرآن سے کیسے ثابت کریں گے کہ یہ ضعیف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال سے کیسے ثابت کریں گی کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ جب وہ بعد کی لکھی ہوئی کتب سے اسماء الرجال کی بحثوں کو صحیح مانتے ہیں تو فقہی مسائل کو تسلیم کرنے میں انہیں کیا تکلیف ہوتی ہے جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات امام بخاری و مسلم کی پیدائش سے بھی پہلے کے ہیں۔ بات صرف ضد اور ہٹ دہری کی ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں، حقیقت پسندی ہی انسانیت ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ :

آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور امام اعظم کے شاگرد امام ابو یوسف کے بھی شاگرد ہیں۔ جو مسائل آپ نے امام اعظم سے بلا واسطہ سنے انکو آپ نے جس کتاب میں جمع کیا اسکا نام جامع کبیر ہے اور جو مسائل امام ابو یوسف کے واسطہ سے سنے انکو اپنی کتاب جامع صغیر میں جمع کیا اور جو ثقہ راویوں سے آپ تک امام صاحب کے مسائل تو اتر اور مشہور طریقے سے پہنچے ان کو آپ نے جمع کیا وہ اصل یعنی مسبوط اور ظاہر الروایۃ ہیں۔



نوادر کو آپ نے اپنی دوسری کتب کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، میں جمع کیا اس طرح آپ کی کتاب سیر صغیر ہے جب کچھ لوگوں نے اس کے مختصر ہونے پر چہ میگوئیاں کیں تو آپ نے سیر کبیر تصنیف فرمائی۔

## امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شاگرد ہیں :

امام شافعی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور یہ بھی خیال رہے کہ جس دن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی اسی دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی اور آپ کے والد کے فوت ہونے پر آپکی والدہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نکاح کر لیا یوں امام شافعی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت، زیر پرورش اور زیر تعلیم رہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کردہ کتب بھی انکے ہی حوالے کر دی تھیں اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انصاف کرتے ہوئے، حقیقت پسندی سی کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں :

”من اراد الفقه فلیلزم اصحاب ابی حنیفۃ فان المعانی قد

تیسرت لهم والله ما صرت فقیہا الا بکتب محمد بن الحسن“

(مقدمہ در مختار)

یعنی جو شخص فقہ کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے پاس جائے، ان سے فیض حاصل کرے کیونکہ وہ آسانی سے مسائل و معانی کو سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم!



میں امام محمد بن حسن شیبانی کی کتابوں کو پڑھنے سے ہی فقیہ بنا ہوں۔

”روی الخطیب عن الربیع قال سمعت الشافعی یقول الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقة کان ابو حنیفة ممن وفق له الفقة

(شامی ج ۱ ص ۳۷)

خطیب نے ربیع سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تمام لوگ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے بچے ہیں کیونکہ امام اعظم ہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فقہ کے علم میں خاص توفیق عطا فرمائی، باقی امام آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شاگرد نہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ روایت بیان کرنے کی وجہ سے ان پر بھی برتری حاصل ہے اور آپ کے طرز استدلال سے انکا بھی مقابلہ نہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام کافی حد تک واضح ہو چکا ہے لیکن ایک دو مثالوں سے اندازہ کریں کہ آپ کا علمی مقام کتنا بلند ہے۔

نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے۔ ہاتھ کہا تک اٹھائے جائیں؟ اس بارے میں ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ”کان یرفع یدیه حدو منکبیه اذا افتح الصلوة“ جب نماز کو شروع فرماتے تو ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے، اور دوسری روایت میں ہے :

کان رسول اللہ ﷺ اذا کبر رفع یدیه حتی یحاذی بہما اذنیہ حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے اور تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ



کانوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے۔

”یرفع ابهامیہ الی شحمة اذنیہ“ رسول اللہ ﷺ جب ہاتھ اٹھاتے تو آپ کے ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو (نرم حصہ) تک آتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے، ”الی فروع الاذنین“ کانوں کے اوپر تک ہاتھ اٹھاتے تھے اب اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما ہاتھوں کے کندھوں تک اٹھانے کے قائل ہیں اس طرح ان کے مسلک میں صرف ایک روایت پر عمل ہوتا ہے۔ دوسری روایات پر عمل نہیں ہوتا لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہاتھوں کے انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانے کا حکم فرماتے ہیں اس پر عمل کرنے سے تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہونگی، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہونگے اور انگلیاں کانوں کے اوپر ہوں گی۔

یعنی امام اعظم کے مسلک کو مد نظر رکھتے ہوئے اور ہاتھوں کے اٹھانے کی روایات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے جسے صحابہ کرام نے اپنے اپنے انداز پر بیان کر دیا، جس نے ہتھیلیوں کو دیکھا اسے کندھوں کے برابر اٹھانے کا ذکر کر دیا، جس نے ہاتھ کے انگوٹھوں کو دیکھا اس نے کہہ دیا کہ آپ نے ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور جس نے آپ کی انگلیوں کو دیکھا اس نے کہا کہ آپ نے اپنے ہاتھ کانوں کے اوپر تک اٹھائے، واقعہ ایک ہے مگر انداز بیاں مختلف ہے۔

اس پوری تفصیل پر ابو داؤد شریف کی حدیث حضرت وائل بن حجر



سے مروی شاہد ہے، وہ کہتے ہیں :

” انہ بصر النبی ﷺ حین قام الی الصلوۃ رفع یدہ حتی کانتا بحیال منکبہ و حاذی ابہامیہ اذنیہ “

(مشکوٰۃ باب صفة الصلوۃ)

ایک اور مثال دیکھئے امام صاحب اور دوسرے اہل علم حضرات ایک ولیمہ میں شریک تھے میزبان نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح دو بھائیوں سے کر دیا تھا، ولی مکان سے باہر آیا اور اس نے کہا ہم سخت مصیبت میں پڑ گئے ہیں کیونکہ رات کو غلطی سے دلہنیں بدل گئیں اور ایک کی زوجہ سے دوسرے نے اور اس دوسرے کی زوجہ سے اس نے وطی کر لی ہے اب کیا کیا جائے؟ اس پر سفیان نے کہا، کوئی حرج نہیں ہر شخص جس سے اس نے وطی کی ہے اسے مہر دے اور پھر اپنی زوجہ واپس لے اور دوسری مرتبہ مہر اسے دے۔

شرعی نکتہ نظر سے مسئلہ کا یہ حل بھی ٹھیک ہے کیونکہ حُبہ سے جو وطی ہو جائے اس کا مہر ادا کرنا لازم آتا ہے اور اپنا نکاح برقرار رہتا ہے لیکن اس میں خرابی یہ تھی کہ ہر ایک جس نے وطی کی اس کے دل میں اس سے تعلق برقرار رہتا ہے جس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ امام اعظم نے دونوں لڑکوں کو بلایا اور پوچھا، تم نے جس جس عورت سے وطی کی ہے وہ تمہیں پسند بھی ہے؟ ہر ایک نے کہا ہاں ہمیں وہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اپنی اپنی زوجہ کو یعنی جس سے نکاح ہوا ہے اسے طلاق دو اور پھر جس جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کر لو۔ مسئلہ کا یہ حل بہت زیادہ اچھا تھا اس لئے تمام حاضرین نے آپکو داد دی۔

(خیرات الحسان)



امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب :

”قد صح عنه انه قال اذا صح الحديث فهو مذهبي“

(شامی ج ۱ ص ۵۰)

صحیح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ امام اعظم نے فرمایا، جو حدیث صحیح ہوگی وہی میرا مذہب ہے۔

آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ آپ کا مذہب احادیث صحیح کے مطابق ہے ان کے مخالف نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کئی ایسی احادیث سے مسائل کو حاصل کرتے ہیں جن سے امام صاحب نے مسائل کو حاصل نہیں کیا۔

”ظن الناس ان مذهبه مخالف لاحادیث والحال ان ههنا

احادیث اصح واقوی من تلك الاحادیث التي تمسك بها

الشافعی ترکها ابو حنیفة لاجلها“

یعنی لوگوں نے سمجھا کہ آپ کا مذہب احادیث کے مخالف ہے

حالانکہ امام صاحب نے ان احادیث سے زیادہ صحیح اور قوی احادیث

کو بطور دلیل پیش کیا۔

خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث بطور دلیل پیش

کیں ان پر اصحاب شافعی اور بعد والوں نے جو ضعف کا قول کیا ہے ان کے اس

قول سے امام صاحب کے مذہب پر کوئی عیب نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ آپ



تابعی ہیں آپ کے پاس پہنچنے والی بعض احادیث صحابہ کرام سے بلا واسطہ ہیں اور بعض احادیث آپ کے پاس تابعین کے ذریعے پہنچی ہیں۔ حدیث کا ضعیف ہونا راوی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی راوی ثقہ نہ ہو تو حدیث میں ضعف آئے گا۔

”ولکم بضعف الحدیث من جهة الراوی لا یتلزم الحکم بضعفه فی الزمان المتقدم الذی لم یکن هذا الراوی موجودا فیہ“

(مقدمہ مرقاة شرح مشکوٰۃ ص ۸۰)

راوی کی وجہ سے ان احادیث کو ضعیف کہنا جو امام صاحب نے بطور دلائل پیش کی ہیں، درست نہیں کیونکہ متاخرین کے پاس وہ احادیث کئی واسطوں سے پہنچی ہیں اور ان میں کوئی راوی ضعیف ہو تو حدیث ضعیف ہو جائے گی لیکن امام اعظم کے پاس تو وہ حدیث صحابی سے بلا واسطہ پہنچی ہے یا صرف ایک واسطہ تابعی کا ہے اور جب آپ کا ارشاد ہی یہ ہے کہ میرا مذہب وہی ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے تو پھر ان احادیث کو امام صاحب کے زمانہ میں ضعیف کیسے کہا جاسکتا ہے۔

خیال رہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں کوئی حدیث بھی ضعیف، حسن معلل، شاذ وغیرہ نہیں بلکہ سب حدیثیں صحیح تھیں اسی طرح نبی کریم ﷺ سے براہ راست سننے والے کے لئے آپ کے ارشاد پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری تھا جتنا قرآن پاک کے احکام پر عمل کرنا ضروری تھا اور یہ بھی خیال رہے کہ احادیث کے راویوں کے متعلق کئی حضرات نے بحثیں کی ہیں۔ بعض حضرات نے کسی راوی کو غیر ثقہ کہا، بعض دوسرے حضرات نے اسے ثقہ کہا ہے، یہ



اپنے اپنے علم کے مطابق کہا ہے۔ اسلئے کسی حدیث کو مطلقاً غیر ثقہ راوی کی روایت نہیں کہا جائے گا۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں :

” کم من راو یختلف فیہ الناس باجتہاد ہم ومن جارح  
ومعدل. فعسی ان یکون الذی عدلوه مجروحاً عند امامنا “

(مقدمہ مرقاة ص ۷۸)

کتنے راوی ایسے ہیں جن میں لوگوں کا اپنے اپنے اجتہاد کی وجہ سے اختلاف ہے کسی نے راوی پر جرح کی تو کسی نے عادل کہا، ہو سکتا ہے کہ بعض راویوں کو دوسرے حضرات عادل کہیں۔ اور وہ ہمارے نزدیک عادل نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی راوی کو دوسرے حضرات ضعیف کہیں اور وہ ہمارے نزدیک ثقہ راوی ہو۔

” لا ترجیح بکثرة الرواة وانما هو بفقہ الراوی وهکذا  
لا ترجیح بکثرة الروایات وانما هو بقوة الروایة “

کثیر راویوں کی وجہ سے روایت کو ترجیح نہیں دی جاتی بلکہ راوی کی فقاہت سے ترجیح دی جاتی ہے اسی طرح کثیر روایات وجہ ترجیح نہیں بلکہ روایت کا قوی ہونا وجہ ترجیح ہے۔ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ فلاں مسئلہ میں ہمارے عقیدہ کے مطابق اتنی حدیثیں ہیں جو تمہارے مسلک کے مطابق پیش کردہ حدیثوں سے زائد ہیں، بات دلیل کی قوت و ضعف پر مبنی ہے، کثرت و قلت پر نہیں۔

بخاری یا مسلم میں آنے والی کئی حدیثیں منسوخ بھی ہیں جن پر عمل نہیں کیا جائے گا، کئی حدیثیں دوسری حدیثوں سے متعارض بھی ہیں ان میں یا



تطبیق دی جائے گی یا تعارض کو ختم کرنے کے لیے ایک حدیث کو چھوڑنا پڑے گا۔ اہل علم کو انصاف سے لوگوں کو حق بات بتانی چاہیے صرف قوم کو انتشار میں مبتلا کر کے دین سے برگشتہ کرنا علم و عقل سے دوری کی علامت ہے۔

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ و شاگرد :

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، امام صاحب کے اساتذہ بی شمار ہیں جن کے لیے یہ مختصر کتاب گنجائش نہیں رکھتی، امام ابو حفص کبیر نے آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ صرف تابعین میں سے آپ کے اساتذہ کی یہ تعداد ہے اور غیر تابعین میں بھی آپ کے اساتذہ ہیں۔

امام صاحب کے شاگرد بھی اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ جن کا ذکر کرنا دشوار ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کسی کے اتنے زیادہ شاگرد نہیں ہوئے جتنے امام صاحب کے شاگرد ہیں اور عام لوگوں کو کسی اور سے اس قدر فائدہ نہ پہنچا جتنا امام صاحب اور ان کے شاگردوں سے احادیث مشتبہ کی تفسیر، مسائل کی تفسیر اور مسائل مستنبط اور نوازل و قضا و احکام کے بیان میں فائدہ پہنچا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہتر جزا دے۔ بعض متاخرین نے امام صاحب کے تذکرہ میں آٹھ سو شاگردوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے نام و نسب کو بھی بیان کیا ہے۔



## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ کی ایک جھلک :

”وقد صلی الفجر بوضوء العشاء اربعین سنة“

آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔ یعنی جس وضو سے عشاء ادا کرتے اسی وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، اگر سو جاتے تو یقیناً فجر کی نماز کے لیے تازہ وضو کرنا پڑتا کیونکہ سہارا لگا کر یا لیٹ کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ تمام رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ”و حج خمسا و خمسين حجة“ آپ نے پچپن حج ادا فرمائے، جب ایک ہی حج کرنے سے انسان صغیرہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح پیدائش کے دن گناہوں سے پاک ہوتا ہے تو آپ اندازہ کریں کہ پچپن حج کرنے والے کی بزرگی اور تقویٰ کا کیا مقام ہو گا۔ آپ نے اپنے آخری حج میں کعبہ شریف کے دربانوں سے اجازت طلب کی اور اندر تشریف لے گئے پھر!

”فقام بین العمودین علی رجله الیمنی حتی ختم نصف القرآن ثم رکع وسجد ثم قام علی رجل الیسری حتی نصف القرآن یعنی مع وضع القدمین علی الارض بدون رفع احدہما“

آپ دو ستونوں کے درمیان کھڑے ہو گئے آپ نے پہلی رکعت میں اپنے دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پر دباؤ نہیں تھا اگرچہ دونوں پاؤں زمین پر تھے اس حال میں آپ نے نصف قرآن کی تلاوت کی اور پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں



كھڑے ہوئے بائیں پاؤں پر زور رکھا اور نصف قرآن پڑھ کر اس رڪعت كا ركوع اور سجدہ كيا اسطرح آپ نے دور ركعت نفل نماز ميں مڪمل قرآن شريف كى تلاوت كى۔

(خيال رہے کہ یہ جو ذکر ملتا ہے کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے اور دوسرے پاؤں کو پیٹھ کی طرف کر دیا اسے علامہ شامی نے رد کیا کہ یہ سنت کے خلاف ہے، صحیح وہی ہے جو ذکر کیا گیا)

” فلما سلم بكي وناجى ربه وقال الهى ما عبدك هذا العبد

الضعيف حق عبادتك لكن عرفك حق معرفتك “

جب آپ نے سلام پھیرا تو روتے ہوئے رب کے حضور عرض كيا، الہی! اس تیرے ضعيف بندے نے تیری عبادت كا حق تو ادا نہیں كيا لیکن تجھے پہچانا ہے ایسے جیسے تجھے پہچاننے كا حق ہے۔

یعنی اگر صرف یہ کہا جاتا کہ اے اللہ تیرے بندے نے تیری عبادت كا حق ادا نہیں كيا تو وہم ہوتا شاید آپ نے اللہ تعالیٰ كو پہچانا ہی نہ ہو اس لئے عبادت كا حق ادا نہ كيا ہو، جب یہ کہا کہ الہی تجھے ایسے پہچانا جیسے پہچاننے كا حق ہے تو اب اس وہم كا ازالہ ہو گیا۔ البتہ یہ خیال كيا جائے کہ اللہ تعالیٰ كو پہچانا انسان كى طاقت ميں نہیں۔ پھر آپ نے عرض كيا، اے اللہ! اگرچہ ادا نیگی خدمت ميں تو نقصان ہے لیکن پہچاننے ميں كمال ہے لہذا اسی کے طفیل تو اپنا احسان فرما، تو آپ كو غیبی طور پر آواز آئی، اے ابو حنیفہ! تم نے ہمیں ایسا پہچانا جیسے پہچاننے كا حق ہے اور تم نے ہماری عبادت کے ذریعے ہماری ایسی خدمت كى جسے ہم نے اچھا پایا، ہم نے تمہاری مغفرت كر دی اور قیامت تک تمہاری اتباع کرنے والے، تمہارے مذہب پر چلنے والوں كى بھی مغفرت كر دی۔



## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین اولیاء کرام :

وقد اتبعه علی مذہبہ کثیر من الاولیاء الکرام ممن اتصف  
ثبات المجاہدۃ و رکض فی میدان المشاہدۃ  
کثیر اولیاء کرام نے آپ کے مذہب کی تابعداری کی اور اولیاء کرام  
بھی وہ کہ جن کا مجاہدہ اور مشاہدہ کے میدان میں سبقت لے جانا واضح  
طور پر ثابت ہے۔

فلو وجدوا فیہ ما تبعوہ ولا اقتدوا بہ ولا وافقوہ  
اگر وہ اس میں ذرا بھر بھی شبہ پاتے تو کبھی آپ کی تابعداری نہ  
کرتے اور نہ ہی آپ کی اقتداء کرتے اور نہ ہی آپ کی موافقت کرتے۔ وہ جلیل  
القدر اولیاء کرام ایسی ہستیاں ہیں، ابراہیم بن ادہم، شفیق بلخی، معروف کرخی،  
ابو یزید بسطامی، فضیل بن عیاض، داؤد طائی، ابو حامد لفاف، خلف بن ایوب،  
عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، ابو بکر وراق، رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم  
اجمعین۔ یہ تو چند مشہور و معروف حضرات تھے ”وغیرہم ممن لایحصى  
ورنہ ان کے علاوہ اتنے اہل علم، اہل کشف، علماء و صلحاء، اولیاء اللہ آپ کے  
مذہب کے متبعین اور آپ کے مقلدین تھے جو شمار میں نہیں آسکتے۔

(مقدمہ در مختار)

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ طریقہ کے بادشاہ :

ابو القاسم قشیری جو شافعی المذہب تھے اور اپنے مذہب میں بہت پختہ  
تھے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے استاذ ابو علی دقاق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے  
طریقہ کو ابو القاسم نصر سے حاصل کیا اور انہوں نے امام ابو بکر شبلی سے اور  
انہوں نے ابو الحسن سری سقطی سے اور انہوں نے معروف کرخی سے اور



انہوں نے داؤد طائی سے اور انہوں نے علم اور طریقت کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا اتمام حضرات نے آپ کے علم اور تقویٰ کی تعریف کی ہے، یہ سب لوگ طریقت و شریعت کی امام تھے۔ (مقدمہ در مختار)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام باقر رضی اللہ عنہ :

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مدینہ طیبہ میں امام باقر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، سنا ہے کہ تم قیاس کی بناء پر ہمارے نانا (حضور ﷺ) کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو؟ عرض کی یہ بہتان ہے، دیکھیے عورت مرد سے کمزور ہے لیکن وراثت میں اس کا حصہ مرد سے نصف ہے اگر میں قیاس کرتا تو فتویٰ دیتا کہ عورت کو مرد سے دو گنا حصہ ملنا چاہیے لیکن میں ایسا نہیں کرتا، اسی طرح نماز، روزے سے افضل ہے اگر میں قیاس کرتا تو حائضہ عورت کو نماز کی قضاء کا حکم دیتا مگر میں حدیث کے مطابق روزہ ہی کی قضاء کا حکم دیتا ہوں۔ یہ سن کر امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ آپ نے ایک مدت تک ان سے اکتساب فیض کیا۔

(مناف الامام للموفق)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اولیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے مذہب پر طعنہ کرنے والے مردودین و مبتدعین سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

عبد الرزاق بہتر الوی حطاروی غنرہ

☆☆☆☆☆



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمين وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

اما بعد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

تو (اے لوگو) علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی :

” صلوا کما رأیتمونی اصلی “

(بخاری باب الاذان للمسافر)

تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

نماز میں چند اختلافی مسائل (جو کہ احناف اور غیر مقلدین میں

اختلاف پایا جاتا ہے) پر احادیث کی روشنی میں بحث ذکر کر رہا ہوں۔ قارئین کرام سے انصاف کی توقع کی جاتی ہے۔

نماز میں تکبیر افتتاح کے وقت ہاتھ اٹھانا :

انسان جب نماز کی نیت کرتا ہے تو اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر

ہاتھ اٹھاتا ہے۔ یہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔



## غیر مقلدین کا قول :

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہاتھ کندھے تک اٹھائے جائیں۔

## احناف کا مذہب :

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں۔

صحاح ستہ سے کانوں تک ہاتھ اٹھانا ثابت ہے  
حدیث نمبر ۱ :

” عن وائل بن حجر انه رأى النبی ﷺ رفع يديه حين دخل في الصلاة كبر وصف همام حيا لاذنيه “

(مسلم جلد اول ص ۱۹۳ باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيرة الاحرام)

حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع کیا اور تکبیر کہی۔ پھر ہمام راوی نے بیان کیا کہ وہ ہاتھ کانوں تک اٹھاتے گئے۔

حدیث نمبر ۲ :

عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما اذنيه “

(مسلم جلد اول ص ۱۸۸ باب استحباب رفع اليدين)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک



رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کے ان کو کانوں کے برابر کرتے۔

حدیث نمبر ۳ :

”عن مالک بن حویرث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا کبر رفع یدیه حتی يجعلهما قریبا من اذنیه“

(ابن ماجہ ص ۶۲ باب رفع الیدین)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ان کو اپنے کانوں کے قریب کرتے۔

حدیث نمبر ۴ :

”عن ابراہیم بن طہمان عن ابی الزبیر ان جابر بن عبد اللہ کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیه (الی) ورفع ابراہیم بن طہمان یدیه الی اذنیه“

(المختصر عن ابن ماجہ ص ۶۲ باب رفع الیدین)

ابراہیم بن طہمان ابو الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک جابر بن عبد اللہ جب نماز کو شروع کرتے (تو تکبیر افتتاح کے وقت) اپنے دونوں ہاتھ کو اٹھاتے۔ ان کے ہاتھ اٹھانے کا ذکر ابراہیم بن طہمان نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر کیا کہ وہ اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۵ :

”عن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فلما افتتح الصلوۃ کبر ورفع یدیه حتی حاذتا اذنیه“

(نسائی جلد اول ص ۱۰۱ باب رفع الیدین حیال الاذنین)



عبد الجبار بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی جب آپ نے نماز شروع کی، تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کے ان کو کانوں کے برابر کہا۔

”حیال الاذنین بکسر مهملة وفتح تحتية خفيفة الى ازائهما ومقابلهما“

(من الجمع)

حیال کا معنی برابر کرنا، مقابل کرنا۔

حدیث نمبر ۶ :

”عن مالك بن الحويرث و كان من اصحاب النبي ﷺ ان رسول الله ﷺ كان اذا صلى رفع يديه حين يكبر حيا لاذنيه“

(نسانی جلد اول ص ۱۰۲)

حضرت مالک بن حویرث سے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اس طرف تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز ادا فرماتے تو تکبیر کہتے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے۔

سبحان اللہ! اس حدیث پاک سے کتنا واضح ہوا کہ میرے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام مصطفیٰ کریم ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کو بیان کرتے ہوئے بتاتے تھے کہ آپ اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۷ :

”عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه انه رأى النبي ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى تكاد ابهاماه تحاذي شحمة اذنيه“

(نسانی جلد اول ص ۱۰۲ باب رفع اليدين حيا لاذنين، السنن الكبرى للنسائي)



عبدالجبار بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کی انہوں نے دیکھا نبی کریم ﷺ نے جب نماز کو شروع فرمایا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، یہاں تک کہ آپ کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے آپ کے کانوں کی لو (نرم حصہ) کے برابر تھے۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانا دیگر کتب احادیث سے :  
حدیث نمبر ۱ :

” عن البراء بن عازب قال كان النبي ﷺ اذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه حتى يكون ابهاما قريبا من شحمتي اذنيه“

(طحاوی جلد اول ص ۱۳۵ باب رفع اليدين الى الابدین ۱)

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ جب نماز کے شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو کانوں کی لو کے قریب کرتے  
حدیث نمبر ۲ :

” عن البراء بن عازب قال رأيت رسول الله ﷺ حين قام الى الصلوة فكبر ورفع يديه حتى ساوى بهما اذنيه ثم لم يعد“

(دار فطنی ج اول ص ۲۹۴)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ نے تکبیر کہی اور اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے کہیں اور ہاتھ نہیں اٹھائے۔

اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ



کانوں تک اٹھائے، یہ صرف ابتدائی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے، پھر آپ نے دوبارہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

رفع یدین کی مکمل بحث انشاء اللہ بعد میں ذکر کی جائے گی۔ (یہ ضمنی طور پر ترجمہ سے منسلک الفاظ ذکر کر دیئے)۔

حدیث نمبر ۳ :

”عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه انه ابصر النبي ﷺ حين قام الى الصلوة رفع يديه حتى كانتا بحيال منكبيه وحاذى ابهاميه اذنيه ثم كبر رواه الثوري وشعبة وابوعوانة وزايدة بن قدامة وبشر بن المفضل وجماعة عن عاصم بن كليب فقالوا في الحديث فرفع يديه حتى حاذتا اذنيه وقال بعضهم حذاء اذنيه رواه الشريك عن عاصم وقال رفع يديه حيال اذنيه“

(السنن الكبرى للبيهقي ج ۲ ص ۲۵)

عبد الجبار بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کندھوں کے برابر کیا جب کہ آپ کے ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے برابر تھے، پھر آپ نے تکبیر کہی۔

عاصم بن کلبیب سے ایک جماعت نے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کانوں کے برابر کئے۔

حدیث نمبر ۴ :

”عبد الرزاق عن داؤد بن ابراهيم قال رأيت وهب بن منبه اذكر في الصلوة رفع يديه حتى تكونا حذوا اذنيه“

(مصنف عبد الرزاق باب تكبير الافتاح ج ۲ ص ۴۹)



داؤد بن ابراہیم کہتے ہیں میں وہب بن منبہ کو دیکھا جب انہوں نے نماز کی تکبیر کہی تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ انہیں کانوں کے برابر کیا۔

حدیث نمبر ۵ :

” عن انس قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة كبر ثم رفع يديه حتى يحاذي ابهاميه اذنيه “

(دار فطنی جلد اول ص ۳۰۰)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع کرتے تھے تو تکبیر کہتے پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے برابر کرتے۔

حدیث نمبر ۶ :

” عن وائل بن حجر قال قال رسول الله ﷺ يا وائل بن حجر اذا صليت فاجعل يدك حذاء اذنك والمرأة تجعل يديها حذاء ثديها “

(معجم طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۱۸)

وائل بن حجر کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے وائل بن حجر جب تم نماز ادا کرو تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کی برابر کرو اور عورت اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر کرے۔

اس حدیث پاک سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا (جو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ عورت اور مرد کی نماز میں کوئی فرق نہیں یہ صرف خفیوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا ہے) کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے میں مرد اور عورت



کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے یہ کہنا کہ مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں  
”باطل قول ہے“ جھوٹا اور من گھڑت پروپیگنڈہ ہے۔

حدیث نمبر ۷ :

” عن انس قال رأيت رسول الله ﷺ كبر فحاذى بابهاميه  
اذنيه ثم ركع حتى استقر كل مفصل من مكانه وانحط بالتكبير  
حتى سبقت ركبتاه يديه هذا اسناد صحيح على شرط  
الشيخين ولا اعرف له علة ولم يخرجاه“

(مستدرک حاکم ج اول ص ۲۲۶ و مکذا فی دار قطنی والسنن الکبری للبیہقی)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ  
نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے کانوں کے برابر تھے ، پھر رکوع کیا  
یہاں تک کہ آپ کا ہر جوڑ قرار پکڑ گیا۔ پھر آپ نے نیچے جاتے  
ہوئے (یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے) تکبیر کہی اور آپ نے اپنے گھٹنے  
ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھے۔

اس حدیث پاک کی سند صحیح ہے اور یہ بخاری و مسلم کی شرط کے  
مطابق ہے، اس میں کسی قسم کی علت، ضعف نہیں پایا گیا۔ اگرچہ خود بخاری  
و مسلم نے اس حدیث کو نہیں بیان کیا۔

ہاتھ کانوں سے اوپر اٹھانے کی روایات :

حدیث نمبر ۸ :

” عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث انه  
رسول الله ﷺ وقال حتى يحاذى بهما فروع اذنيه“

(مسلم ج ۱ ص ۱۸۸ باب استحباب رفع يدين)



مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ  
آپ نے اپنے ہاتھوں کو کانوں سے اوپر اٹھایا۔  
حدیث نمبر ۲ :

” عن مالك بن الحويرث قال رأيت رسول الله ﷺ حين  
دخل في الصلوة رفع يديه وحين ركع وحين رفع رأسه من  
الركوع حتى حاذتا فروع اذنيه“

(نسانی ج اول ص ۱۰۲ باب رفع الیدین حبال الاذنین)

مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب  
آپ نماز میں داخل ہوئے آپ نے اپنے ہاتھوں کو کانوں کی اوپر حصہ تک  
اٹھایا۔

نوٹ : رکوع میں ہاتھوں کے نہ اٹھانے کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔  
حدیث نمبر ۳ :

” عن مالك بن الحويرث قال كان رسول الله ﷺ اذا كبر رفع  
يديه حتى يحاذي بهما فروع اذنيه“

(السنن الكبير للبيهقي ج ۲ ص ۲۵)

مالک بن حویرث کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے  
ہاتھوں کو کانوں کے اوپر حصہ تک اٹھاتے۔

حدیث نمبر ۴ :

” وفي لفظ احمد ومسلم حتى يحاذي بهما فروع اذنيه“

(نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۷)

مسند احمد اور مسلم شریف میں یہ بھی ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے  
تکبیر کے وقت اپنے ہاتھ کانوں کی اوپر تک اٹھائے



## حدیث نمبر ۴ :

”عن مالك بن الحويرث قال رأيت النبي ﷺ يكبر (ويرفع يديه) اذ ركع واذا رفع رأسه من الركوع حتى يحاذي بهما فروع اذنيه“

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اول ص ۲۶۵ من كان يرفع يديه اذا التح الصلوة)

اس حدیث پاک میں بھی کانوں کے اوپر تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔

## کندھے تک ہاتھ اٹھانے والی روایات :

### حدیث نمبر ۱ :

”عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوة“

(بخاری باب رفع الیدین فی التکبیر الافتتاح مسلم باب استحباب رفع الیدین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے۔

### حدیث نمبر ۲ :

”عن علي ابن ابي طالب رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ انه كان اذا قام الى الصلوة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه الخ“

(ابو داؤد باب ما يفتح به الصلوة ابن ماجہ باب رفع الیدین اذا رفع رأسه من الركوع نسائی باب رفع

الیدین حذو المنکبیین ترمذی باب رفع الیدین عند الركوع مسند احمد ج اول ص ۹۳)



حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے۔

حدیث نمبر ۳ :

”وعن ابی حمید الساعدی قال کان النبی ﷺ اذا قام الی الصلوۃ رفع یدیه حتی یحاذی بہما منکبہ الخ“

(ابو داؤد باب افتتاح الصلوۃ ترمذی باب رفع الیدین عند الركوع ابن ماجہ باب رفع الیدین اذا رکع ، مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۴)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے۔

صرف ہاتھ اٹھانے والی روایت :

”عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ رفع یدیه مدا“

(ترمذی باب فی نشر الاصابع ، ابو داؤد باب من لم یذکر الرفع عند الركوع ، نسائی باب رفع الیدین ، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپ اپنے ہاتھوں کو خوب بلند کرتے۔

اس حدیث میں زیادہ بلند کرنے کا ذکر ہے لیکن حد مقرر نہیں کی گئی کہ وہ ہاتھ کندھوں تک اٹھائے گئے یا کانوں کی لو تک اٹھائے گئے ، یا کانوں کے اوپر تک اٹھائے گئے۔



## مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہوا:

ابھی تک جن احادیث کو ذکر کیا گیا ہے ان سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کو چار طرح ذکر کیا گیا ہے، بعض احادیث میں صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے کوئی حد نہیں بیان کی گئی، بعض احادیث میں کندھے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ بعض احادیث میں کان کی لو تک ہاتھ اٹھانے کا بیان ہے اور بعض احادیث میں کان کے اوپر تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ تمام قسم کی روایات صحاح ستہ میں مذکور ہیں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تو صرف صحاح ستہ کو مانتے ہیں۔ ان سے ہی حدیث دکھاؤ۔ بفضلہ تعالیٰ صحاح ستہ ہی تمام قسم کی روایات کو بیان کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ قول ہی باطل ہے، مقصد تو حدیث کی صحت کو دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کی سند درجہ صحت تک پہنچانی والی ہے یا ضعف تک۔ کسی کتاب میں صحیح حدیثوں کو بند کرنا حماقت سے خالی نہیں۔

## احادیث کی تطبیق میں اہل علم کے اقوال:

”وقال الباجی من المالکیۃ فانا نقول کان یحاذی بکفیه  
منکیبہ وباطراف اصابعہ اذنیہ فالجمع بین الحدیثین اولی من  
اطراح حدھما“

(اوجز المسالك ج اول ص ۲۰۱)



امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین میں سے علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا..... کہ بیشک ہم یہ کہتے ہیں کہ (انسان تکبیر کہتے وقت) اپنی ہتھیلیوں کو کندھے کے برابر کرے اور انگلیوں کے اطراف کو کانوں کے برابر کرے اسلئے کہ احادیث کو جمع کرنا یعنی ان میں تطبیق دے کر عمل کرنا بہتر ہے بنسبت اس کے کہ ایک حدیث کو چھوڑ دیا جائے اور دوسری پر عمل کیا جائے۔

”وما صفة الرفع فالمشهور من مذهبنا ومذهب الجماهير انه يرفع يديه حذو منكبيه بحيث يحاذي اطراف اصابعه فروع اذنيه وابهاماه شحمتي اذنيه وراحته منكبيه فهذا معنى قولهم حذو منكبيه وبهذا جمع الشافعي رحمة الله بين روايات الاحاديث“

(نورى شرح مسلم جلد اول ص ۱۸۸)

حضرت امام ابو الحسن احمد بن سيار نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں کے اٹھانے میں ہمارا اور جمہور اہل علم کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہاتھوں کو کندھوں تک اس طرح اٹھائے کہ اپنی انگلیوں کو کانوں کے اوپر حصہ کے برابر کرے اور انگوٹھوں کو کانوں کی لو تک اور ہتھیلیوں کو کندھوں کی برابر کرے۔ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھانے کا یہی مطلب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی روایات میں اسی طرح تطبیق دی ہے۔

”وذكر الطيبي ان الشافعي حين دخل مصر سئل عن كيفية رفع اليدين عند التكبير فقال يرفع المصلي يديه بحيث يكون كفاه حذاء منكبيه وابهاماه حذاء شحمتي اذنيه واطراف اصابعه حذاء فروع اذنيه لانه جاء في رواية يرفع اليدين الى



المنكبتين وفي رواية الى الاذنين فعمل الشافعي بما ذكرنا  
في رفع اليدين جمعا بين الروايات الثلاث قلت هو جمع  
حسن

(مرقاة ج دونم ص ۲۵۴ مطبوعه مکتبه امداديه ملتان)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ  
جب مصر میں داخل ہوئے تو آپ سے تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے  
کے متعلق پوچھا گیا کہ ہاتھ کیسے اٹھائے جائیں۔ تو آپ نے فرمایا  
نمازی اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ اس کی ہتھیلیاں اس کے  
کندھوں کے برابر رہیں اور اس کے انگوٹھے اس کے کانوں کی لو کے  
برابر اور اس کی انگلیاں کانوں کے اوپر حصہ تک ہوں۔ اسکی وجہ یہ  
ہے کہ بعض روایات میں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے کا ذکر  
ہے اور بعض میں کانوں تک اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور بعض میں کانوں  
کے اوپر حصہ تک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام روایات کو جمع  
کرنے کا عمل بتا دیا کہ اس طرح ہاتھ اٹھائے جائیں جس طرح میں  
نے بیان کیا ہے تو تمام روایات پر عمل ہو سکے گا کسی روایت کو چھوڑنا  
لازم نہیں آئے گا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تمام روایات  
میں اس تطبیق کے متعلق کہا ہے کہ یہی تطبیق بہت اچھی ہے۔

خیال رہے کہ یہاں سے ایک اور بات واضح ہو گئی کہ امام شافعی رحمۃ  
اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو بعض جگہ آتا ہے کہ وہ کندھے  
کے برابر ہاتھ اٹھانے کے قائل تھے، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں  
کی ہتھیلیاں کندھوں کی برابر رکھنے کو بیان فرماتے تھے۔



” قال ابن الهمام ولا معارضة فان محاذاة الشحمتين  
بالابهامين تسوغ حكاية محاذاة اليدين المنكبين والاذنين لان  
طرف الكف مع الرسغ يحاذى المنكب او يقربه والكف نفسه  
يحاذى الاذن“

(شرح مسند امام اعظم، ملا علی قاری ص ۴۹۳)

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاتھ اٹھانے والی روایات میں  
کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں  
گے تو ہاتھ کند ہوں اور کانوں کے خود خود برابر ہوں گے کیونکہ  
ہتھیلیوں کا ابتدائی حصہ کند ہوں کے برابر ہوگا اور خود ہتھیلیاں  
کانوں کے برابر ہوں گی۔

## احادیث کی تطبیق حدیث پاک سے :

” عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه انه ابصر النبي ﷺ حين قام  
الى الصلوة رفع يديه حتى كانتا بحيال منكبيه وحاذى بهابيه  
اذنيه ثم كبر“

(السنن الكبرى للبيهقي ج دوم ص ۲۵)

عبد الجبار بن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے  
ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لئے  
کھڑے ہوتے تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کہ آپ کے ہاتھ  
کند ہوں کے برابر تھے اور ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے برابر تھے  
پھر آپ نے تکبیر کہی۔

اب واضح ہوا کہ احادیث مبارکہ کی مختلف روایات میں کوئی تعارض



نہیں بلکہ تمام احادیث ایک ہی حال میں جمع ہو جاتی ہیں۔ ان کی تطبیق خود حدیث پاک سے واضح ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ جو دوسری احادیث میں ایک ایک حال بیان ہوا ہے، اس حدیث پاک میں جامع حال کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہی حدیث جو بیہقی کے حوالہ سے تحریر کی ہے ابو داؤد باب رفع الیدین میں بھی موجود ہے، سند اور متن ایک ہی ہے۔

صحاح ستہ کی رٹ لگانے والے بھی یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یہ تطبیق صحاح ستہ میں ہونی چاہئے۔

**تنبیہ :** کانوں تک ہاتھ اٹھانے والی احادیث کی سند میں کوئی شخص کلام نہیں کر سکتا، اسلئے کہ مسند امام اعظم میں حدیث صرف دو واسطوں سے ذکر ہے۔

” عن عاصم عن وائل بن حجر ان النبی ﷺ کان یرفع یدہ

یحاذی ویوازی بہا شحمة اذنیہ“ (مسند امام اعظم)

عاصم روایت کرتے ہیں وائل بن حجر سے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ہاتھ کو اٹھاتے تھے، کان کی لو کے برابر کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح میں بیان کیا گیا ” قال ابو الفرج اسنادہ کلہم ثقات“ ابو الفرج رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حدیث کی سند میں تمام راوی ثقہ ہیں۔

ابھی تک جو بحث کی گئی اس سے واضح ہو گیا کہ ہاتھ اٹھانے والی تمام احادیث سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ ان میں تطبیق ضروری ہے ورنہ ایک رخ پر عمل کرنے سے دوسری احادیث کو چھوڑنا پڑتا ہے، جو درست نہیں۔



## ہاتھ باندھنے کا طریقہ :

ہاتھ باندھنے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ہاتھ کس طرح باندھیں جائیں۔ اختلاف اور اسکی وضاحت پر نظر کریں.....

## غیر مقلدین :

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھے۔

## احناف :

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین کا قول یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو رکھے اور تین انگلیاں بائیں کلائی پر ہوں اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا گھیرا جوڑ پر ہو۔

## دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے والی احادیث :

”عن وائل بن حجر انه رأى النبى ﷺ رفع يديه حين ادخل فى الصلوة كبر وصف همام حيا لاذنيه ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى“

(مسلم ج اول باب وضع يده اليسرى على اليمنى، مسند احمد جلد چهارم ص ۱۳۷)

وائیل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپ نے جب نماز کو شروع کیا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، تکبیر کہی، ہمام راوی نے ہاتھوں کی اٹھانے کا طریقہ بیان کیا کہ آپ نے ہاتھ



کانوں تک اٹھائے۔ پھر آپ نے چادر اوڑھ لی، پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کی بائیں ہاتھ پر رکھا۔

”عن قبیصہ بن ہلب عن ایہ قال کان النبی ﷺ یؤمننا فیأخذ شمالہ بيمينہ“

(ابن ماجہ ص ۵۸ باب وضع اليمين علی الشمال)

قبیصہ بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ ہماری امامت فرماتے تھے، تو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔

”عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ یصلی فأخذ شمالہ بيمينہ ایضاً“

وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا ہوا ہے۔

”عن عبد اللہ ابن مسعود قال مر بی النبی ﷺ وانا واضع یدہ الیسری علی الیمنی فأخذ بیدہ الیمنی فوضعها علی الیسری“

(ابن ماجہ باب وضع اليمين علی الشمال ص ۵۸، نسائی باب فی الامام اذارنی رجلاً، ابوداؤد باب رفع

الیدین)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے قریب سے نبی کریم ﷺ کا گذر ہوا، میں نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھا ہوا تھا، آپ نے میرے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر کر دیا ان احادیث سے پتہ چلا کہ دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔



وہ حدیث جس سے دائیں ہاتھ کو بائیں کی کلائی پر رکھنا ثابت ہے :

”عن سهل بن سعد قال كان الناس يؤمرون ان يضع الرجل يده اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوة“

(بخاری باب وضع اليمنى على اليسرى)

سهل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ انسان اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں کلائی پر رکھے۔

ابو حازم نے اس حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے :

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھا جائے اور پہلی احادیث سے واضح ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں کوئی تطبیق پائی جاتی ہے یا نہیں اگر تطبیق پائی جائے تو بہتر ورنہ دونوں قسم کی احادیث میں ایک کو چھوڑنا لازم آئے گا جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کیا جائے تو دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا کیونکہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ہو گا اور انگلیاں بائیں کلائی پر ہوں گی اس طرح پہلی احادیث پر بھی عمل ہو گا اور دوسری حدیث پر بھی۔

احادیث میں تطبیق حدیث پاک سے :

”عن عاصم بن كليب قال حدثني ابي ان وائل بن حجر اخبره قال قلت لانظرون الى صلوة رسول الله ﷺ كيف يصلي فنظرت اليه فقام فكبر ورفع يديه حتى حاذتا باذنيه ثم وضع



يده اليمنى على كفه اليسرى والرسغ والساعد

(نسائی باب فی الامام اذرای الخ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خیال کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی نماز کی طرف ضرور دیکھوں گا کہ آپ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے قیام فرمایا پھر تکبیر کہی پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ ان کو کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی پر اور جوڑ پر اور کلائی پر رکھا۔

اب خود حدیث پاک سے وضاحت مل گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ پر اس طرح رکھا جائے کہ وہ جوڑ پر اور کلائی پر بھی آجائے اس کی وہی صورت ہو سکتی ہے جو ذکر کی جا چکی ہے۔

**تنبیہ:** مذکورہ احادیث میں ایک اور تطبیق کی ضرورت ہے کیونکہ بعض احادیث میں ”فاخذ“ ذکر ہے کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا اور بعض احادیث میں ”وضع“ ذکر ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا ان دونوں پر ایک وقت میں ہی عمل صرف احناف کے طریقہ پر ہی ممکن ہے۔

”واستحسن كثير من مشائخنا الجمع بينهما بان يضع باطن كفه اليمنى على كفه اليسرى ويحلق بالخنصر والابهام على الرسغ“

(عمدة القاری ج ۵ ص ۲۷۹)

ہمارے کثیر مشائخ نے اسے اچھا سمجھا کہ دونوں حدیثوں کو جمع کیا جائے وہ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے تاکہ



”وضع“ والی حدیث پر عمل ہو جائے اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے گھیرا بنا کر بائیں ہاتھ کے جوڑ کو پکڑے تاکہ ”اخذ“ والی حدیث پر عمل ہو جائے۔

اگر انسان تدبر سے کام لے تو یقیناً امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب کی حقانیت اس پر واضح ہو جائے۔

## ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ نماز میں اپنے ہاتھ سینے پر باندھیں، احناف کا کہنا یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں کسی فریق کے پاس اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے صحاح ستہ میں سے مرفوع حدیث نہیں۔ غیر مقلدین کے علامہ محمد صادق صاحب سیالکوٹی نے اپنی کتاب ”صلوة الرسول“ میں ”سینے پر ہاتھ“ کے عنوان کی بحث میں صحیح ابن خزیمہ، مراہیل ابی داؤد، مسند احمد، طبرانی، ابن ابی حاتم اور شہقی سے احادیث پیش کی ہیں غیر مقلدین کے مشہور عالم ثناء اللہ امرتسری نے اپنے فتاویٰ ثنائیہ ج اول ص ۴۴۳ میں ذکر کیا ہے :

”سینے پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری و مسلم اور ان کی شروح میں بخرت ہیں۔“

راقم کے خیال میں یہ ان کا فقط زبانی، تحریری و عموماً ہی ہے کیونکہ راقم نے کوشش کی ہے کہ بخاری و مسلم میں سینے پر ہاتھ رکھنے والی کوئی حدیث مل



جائے تاکہ اسے بھی بحث میں شامل کر لیا جائے لیکن کامیابی نہ ہو سکی اگر کسی دوسرے کو اس قسم کی حدیث نظر آئے تو ضرور مطلع کرے تاکہ اسے بھی بحث میں شامل کیا جاسکے۔

غیر مقلدین کے حکیم فیض عالم صاحب کا یہودہ قول :  
حکیم صاحب فرماتے ہیں :

یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفاء بنی عباس میں سے ہارون کا ایک نماز میں ازار بند کھل گیا اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کر کے ازار بند سنبھال لیا نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون الرشید کے اس فعل کو دیکھا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے فتویٰ دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے۔

(اختلاف امت کا العیہ ۷۸)

کتنا بہتان عظیم جو کام نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس طرح منسوب کیا گیا کہ آپ نے صرف ایک بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رانج کیا اس طرح کے یہودہ کلام سے صرف جھلاء کو الوہنایا جاسکتا ہے اہل علم ان کے جال میں نہیں آسکتے۔

آئیے اصل مسئلہ کی طرف توجہ کریں :

اس مسئلہ میں احادیث سے تین صورتیں سمجھ آتی ہیں ہاتھ ناف کے



نیچے باندھنا ہاتھ ناف کے اوپر باندھنا ہاتھ سینے پر باندھنا پہلے تمام احادیث کو نقل کیا جا رہا ہے پھر ان پر انشاء اللہ بحث کی جائے گی۔

وہ احادیث جن سے ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا ثابت ہے :

” عن ابی معشر عن ابراہیم قال یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السرة “

( مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۴۲۷ باب وضع الیمین علی الشمال )

ابو معشر ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر نماز میں ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

” اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلزاً وسألته قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینہ علی ظاہر کف شمالہ ویجعلها اسفل من السرة “

( مصنف ابن ابی شیبہ ج اول باب وضع الیمین علی الشمال ص ۴۲۷ )

حجاج بن حسان کہتے کہ میں نے ابو مجلز کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں میں نے کہا نماز میں کس طرح ہاتھ باندھے جاتے ہیں آپ نے کہا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا اندرونی حصہ بائیں ہاتھ کے اوپر والے حصہ پر رکھیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔

” عن علی قال من سنة الصلوۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرور “

( مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۴۲۷ باب وضع الیمین علی الشمال )

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ (نمازی



حضرات) اپنے ہاتھوں کو ہاتھوں پر رکھیں اور ناف کے نیچے رکھیں۔

” عن عقلمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبي ﷺ يضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة رواه ابن ابي شيبة واسناده صحيح “

(آثار السنن ص ۱۴۸)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

” عن ابي جحيفة ان عليا قال من السنة وضع الكف على الكف في الصلوة تحت السرة “

(ابو داؤد نسخہ ابن الاعرابی ج اول ص ۲۸۰ بیہقی ج ۲ ص ۳۱ مسند احمد ج ص ۱۱۰)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

” عن علي رضي الله عنه قال ثلثة من اخلاق الانبياء تعجيل الافطار و تاخير السحور و وضع الاكف تحت السرة في الصلوة “

من كنز العمال على مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۰

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی عبادت میں سے ہیں روزہ جلدی افطار کرنا، اور سحری کے کھانے میں تاخیر کرنا اور نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا۔

” عن ابي وائل قال قال ابو هريرة رضي الله عنه اخذ الاكف على الاكف في الصلوة تحت السرة “

(ابو داؤد نسخہ ابن الاعرابی جل اول ص ۲۸۰)

حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے



فرمایا کہ نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ رکھے جائیں۔

**تنبیہ :** یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں تینوں قسموں کی احادیث میں تطبیق دینا ممکن نہیں یقیناً یہاں دوسرا ضابطہ استعمال ہو گا کہ کون سی احادیث سند کے لحاظ پر صحیح ہیں اور کون سی ضعیف ہیں جو صحیح ہوں گی ان پر عمل ہو گا ضعیف کو چھوڑ دیا جائے گا۔

**ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی احادیث صحیح ہیں :**

آثار السنن میں مصنف ابن ابی شیبہ سے منقول تمام احادیث کو صحیح یا حسن کہا گیا ہے عن علقمہ بن وائل بن حجر عن ابیہ الخ اس پر اسنادہ صحیح مذکور ہے، کہ اس کی سند ات صحیح ہیں، اس طرح عن الحجاج بن حسان الخ اس حدیث پر بھی اسنادہ صحیح مذکور ہے عن ابراہیم الخ اس پر اسنادہ حسن مذکور ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ پر حسن ہے۔

اب واضح ہوا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے جن احادیث سے ثابت ہیں وہ صحیح یا حسن ہیں جن سے اعمال واجبہ بھی ثابت ہوتے ہیں تو مستحب یا سنت کا ثبوت کیوں نہیں ہو سکتا ؟

اب ان روایات کا جائزہ لینا ہے جن سے ہاتھ ناف کے اوپر یا سینہ پر باندھنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے کیا وہ اس درجہ کی ہیں یا ضعیف ہیں اگر ان کا ضعیف



ثابت ہو گیا تو یقیناً ان پر عمل نہیں ہو سکے گا۔

وہ روایات جن سے ناف کے اوپر ہاتھ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے :

” عن جرير الضبي قال رأيت عليا يمسك شماله بيمينه على  
الرسغ فوق السرة رواه ابو داؤد فوق السرة غير محفوظة “  
حضرت جریر ضببی کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ  
کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں بائیں ہاتھ کے جوڑ کو دائیں ہاتھ سے  
پکڑناف کے اوپر رکھا ہوا ہے۔

یہ روایت ابو داؤد نے ذکر کی ہے لیکن فوق السرة (ناف کے اوپر) الفاظ غیر  
محفوظ ہیں کیونکہ ابو داؤد کے بعض نسخوں میں یہ الفاظ ہیں اور بعض میں نہیں۔

” وقال الحافظ في التقریب سعيد بن عبد الجبار الحضرمي  
الكوفي ضعيف “

اس روایت میں ایک راوی سعید بن عبد الجبار حضرمی کوفی ہے جسے  
حافظ ابن حجر نے اپنی تصنیف تقریب التہذیب میں ضعیف قرار دیا  
ہے۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ فوق السرة (ناف کے اوپر) کے الفاظ  
صرف ابو بدر شجاع بن ولید سے ثابت ہیں وہ بھی قوی نہیں۔

” عن ابی الزبیر قال امرنی عطاء ان اسأل سعیدا ابن تکون  
الیدان فی الصلوة فوق السرة او اسفل من السرة فسألته فقال  
فوق السرة. (رواه البيهقي باب وضع اليدين على الصدر)  
واسناده ليس بالقوى “







” وعن قبيصة بن هلب عن أبيه قال رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه وعن يساره ورأيتَه يضع هذه على صدره ووصف يحيى اليمنى على اليسر فوق المفصل “

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶)

قبيصہ بن ہلب اپنے باپ (ہلب) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے بعد دائیں اور بائیں جانب پھرتے ہوئے دیکھا اور میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے ہیں اور یحییٰ نے بیان کیا کہ آپ کا دائیں ہاتھ بائیں ہاتھ کے جوڑ پر تھا۔

” اسنادہ حسن لکن قوله على صدره غير محفوظ “

(آثار سنن ۱۴۴)

سند کے لحاظ پر حسن ہے لیکن علی صدرہ (سینہ پر) کے الفاظ کا ثبوت صحیح طور پر نہیں پایا گیا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ احمد نے وکیع سے اور دارقطنی نے عبدالرحمن بن مہدی سے یہ روایت بیان کی جن کی بعد میں سند اور حدیث یہ ہے:

” عن سفيان عن سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال رأيت النبي ﷺ واضعا يمينه على شماله في الصلوة “

قبيصہ بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا ہوا تھا۔ اس حدیث میں علی صدرہ (سینہ پر) کے الفاظ نہیں۔



ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو الاحوص سے روایت بیان کی جس کی آگے  
سند اور حدیث یہ ہے :

” عن سماك عن قبيصة عن ابيه قال قال رسول الله يؤمنا  
فياخذ شماله بيمينه “

قبیصہ کہتے ہیں ان کے باپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ  
ہماری امامت فرماتے آپ اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑے  
ہوئے ہوتے۔

اس حدیث میں بھی علی صدرہ (سینہ پر) الفاظ نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ہی شریک سے روایت ذکر کی  
ہے وہ حدیث اور اس کے آگے سند یہ ہے :

” عن سماك عن قبيصة عن ابيه قال ويضع احدى يديه على  
الاخرى “

قبیصہ کہتے ہیں میرے باپ نے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ  
دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر رکھتے۔

اس حدیث میں بھی علی صدرہ (سینہ پر) کے الفاظ موجود نہیں۔

صرف مسند احمد کے روایت جو اس سند سے (عن يحيى بن سعيد عن  
سفيان الخ) بیان کی ہے اس میں علی صدرہ کے الفاظ ہیں جو یقینی نہیں  
کیونکہ ایک ہی راوی کے ایک ہی مضمون کی حدیث جب کئی جگہ پر مذکور ہے  
جن میں علی صدرہ نہیں تو صرف ایک میں پایا جانا، ضعف سے خالی نہیں۔

(حاشیہ آثار سنن ص ۱۴۴)

” عن طاؤس قال كان النبي ﷺ يضع يده اليمنى على يده “



اليسرى ثم يشد بهما على صدره وهو فى الصلوة“

(رواه ابو داؤد فى المراسيل)

طاؤس کہتے ہیں نبی کریم ﷺ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے پھر ان کو سینے پر باندھتے جب آپ نماز میں ہوتے۔

واسنادہ ضعیف (آثار سنن ص ۱۴۵)

یہ حدیث سند کے لحاظ پر ضعیف ہے۔

## نیموی کی فیصلہ کن بات :

”قال النيموى وفى الباب احاديث اخر كلها ضعيفة“

(آثار سنن ص ۱۴۵)

نیموی رحمہ اللہ نے کہا اس باب میں یعنی سینے پر نماز کی حالت میں ہاتھ رکھنے کے مسئلہ میں تمام احادیث ضعیف ہیں۔

واضح ہوا کہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے والی تمام احادیث ضعیف ہیں تو ان کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا صرف وہی احادیث صحیح یا حسن ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے رکھے جائیں۔

**اعتراض :** جو روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے اس کی سند میں کلام ہے اسلئے کہ اس کے راویوں میں عبدالرحمن بن اسحاق کوفی ہے جس کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا ”لیس بشئ منکر الحدیث“ وہ راوی کچھ چیز نہیں کیونکہ اس کی حدیث منکر ہوتی ہے اس سے واضح ہوا کہ حدیث ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والی ضعیف ہے اسے کس طرح دلیل بنایا گیا ہے۔



**جواب :** ”روی ابو داؤد وسکت علیہ“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہوئی حدیث ابو داؤد نے بیان کی ہے اور ابو داؤد نے ذکر کر کے خاموشی اختیار کی ہے ضعیف کا کوئی قول نہیں کیا جس سے واضح ہوا کہ امام احمد کا ضعیف کہنا معتبر نہیں۔

”ويعضده ما رواه ابن حزم من حديث انس من اخلاق النبوة

وضع اليمين على الشمال تحت السرة“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جس پر اعتراض کیا گیا ہے وہ یہ ہے :

”عن علي رضي الله عنه انه قال ان من السنة وضع الكف

على الكف تحت السرة“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ

پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

اس روایت کی تائید ایک اور روایت کر رہی ہے جو ابن حزم نے روایت

کی ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبوت کے اخلاق میں یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

**تنبیہ :** جب حدیث متعدد طریقوں یعنی متعدد سندوں سے بیان ہو وہ ضعیف حدیث بھی حسن بن جاتی ہے جس سے واجب احکام بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

”واعلم ان الصحابي اذا اطلق اسم السنة فالمراد به سنة

النبي ﷺ“

(عمدة القارى للعيني (شرح البخارى) ج ٥ ص ٢٧٩)



صحابی جب مطلقاً یہ ذکر کرے کہ یہ سنت ہے تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا شاندار فیصلہ :

”وقال الترمذی العمل عند اهل العلم من الصحابة والتابعین ومن بعدهم وضع الیمین علی الشمال فی الصلوة وراى بعضهم ان يضعها فوق السرة وراى بعضهم ان يضعها تحت السرة وكل ذلك واسع“

(عمدة القاری للعینی ج اول ۲۷۹)

ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عام صحابہ کرام تابعین اور ان کے بعد حضرات کا اس پر عمل رہا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ہر نماز میں رکھتے تھے البتہ بعض نے ہاتھ ناف کے اوپر رکھے اور بعض نے ناف کے نیچے ہاتھ رکھے عمل و قول میں وسعت ہے

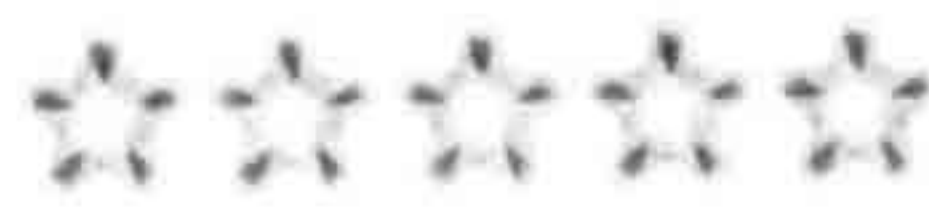
حقیقت بھی یہی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث ہر طرف سے ملیں تو وہاں یہ بحث تو کی جاسکتی ہے کہ یہ احادیث (سننے پر اور ناف کے اوپر ہاتھ رکھنے والی) تمام ہی ضعیف ہیں ان کو دلیل بنانا درست نہیں۔ لیکن دوسری طرف ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والی بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں لہذا ان کو دلیل بنانا بھی صحیح ہے۔ اگر ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والی کوئی ایک حدیث ضعیف ہو بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ کیونکہ اس مسئلہ میں صحیح اور حسن احادیث بھی ہیں۔

لیکن اتنا اختلاف کرنا کہ ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے والے جو احادیث پر



عمل کر رہے ہیں ان کو طنز اور طعن کا نشانہ بنانا کہ : انہوں نے ہارون رشید کو خوش کرنے کے لئے مذہب گھڑا ہے یہ تو احادیث پر عمل نہیں کر رہے احادیث پر تو عمل صرف ہم ہی کر رہے ہیں۔ یہ محض جھوٹا پروپیگنڈا ہے اور عوام کو بے وقوف بنانے کا ایک طریقہ ہے۔

میں اپنے اہل سنت و جماعت حنفی مسلک کے بھائیوں سے بھی یہی درخواست کروں گا کہ اگر کوئی سینہ پر ہاتھ رکھ کر نماز ادا کر رہا ہے تو اسے اپنے حال پر رہنے دیں وہ بھی احادیث پر عمل کر رہا ہے اگرچہ ضعیف پر۔





## رفع يدین کی بحث

(یعنی ہاتھ کہاں اٹھائے کہاں نہ اٹھائے):

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے، پھر رکوع میں جاتے ہوئے ہاتھ اٹھائے، پھر رکوع سے سر اٹھائے وقت ہاتھ اٹھائے، (غیر مقلدین کا رفع یدین کے متعلق یہ عمل ہے)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین یعنی احناف کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھائے جائیں پھر کہیں نہ اٹھائے جائیں، البتہ وتر میں دعاء قنوت اور عیدوں کی تکبیروں کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں۔

اس مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ سمجھیں تاکہ غیر مقلدین کے اس جال میں نہ پھنسیں: کہ رفع یدین کے متعلق روایات بہت ہیں، خیال رہے کہ بہت ہونے کے باوجود منسوخ ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں بیان کیا ہے کہ ایک سو چوبیس آیتیں قرآن پاک میں وہ ہیں جن میں کافروں سے جہاد نہ کرنے کا حکم ہے لیکن وہ تمام ایک ہی آیت واقتلوہم حیث تقتلتموہم سے منسوخ ہو گئیں۔

غیر مقلدین کا جاہل لوگوں کو بخاری شریف اٹھا اٹھا کر ترجمہ دکھانا وہ بھی بریکٹ میں اپنے مطلب کے مطابق اپنی طرف سے زیادتیاں یہ صرف عوام



جو علمی نکتوں کی باریکیوں سے بے خبر ہیں ان کو دھوکہ دینا ان کا مطلب ہوتا ہے۔ ان کا دھوکہ دینے کا طریقہ یہ ہوتا ہے :

”دیکھو جی بخاری سب سے صحیح کتاب ہے اور یہ حدیث اس میں موجود ہے ہم اس کے مقابلہ میں بخاری سے ہی حدیث طلب کرتے ہیں“

میرے حنفی بھائیو! بخاری کے صحیح ہونے کو بھی میں تسلیم کرتا ہوں، بخاری کے اندر کئی وہ احادیث بھی تسلیم کرتا ہوں جو غیر مقلدین اپنے مذہب کی تائید میں لاتے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کرتا کہ بخاری کی ہر حدیث قابل عمل ہے، کوئی منسوخ نہیں۔ ذرا سوچئے! ٹھنڈے دل سے سوچئے! بار بار سوچئے! کہ قرآن پاک بلند مرتبہ ہے یا بخاری؟ یقیناً آپ کو کہنا پڑے گا کہ قرآن پاک بلند مرتبہ کتاب ہے۔ اگر یہ مانتے ہوئے تمہیں یہ ماننا لازم آئے کہ ایک سو چوبیس آیتیں قرآن پاک میں جہاد نہ کرنے کی موجود ہیں لیکن جہاد پھر بھی ضروری ہے تو رفع یدین کی حدیثیں صحاح ستہ میں کوئی حدیث ضعیف نہیں اور دوسری احادیث کی کتب میں ہونے کے باوجود منسوخ ہیں، قابل عمل نہیں۔

دوسری یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ کہنا کہ صحاح ستہ میں کوئی حدیث صحیح یا حسن نہیں یہ فقط جہالت اور حماقت ہے۔

تیسری بات یہ ذہن میں رکھی جائے کہ کسی مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایک حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں تو اس حدیث کو اس



راوی کے ضعیف ہونے سے ضعیف نہیں کیا جاسکتا جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ تابعی ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کو پایا۔

چوتھی بات یہ ذہن میں رکھی جائے تمام کتب احادیث کے مؤلفین (سوائے امام مالک و امام محمد رحمہ اللہ علیہما) کے آپ کے بعد پیدا ہوئے۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ جو حدیث صحاح ستہ میں نہیں وہ صحابہ کرام کا عمل نہیں؟ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ صحابہ کرام صحاح ستہ کے محتاج تھے؟ جب یہ لغو اور جاہلانہ اقوال ہیں تو یقیناً امام اعظم رحمہ اللہ علیہ بھی کسی بخاری و مسلم کے محتاج نہیں تھے جن محدثین کا ابھی وجود ہی نہیں تھا ان کی محتاجی کیسے؟ کیا بخاری و مسلم سے پہلے کوئی دین ہی نہیں تھا۔

یہ بھی خیال رہے کہ مسند امام اعظم کی احادیث میں دو دو واسطوں سے احادیث مذکور ہیں ان میں ضعیف ہونے کا سوال ہی نہیں۔ راقم کا موقف تو اس میں بھی یہ ہے جو بہت پختہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کئی احادیث صرف ایک واسطہ صحابہ سے ملیں۔ یہ کہنا ممکن ہی نہیں کہ کسی شخصیت نے زمانہ صحابہ کو پایا ہو اور کوئی بات ان سے نہ سنی ہو۔ مسند امام اعظم میں تھوڑی حدیثوں کا ہونا یہ دلیل نہیں کہ آپ کو اتنی ہی حدیثوں کا علم تھا ورنہ یہ کہنا لازم آئے گا کہ کسی صحابی نے حدیث کی کوئی کتاب مرتب نہیں کی، لہذا (معاذ اللہ) انہیں کچھ علم ہی نہیں تھا۔ اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت کم احادیث بیان کی ہیں انہوں نے ان کے علاوہ نبی کریم ﷺ سے کچھ سنا ہی نہیں اور نہ ہی آپ کے عمل کو انہوں نے دیکھا۔



خدا انصاف کیجئے ! کیا یہ کہنا صحیح ہے؟ نہیں بلکہ یہ کہنا غلط ہے  
آئیے اصل مسئلہ رفع یدین کی طرف توجہ کیجئے۔

سب سے پہلے تو یہ سمجھا جائے کہ رفع یدین (ہاتھ اٹھانا) احادیث  
مبارکہ سے سجدہ کے لئے بھی ثابت ہے اور دور کعتوں کے بعد اٹھنے کے لئے  
بھی ثابت ہے۔ رکوع میں جانے کے لئے بھی اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت  
بھی، لیکن یہ تمام صورتیں منسوخ ہیں۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی ہے کہ  
صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں اور کہیں نہ اٹھائے جائیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین بھی سجدہ کے لئے ہاتھ نہیں  
اٹھاتے اور دور کعتوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اس سے  
واضح ہوا کہ تمام احادیث پر وہ بھی عمل نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ اس  
لئے ضروری ہے کہ قواعد و ضوابط کو مد نظر رکھا جائے اگر احادیث میں تطبیق  
دے کر تمام پر عمل کر سکیں تو بہتر، اگر تطبیق نہ دی جاسکے تو دیکھیں اگر کوئی  
ناسخ ہو اور کوئی منسوخ تو ایسی صورت میں منسوخ کو چھوڑ دیں اور ناسخ پر عمل  
کریں۔

اگر ناسخ منسوخ نہیں تو دیکھیں اگر کوئی ضعیف ہے اور اس کے مقابل  
صحیح یا حسن ہے تو ضعیف کو چھوڑ دیں اور صحیح یا حسن پر عمل کریں۔ ان ضوابط  
پر عمل کرنے کے بغیر احادیث پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں اور نہ ہی تعارض کو  
مٹایا جاسکتا ہے۔



## دور كعتوں كے بعد كھڑا ہوتے وقت رفع يدين :

” عن نافع ان ابن عمر كان اذا دخل في الصلوة كبر ورفع يديه واذا ركع رفع يديه واذا قال سمع الله لمن حمده رفع يديه واذا قام من الركعتين رفع يديه ورفع ذلك ابن عمر الى النبي ﷺ “

(بخاری باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين)

حضرت نافع كہتے ہیں جب حضرت ابن عمر نماز كو شروع كرتے تو تكبير كہتے اور دونوں ہاتھوں كو اٹھاتے اور جب ركوع كرتے تو دونوں ہاتھوں كو اٹھاتے اور جب سمع الله لمن حمدہ كہتے تو دونوں ہاتھوں كو اٹھاتے اور جب دور كعتوں كے بعد كھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں كو اٹھاتے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی كريم ﷺ كا عمل بتاتے ہوئے اس حدیث كو مرفوع كا درجہ دیا۔

حدیث بخاری میں مرفوع، پھر یار لوگوں كا بھی اس پر عمل نہیں، پتہ چلا كہ بخاری كی ہر حدیث پر عمل كرنا لازم نہیں۔ ضروری ہے كہ ديكھا جائے اگر حدیث منسوخ ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے۔

## سجدہ كے لئے رفع يدين :

” عن مالك بن الحويرث انه رأى النبي ﷺ رفع يديه في صلوته اذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع واذا سجد واذا رفع رأسه من السجود حتى يحاذي بهما فروع اذنيه “

(نسائی كتاب الافتتاح باب رفع اليدين للسجود)



مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نماز میں دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور پھر ہاتھوں کو اٹھایا جب سجدہ کیا اور پھر ہاتھوں کو اٹھایا جب سجدہ سے سر کو اٹھایا یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں کو کانوں کے اوپر حصہ کے برابر کیا۔

” وعن انس ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه فی الركوع والسجود “

(ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۳۹۹ حدیث ۹۹۷) (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ باب من کان

یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ، مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ اپنے ہاتھ رکوع میں اور سجدہ میں اٹھاتے تھے۔

” عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه عند التكبير للركوع وعند التكبير حين يهوى ساجدا وقال الهيثمي اسناده صحيح “

(المعجم الاوسط ج اول ص ۳۹ حدیث ۱۶ مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیشک نبی کریم ﷺ رکوع کے لئے تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اور سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیشمی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے۔

” عن ابی ہریرۃ قال رأیت رسول اللہ ﷺ یرفع یدیه فی الصلوٰۃ حذو منکبیه حين یفتح الصلوٰۃ وحين یرکع وحين یسجد “

(ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو



دیکھا آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے جب آپ نماز کو شروع فرماتے اور جب آپ رکوع فرماتے اور جب سجدہ کرتے۔

” عن یحییٰ بن ابی اسحاق قال رأیت انس بن مالک یرفع یدیه  
بین السجدتین “

(جزء رفع الیدین للبخاری)

یحییٰ بن ابی اسحاق کہتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ اپنے ہاتھوں کو دونوں سجدوں کے درمیان اٹھاتے تھے۔

ابھی تک زیر عنوان سجدہ کے لئے رفع یدین جو احادیث نقل کی ہیں وہ صحیح الاسناد ہیں، جن سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے بھی ہاتھ اٹھائے جائیں اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے بھی ہاتھ اٹھائے جائیں۔ اس مسئلہ پر صحاح ستہ سے بھی احادیث آگئیں، پھر یار لوگوں کا اس پر عمل کیوں نہیں؟ معلوم ہوا کہ صحاح ستہ میں آنے والی تمام احادیث ان حضرات کے نزدیک بھی قابل عمل نہیں بلکہ بعض کو وہ بھی منسوخ مانتے ہیں۔ جھگڑا صرف رکوع میں جاتے وقت اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین میں ہے یہ مقام تعجب ہے۔

رفع یدین رکوع میں جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے :

” عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه  
حذو منکبیه اذا افتتح الصلوۃ واذا کبر للركوع واذا رفع رأسه  
من الركوع رفعهما کذا لک ایضا وقال سمع اللہ لمن حمدہ  
ربنا ولك الحمد وکان لا یفعل ذلك فی السجود “

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین فی التکیرة الاولى الخ، مسلم کتاب الصلوۃ باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین)



عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیٹھک رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ کندھے کے برابر اٹھاتے جب آپ نماز شروع فرماتے اور جب آپ رکوع کی تکبیر کہتے اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور پھر آپ ”سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولك الحمد“ کہتے اور سجدہ میں پھر ایسے نہیں کرتے تھے۔

”عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يجعلهما قريبا من اذنيه واذا ركع صنع مثل واذا رفع رأسه من الركوع صنع مثل ذلك“

(ابن ماجہ رفع الیدین اذا رکع نسائی باب رفع الیدین حذو فروع الاذنین)

مالک بن حویرث فرماتے ہیں بیٹھک رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ان کو کانوں کے قریب کرتے اور جب رکوع کرتے پھر ایسے ہی کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اسی طرح کرتے۔

”عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة يرفع يديه حتى يحاذي منكبيه واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع“

(ترمذی باب رفع الیدین عند الركوع)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اپنے سر کو اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو بھی اٹھاتے۔



## ذرا غور سے مسئلہ کو سمجھئے !

اس بات کا انکار نہیں کہ نبی کریم ﷺ رفع یدین (اپنے ہاتھ اٹھاتے) کرتے جب تکبیر تحریمہ کہتے آپ رفع یدین کرتے، جب رکوع میں جاتے آپ رفع یدین کرتے، جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے اور آپ رفع یدین کرتے، جب آپ سجدہ میں جاتے اور آپ سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے، اور آپ دو رکعتوں کے بعد تشهد سے فارغ ہو کر قعدہ سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے۔

یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ رفع یدین والی احادیث صحاح ستہ میں اور احادیث کی دوسری کتب میں بھی موجود ہیں، یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ رفع یدین والی احادیث مختلف کتب احادیث سے مل جائیں گی۔

یہ تمام باتیں تسلیم کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین باقی رہ گیا اور تمام جگہ منسوخ ہو گیا مقام تعجب یہ ہے کہ رفع یدین کی رٹ لگانے والے بھی سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے اور دو رکعتوں کے بعد رفع یدین کو منسوخ مانتے ہیں تین جگہ پر منسوخ مانا جاسکتا ہے تو دو اور جگہ منسوخ کیوں نہیں مانا جاسکتا۔

ایک خاص بات ذہن میں رکھیں کہ رکوع کی دونوں حالتوں میں رفع یدین پر فعلی احادیث پائی جاتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے کیا ہے، کوئی قوی حدیث موجود نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو کہ رفع یدین کرو، ایسی کوئی حدیث کوئی شخص نہیں دکھاسکے گا۔



لیکن رفع یدین کی ممانعت پر فعلی حدیثیں بھی موجود ہیں اور قولی بھی یعنی یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین نہیں کیا بلکہ چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے رفع یدین سے منع کیا۔ اور قولی احادیث کو فعلی احادیث پر ترجیح دی جاتی ہے۔

منسوخ آیات قرآن پاک میں موجود ہونے کے باوجود قابل عمل نہیں تو منسوخ احادیث کتب احادیث میں موجود ہونے کی وجہ سے عمل کے لئے لازم پر دلیل کیسے قائم کی جاسکتی ہے؟

یاد رہے! دلائل کی کثرت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دلائل کی پختگی کا اعتبار ہوتا ہے، غیر عادل بیس گواہ بھی دو عادل گواہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کئی احادیث ضعیفہ، ایک حدیث صحیحہ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، ایک صحیح حدیث کئی ضعیفوں پر بھاری ہوگی۔

سینکڑوں ہی تعداد میں احادیث کو ایک حدیث سے منسوخ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ایک سو چوبیس آیات مبارکہ جہاد نہ کرنے والی ایک آیت مبارکہ سے منسوخ ہیں جس میں جہاد کرنے کا ذکر ہے۔

جو احادیث منسوخ ہوں ان کو کتابوں سے نکال نہیں دیا جاتا وہ منسوخ احادیث بھی کتب میں ذکر کر دی جاتی ہیں اور نسخ بھی، مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فعل بھی رہا اور یہ بھی۔





## ﴿ نسخ کی مختصر بحث ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ ما ننسخ من آية او ننسها نأت بخیر منها او مثلها لم تعلم ان الله على کل شیء قدير ﴾

(ب ۱ بقرہ ۱۰۶)

جب کوئی آیت ہم منسوخ کریں یا فراموش کرادیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

**وضاحت :** نسخ کے دو معنی ہیں : ایک نقل و تحویل، جیسے کہا جاتا ہے نسخت الكتاب میں نے کتاب کو نقل کیا۔ دوسرا معنی ہے اٹھانا، ختم کرنا، جیسے کہا جاتا ہے نسخت الشمس الظل سورج نے سایہ کو ختم کر دیا۔ آیت کریمہ میں دوسرا معنی معتبر ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ احکام کو تدریجاً یعنی آہستہ آہستہ نافذ کیا ایک حکم ایک وقت کے لئے نافذ کیا جب اس کا وقت ختم ہوا تو اسے منسوخ کر کے دوسرا حکم نافذ کر دیا جس میں بدوں کا نفع زیادہ ہو یا آسان ہو یا اس میں ثواب زیادہ ہو یا حکم تو دوسرا اگیا لیکن ثواب وغیرہ میں پہلے کی طرح ہی ہو۔

**نسخ کی قسمیں :** نسخ کی تین قسمیں ہیں :

(۱) ”النسخ بقراءتها فقط دون حکما مثل اية الرجم“



یعنی نسخ کی ایک قسم یہ ہے کہ آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہو وہ قرآن پاک میں اب بظاہر موجود نہ ہو لیکن اس کا حکم موجود ہو۔ جیسے وہ آیت جس سے سنگسار کرنے کا حکم ثابت ہے۔

احادیث مبارکہ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبکہ آپ منبر رسول اللہ پر تشریف فرما تھے بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب کو نازل کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو آیت رجم نازل فرمائی ہم نے اسے پڑھا اور یاد کیا اور ہم نے اسے سمجھا رسول اللہ ﷺ نے رجم (سنگسار) کیا اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا، مجھے ڈر ہے کہ طویل زمانہ گزرنے کے بعد کہنے والا کہے گا ہم اللہ کی کتاب میں رجم کا ذکر نہیں پاتے (ایسا کہنے والے) اللہ تعالیٰ کی نازل کئے ہوئے فریضہ کو چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے، بے شک رجم کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہونا حق ہے، جو بھی مرد ہو یا عورت جب وہ محسن ہوں (شادی شدہ ہوں) ان کا زنا ثابت ہو جائے گو اہوں سے یا ظاہر طور پر حمل سے یا اعتراف سے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے۔

(۲) " او بحکمها المستفاد منها فقط دون قرائتها مثل آية

الوصية للاقارب "

نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ صرف حکم منسوخ ہو تلاوت منسوخ نہ ہو یعنی وہ آیات قرآن پاک میں موجود ہوں لیکن ان کا حکم باقی نہ ہو، صرف سمجھانے کے لئے دو آیتیں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں ورنہ اس کی کئی مثالیں



دی جاسکتی ہیں :

﴿ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر ان الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین ﴾

(ب ۲ بقرہ ۱۸۰)

فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لئے اور قریبی رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا ضروری ہے پرہیزگاروں پر۔

جب تک وارثوں کے وراثت میں حقوق کو مقرر نہیں کیا گیا تھا اس وقت تک یہ حکم تھا کہ جو شخص موت کے قریب ہو اگر اس کے پاس مال ہو تو وہ خود وصیت کرے کہ میرے مال میں سے اتنا مال میری ماں کو اتنا میرے باپ کو اور اتنا میرے فلاں فلاں رشتہ دار کو دے دینا۔ ابتدائی طور پر یہ وصیت کرنا انسان پر فرض تھا لیکن جب دوسری آیت (جو سورۃ نساء چوتھے پارہ میں ہے) کا نزول ہوا جس میں وارثوں کے حصے رب تعالیٰ نے مقرر فرمادیئے تو یہ آیت منسوخ ہو گئی اب وصیت کرنا فرض ہونا تو درکنار وارث کے لئے وصیت کرنا جائز ہی نہیں رہا۔

البتہ جو وارث نہ ہو اس کے لئے اپنے تہائی مال سے وصیت کرے تو جائز ہے تہائی سے زائد مال کی وصیت نہیں کر سکتا یہاں سے واضح ہوا کہ آیت مبارکہ قرآن پاک میں موجود ہے تلاوت کی جا رہی ہے کوئی شخص کسی کم علم جاہل کو دھوکہ دے کہ وصیت کرنا فرض ہے لہذا تم اپنے فلاں فلاں رشتہ دار



کے لئے خود ہی مال کے حصے مقرر کر دو تو یہ شخص جو دھوکہ دے رہا ہے وہ گنہگار ہو گا کہ اس نے قرآن پاک کے حکم کو بدلنے کی کوشش کی۔

ایسے ہی جو احادیث منسوخ ہیں کتب احادیث میں موجود ہیں ان کا ترجمہ دکھا دکھا کر دوسروں کو گمراہ کرنے والا خود گمراہ ہے۔ قرآن پاک میں آیت کریمہ موجود ہو کر منسوخ ہو سکتی ہے تو بخاری یا صحاح کی دوسری کتب میں حدیث موجود ہونے کے باوجود منسوخ کیوں نہیں ہو سکتی۔

آئیے دوسری آیت کریمہ کی طرف توجہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیہن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البيوت حتی یتوفهن الموت او یجعل الله لهن سبیلاً﴾

(ب ۴ نساء ۱۵)

اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کرو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کر دے ان کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ۔

اس آیت میں زانیہ عورتوں کی حد (سزا) یہ ذکر کی گئی کہ اگر ان پر چار مرد گواہی دے دیں ان کا جرم ثابت ہو جائے تو ان کو گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ ان پر موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور حکم نافذ کر دے۔

اس آیت کریمہ کو منسوخ کر دیا گیا دوسرا حکم نافذ ہو گیا آیت کریمہ قرآن پاک میں موجود ہے پڑھی جا رہی ہے تا قیامت ان شاء اللہ پڑھی



جاتی رہے گی لیکن اس کا حکم ختم کر دیا گیا۔ سورۃ نور میں ایک سو کوڑے لگانے کا حکم غیر شادی کے لئے آگیا، وہ آیت کریمہ بھی قرآن میں موجود ہے اور اس کی تلاوت ہو رہی ہے اور شادی شدہ کے لئے سنگسار کرنے کا حکم نافذ کر دیا گیا یہ بھی قرآن کا ہی حکم ہے تا قیامت قرآن کا ہی حکم کہلائے گا اگرچہ آیت کریمہ بظاہر قرآن پاک میں تلاوت نہیں ہو رہی جس کی تفصیل نسخ کی پہلی قسم میں ذکر کر دی گئی۔

## میرے حنفی بھائیو!

اہل سنت و جماعت کے سچے اور پکے مسلمانو! یہ بات ضرور یاد رکھو کہ منسوخ آیتوں کا قرآن پاک میں موجود نہ ہونا کوئی ضروری نہیں اور اسی طرح منسوخ احادیث کتب احادیث میں موجود ہونے کے باوجود منسوخ ہیں۔

” اوبھما جمیعا کما قیل انھا کانت سورۃ الاحزاب مثل سورۃ البقرۃ فرفع اکثرھا تلاوۃ و حکما “

نسخ کی تیسری قسم یہ ہے کہ تلاوت بھی منسوخ ہو جائے اور حکم بھی منسوخ ہو جائے کیونکہ سورۃ احزاب کی آیات تقریباً سورۃ بقرہ کے برابر تھیں لیکن بہت سی منسوخ ہو گئیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ منسوخ کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات سے تھا بغداد میں منسوخ کا کوئی تصور نہیں اس لئے یہ کہنا کہ قرآن پاک کی چالیس پارے تھے بعد میں صحابہ کرام نے اسے چھوٹا کر دیا یہ لغو، یہودہ، اور من گھڑت قول ہے (العیاذ باللہ) اس لئے کہ قرآن پاک کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔



نسخ کی ایک اور تقسیم :

نسخ کی چار قسمیں ہیں :

- (۱) قرآن پاک کی آیت قرآن پاک سے منسوخ ہو۔
- (۲) قرآن پاک کی کوئی آیت حدیث پاک سے منسوخ ہو۔
- (۳) حدیث پاک منسوخ ہو حدیث پاک سے۔
- (۴) حدیث پاک منسوخ ہو قرآن پاک سے۔

**پہلی قسم :** قرآن پاک کی کوئی آیت منسوخ ہو قرآن پاک سے اس کی دو مثالیں بیان کر دی گئیں ہیں اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی پہلی عدت ایک سال تھی اس کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی :

﴿ وَالَّذِينَ يَتوفون منكم ويذرون ازواجاً وصيةً لازواجهم  
متاعاً الى الحول غير اخراج ﴾

(ب ۲ بقرہ ۲۴۰)

اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں وہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں اور انہیں خرچہ دیا جائے ایک سال تک اور نہ نکالا جائے انہیں گھر سے۔ اس آیت کریمہ میں وصیت کرنے کا حکم بیویوں کے لئے جو تھا وہ وراثت والی آیت سے منسوخ ہو گیا اور ایک سال کی عدت کا حکم چار مہینے دس دن والی آیت سے منسوخ ہو گیا اب جو عدت ہے ان عورتوں کی جن کے خاوند فوت ہو جائیں وہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے :



﴿والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسهن  
اربعۃ اشھر وعشرا﴾

(ب ۲ ..... ۱۴)

اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو  
وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن ۔

**دوسری قسم:** قرآن پاک کی آیت منسوخ ہو حدیث سے اس کی مثال  
دیکھیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿لا یحل لک النساء من بعد﴾

آپ کے لئے اس کے بعد (بیک وقت نو بیویوں کے بعد)  
عورتیں حلال نہیں ۔

یہ آیت منسوخ ہے حدیث پاک سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
سے مروی ہے :

” ان النبی ﷺ اخبرها بان اللہ تعالیٰ اباح لہ من النساء ماشاء“

(حاشیہ جلالین)

پیغمبر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لئے عورتوں کو مباح کر دیا  
جنتی تعداد سے آپ نکاح کرنا چاہیں ۔

یہ بھی خیال رکھیں کہ حدیث کے لئے نسخ ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ  
مشہور پامتواتر ہو یہ کوئی شرط نہیں فلاں کتاب میں ہے ہو اگر اس کے خلاف کسی  
کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کرے ۔

**تیسری قسم:** حدیث سے حدیث منسوخ ہو ۔

” عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ کنت نہیتکم عن



زیارة القبور فزورها فانها تزهد فی الدنيا وتذكر الآخرة “

(ابن ماجہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے دنیا میں زہد (تقویٰ) حاصل ہوتا ہے اور آخرت کی یاد حاصل ہوتی ہے۔

واضح ہوا کہ اس حدیث پاک سے قبروں کی زیارت سے منع کرنے والا آپ کا ارشاد گرامی منسوخ ہو گیا تو پتہ چلا کہ حدیث پاک سے حدیث پاک کا منسوخ ہونا بھی ثابت ہے۔

**چوتھی قسم:** حدیث پاک منسوخ ہو قرآن پاک سے اس کی مثال یہ ہے کہ نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنا حدیث پاک سے ثابت ہے پھر قرآن پاک کی آیت :

﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَرْطَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾

(آپ مسجد حرام کی طرف منہ کریں) سے حدیث پاک منسوخ ہو گئی۔

(نسخ کی بحث میں تفسیر مظہری، مسلم شریف نور الانوار سے فائدہ حاصل کیا گیا)

یہ بحث اس لئے کی گئی کہ عوام کو نسخ کے متعلق آسان لفظوں میں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں اب اس مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ پھر مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ابھی تک ان احادیث کا ذکر کیا تھا جن سے دو رکعت کے بعد اٹھتے وقت سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے لیکن وہ تمام منسوخ ہیں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین باقی ہے۔



## رفع یدین سے ممانعت کی احادیث صحاح ستہ سے

”عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة قال وفی الباب عن البراء بن عازب قال ابو عیسیٰ حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبه یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین وهو قول سفیان واهل الکوفة“

(ترمذی باب رفع الیدین عند الرکوع)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کرنے دکھاؤں پھر آپ نے نماز ادا کی اس میں صرف پہلی مرتبہ یعنی تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو اٹھایا ترمذی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس باب میں (یعنی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا اور بعد میں نہ اٹھانا) اہل کوفہ عازب رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن اور یہی قول کئی اہل علم کا ہے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور تابعین میں سے ہیں اور یہی قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

اہل کوفہ سے مراد بھی صحابہ کرام اور تابعین ہیں جو کوفہ میں تھے اور یہ بھی یاد رہے کہ حدیث حسن ہے جس سے واجب احکام بھی ثابت ہو جاتے ہیں کتنا تعجب کا مقام ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے تو رفع یدین چھوڑ دیا تھا لیکن ہم ابھی ضد پڑے ہوئے ہیں۔

”عن علقمة عن عبد الله انه قال لا اصلی بکم صلوة رسول



اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الامرة واحدة“

(نستائی باب رفع الیدین)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کر کے نہ دکھاؤں؟ تو آپ نے نماز ادا کی سوائے پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ) کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

”عن علقمة عن عبد الله قال الا اخبركم بصلوة رسول الله ﷺ قال فقام فرفع يديه اول مرة ثم لم يعد“

(نستائی باب رفع الیدی للركوع)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی خبر نہ دوں؟ راوی کہتے ہیں پھر آپ کھڑے ہوئے آپ نے پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر آپ نے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

”عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلى بكم صلوة رسول الله ﷺ قال فصلی فلم یرفع یدیه الامرة“

(ابو داؤد کتاب الصلوة باب من لم يذكر الرفع عند الركوع)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر آپ نے نماز ادا کی آپ نے صرف پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ میں) ہاتھ اٹھائے۔

”عن البراء ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لا يعود“ (ابو داؤد حوالہ مذکور)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے پھر رسول اللہ ﷺ



جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے کانوں کے قریب کرتے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

رفع یدین واضح طور پر منع، صحاح ستہ سے حدیث:

”عن جابر بن سمرۃ ان رسول اللہ ﷺ راٰی قوما رفعوا ایدیہم  
کانھا اذنا ب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ“

(ابو داؤد)

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھاتے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ ہاتھ اٹھاتے ہیں گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں نماز میں سکون کرو۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور منع فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین سنت نہیں بلکہ منسوخ ہے۔

**اعتراض:** اس حدیث سے رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے جو رفع یدین کیا جاتا ہے اس سے ممانعت نہیں بلکہ بوقت سلام جو رفع یدین کیا جاتا ہے اس سے ممانعت فرمائی گئی کیونکہ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت واضح طور پر سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے وہ روایت یہ ہے:

”عن جابر بن سمرۃ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ فکنا اذا  
سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم فنظر الینا رسول اللہ ﷺ فقال  
ما شانکم تشیرون بایدیکم کانھا اذنا ب خیل شمس اذا سلم  
احدکم فلیلتفت الی صاحبه ولا یومی بیده“



حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ہم چونکہ جب سلام پھیرتے تھے تو السلام علیکم کہتے وقت اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے نبی کریم ﷺ نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا تم میں سے جب بھی کوئی ایک سلام پھیرے تو اپنے ساتھ والے شخص کی طرف منہ کرے اور اشارہ نہ کرے۔

اسی طرے ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں :

” انما یکفی احدکم ان یضع یدیه علی فخذیه ثم یسلم علی اخیہ من علی یمینہ و شمالہ “

تم میں سے ہر ایک کو یہ کافی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے رانوں پر رکھے پھر دائیں طرف اور بائیں طرف اپنے بھائی کی طرف توجہ کرتے ہوئے سلام کرے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوا کہ سلام کے وقت رفع یدین سے منع کیا گیا جو ابتدائی طور پر صحابہ کرام سلام کی وقت ہاتھ اٹھالیتے تھے۔ وہ حدیث جو تم نے پیش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس حدیث سے رکوع کے وقت رفع یدین کی ممانعت ہے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دونوں حدیثوں کے الفاظ ایک جیسے ہیں لہذا ایک حدیث دوسری حدیث کا بیان ہے دونوں کا مطلب ایک لیا جائے تب ہی درست ہو سکتا ہے۔

**جواب :** دراصل بیاد غلطی کی وجہ ہی معترضین کی یہ ہے کہ وہ دونوں احادیث کے الفاظ میں بعض جگہ اشتراک کو دیکھ کر دونوں کا ایک ہی مطلب سمجھ بیٹھے ورنہ دونوں احادیث میں کئی وجہ سے فرق موجود ہے غور و فکر کیا جائے تو فرق روز روشن کی طرح واضح نظر آتا ہے سرسری نظر سے انسان غلط فہمی کا



شکار ہو جاتا دوسری غلطی کی وجہ اس لئے ہوتی ہے کہ دونوں حدیثوں کے راوی ایک ہیں آئیے ایک مرتبہ پھر سے توجہ کریں فرق کو سمجھئے تاکہ معترضین کو جواب دینا آسان ہو۔

## رفع یدین کی ممانعت والی حدیث :

” قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال مالي اراكم رافعي ايدكم كانها اذنا ب خيل شمس اسكنوا في الصلوة“

(مسلم ج اول باب الامر بالسكون في الصلوة، ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

راوی نے کہا کہ حضور تشریف لائے (اور ہمیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر) فرمایا میں تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو ایسے اٹھاتے ہو جس طرح سرکش گھوڑے اپنی دموں کو اٹھاتے ہیں، نماز سکون سے ادا کیا کرو۔

اس حدیث کی وضاحت میں وہ حدیث دیکھیں جس میں تفصیل مذکور

ہے وہ حدیث یہ ہے

” عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله ﷺ ونحن رافعوا ايدنا في الصلوة فقال ما بالهم رافعين وايدهم في الصلوة كانها اذنا ب خيل شمس اسكنوا في الصلوة“

(مسلم، ابوداؤد، نسائی)

حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہم پر تشریف لائے تو ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے آپ نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں ایسے رفع یدین کرتے ہیں جیسے سرکش گھوڑے اپنی دم کو ہلاتے ہیں نماز سکون سے ادا کرو۔



سلام و رکوع میں مانع رفع یدین والی احادیث میں فرق دیکھئے :

سلام والی حدیث میں ہے :

“صلیت مع رسول اللہ ﷺ”

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔

رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں ہے :

“خرج علينا رسول الله ﷺ نحن رافعوا ايدينا في الصلوة”

ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے کہ حضور تشریف لائے یعنی ہم علیحدہ علیحدہ نقلی نماز ادا کر رہے تھے اور رفع یدین کر رہے تھے تو اسی دوران نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔

سلام والی حدیث میں ہے :

“فكنا اذا سلمنا قلنا بايدنا السلام عليكم”

ہم ایسے کرتے تھے کہ جب ہم سلام پھیرتے تھے تو ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے السلام علیکم کہتے۔

رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں ہے :

“فقال ما بالهم رافعین ايديهم في الصلوة كانها اذنا ب خيل

شمس”

(حضور تشریف لائے) اور فرمایا ان کو کیا ہو گیا یہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسے سرکش گھوڑے اپنی دموں کو ہلاتے ہیں۔

اور رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے :

“اسكنوا في الصلوة”

نماز سکون سے ادا کرو یعنی رفع یدین نہ کرو۔



سلام والی حدیث میں ہے:

”اذا سلم احدكم فليبت الى صاحبه ولا يؤمى يده“

جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف حوجہ ہو کر سلام کے بعد اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

ایک روایت میں ہے:

”انما يكفي احدكم ان يضع يديه على فخلبه ثم يسلم على اعمى من عظمى بعينه وشماله“

تمہارے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھ دونوں پر رکھو پھر سلام کو پہلے اپنے دائیں طرف والے بھائی کو پھر اپنے بائیں طرف والے بھائی کو۔

رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں ہے ”اسكنوا في الصلوة“ تم نماز میں رفع یدین نہ کرو بلکہ سکون اختیار کرو اور یہ بھی خیال رہے کہ اگرچہ دونوں حدیثوں کے رلوئی ایک ہیں لیکن سندات مختلف ہیں۔

### قارئین کرام سے انصاف کی درخواست:

جب دونوں حدیثوں میں فرق بیان کر دیا گیا تو اب خود ہی انصاف کیجئے کیا دونوں حدیثوں کا ایک مطلب ہے یا کہ دونوں میں فرق پایا جاتا ہے؟ غرضیکہ انصاف و دیانت کے ساتھ دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں حدیثوں کا علیحدہ علیحدہ حکم ہے دونوں مختلف واقعات کے متعلق ہیں اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ رفع یدین کی ممانعت والی حدیث میں سلام کے وقت رفع یدین کرنے کی ممانعت ہے؛ کیونکہ ابھی جو حدیث ذکر کی ہے اس



سے واضح ہے کہ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے وہ الگ ایک حدیث ہے اور اس میں نماز کے اندر رفع یدین کا ذکر تک نہیں ہے بلکہ سلام کے وقت اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی نماز سے باہر ہونے کے لئے صرف سلام کافی ہے اشارہ کی ضرورت نہیں۔

اور رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں جس میں نماز کے اندر رفع یدین سے منع کیا گیا اس کے الفاظ کو دیکھیں جس میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ”نحن رافعوا یدینا“ ہم رفع یدین کر رہے ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ کے واضح طور پر منع کرنے کو دیکھیں کتنے صریح و واضح الفاظ ہیں ”اسکنوا فی الصلوٰۃ“ نماز سکون سے ادا کرو، نماز میں رفع یدین نہ کرو۔

اس وضاحت کے بعد سورج کی روشنی کی طرح مسئلہ نکھر کر واضح اور روشن ہو گیا کہ رفع یدین سے ممانعت والی حدیث میں رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین سے منع کیا گیا ہے۔

(فرق ماخوذ از فیوض الباری)





## رفع یدین نہ کرنے پر اور احادیث :

” عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیه فی اول تکبیرة “

( طحاری کتاب الصلوة باب التکبیرات ، هو اثر صحیح آثار سنن )

حضرت اسود نے کہا میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا (حدیث صحیح ہے)

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة من الصلوة ثم لا یرفع بعد

( طحاری کتاب الصلوة باب التکبیرات )

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔ (آثار سنن میں ذکر کیا گیا ”اسنادہ صحیح“ اس کی سند صحیح ہے )

” عن مجاہد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولى من الصلوة “

حضرت مجاہد کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی نماز میں سوائے پہلی تکبیر کے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

( طحاری باب التکبیرات )

” عن ابراہیم قال کان عبد اللہ بن مسعود لا یرفع یدیه فی شیء من الصلوة الا فی الافتتاح “ (طحاری باب التکبیرات)

حضرت ابراہیم کہتے ہیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں



سوائے تکبیر افتتاح کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

**تنبیہ:** تمام احادیث جو ذکر کی ہیں اسناد ان کی صحیح ہیں یہ چار حدیثیں جو ابھی طحاوی کے حوالہ سے نقل کی ہیں ان میں دوسری حدیث اور تیسرے حدیث بیہقی نے بھی ذکر کی ہیں۔

یہاں سے واضح ہوا کہ حضرت عمر بن خطاب حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

خیال رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تکبیر تحریمہ کے بغیر رفع یدین نہ کرنے والی روایت مسند احمد میں بھی مذکور ہے۔

” عن ابن مسعود قال صليت مع النبي ﷺ ومع ابى بكر وعمر فلم يرفعوا ايديهم الا عند تكبيرة الاولى فى افتتاح الصلوة “

(دار قطنی ص ۱۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی کسی نے بھی سوائے نماز کے شروع والی تکبیر کے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی نے واضح کر دیا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے دو پیارے یاروں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے رفع یدین نہیں کیا اس سے پتہ چلا کہ پہلے رفع یدین تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔



” عن عبد الله بن زبير انه رأى رجلا لا يرفع يديه في الصلوة عند الركوع وعند رفع رأسه من الركوع فقال له لا تفعل فان هذا شئ فعله رسول الله ﷺ ثم ترك “

(عینی ج ۲ ص ۷)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز میں رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو آپ نے اسے منع کیا اور اسے کہا کہ رفع یدین نہ کرو، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے رفع یدین کیا ہے لیکن بعد میں چھوڑ دیا تھا۔

سبحان اللہ میرے پیارے نبی کریم ﷺ کے پھوپھی زاد اور صحابی رسول ﷺ اور جلیل القدر صحابی نے واضح کر دیا کہ رفع یدین والی احادیث منسوخ ہیں۔ حضرات گرامی آپ خود توجہ فرمائیں صحابی اس مسئلہ کو بہتر جانتے ہیں یا پسند لائے ہوں صدی کا مولوی۔

ابوداؤد سے ایک اور حدیث کی طرف توجہ کریں :

” عن ابی ہریرة انه ﷺ اذا دخل فی الصلوة رفع یدیه “

(ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے۔

**اعتراض :** اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ باقی کی کوئی نفی نہیں۔



**جواب:** ابو داؤد نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے ”باب من لم يذكر الرفع عند الركوع وسكت عليه“ اس باب میں وہ احادیث ذکر ہیں جن میں رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں بلکہ سکوت اختیار کیا گیا ہے۔  
حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی گئی :

”قال النبي ﷺ لا ترفع الايدي الا في سبع مواطن الخ“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سوائے سات جگہ کے ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع ذکر کی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف حدیث ذکر کی۔ بزار نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک جگہ مرفوع اور دوسری جگہ موقوف ذکر کی۔ شہقی اور مستدرک حاکم میں دونوں راویوں سے مرفوع حدیث مذکور ہے۔

### مقام توجہ:

یہی حدیث ”لا ترفع الايدي الا في سبع مواطن“ ہاتھ سوائے سات جگہ کے نہ اٹھائے جائیں۔ بخاری نے اپنی تالیف ”جزء رفع الیدین“ میں ذکر کی ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ بخاری نے دونوں راویوں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث ذکر کی ہے۔

### مقام تعجب یا مقام افسوس:

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری کسی حدیث کو اپنی کتاب



الجامع الصحيح للاحكام لعنى بخارى ميں ذكر كرىں تووه يار لوگوں كو قبول هو جائے اور اكر وهى بخارى اپنى كتاب "جزء رفع اليدين" ميں ذكر كرىں تووه قبول نه هو سبحان الله كسى تعجب كى بات هے كه مرضى كى بات كو تسليم كر ليا جائے اور جونہ پسند آئے اسے چھوڑ ديا جائے اس پر جتنا بهى افسوس كيا جائے كم هے۔

مصنف ابن ابى شيبه سے چند احاديث اور صحابه كرام كا عمل ديكھئے!

(باب من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لا يعود)

"عن البراء بن عازب ان النبى ﷺ كان اذا افتتح الصلوة

رفع يديه ثم لا يرفعهما حتى يفرغ"

حضرت براء بن عازب رضى الله عنه فرماتے هیں بيٹك نبى كريم ﷺ جب نماز كو شروع فرماتے تو رفع يدين كرتے پھر آپ نے نماز كے فارغ هونے تك كبهى رفع يدين نهىں كيا۔

"عن علقمة عن عبد الله قال الا ليكم صلوة رسول الله ﷺ

فلم يرفع يديه الا مرة"

حضرت علقمة فرماتے هیں كه حضرت عبد الله رضى الله عنه نے فرمايا كيا ميں تمهیں رسول الله ﷺ كى نماز پڑھ كر نه دکھاؤں؟ (تو آپ نے نماز پڑھ كر دکھائى) تو صرف پہلى مرتبه هاتھ اٹھائے پھر آپ نے هاتھ نهىں اٹھائے۔

"عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يديه اذا

افتتح الصلوة ثم لا يعود"

عاصم بن كليب اپنے باپ سے روايت كرتے هیں كه بيٹك

حضرت على المرتضى رضى الله عنه اپنے هاتھوں كو اٹھاتے تھے جب



آپ نماز شروع کرتے تھے پھر آپ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے۔  
 ” عن ابراهیم عن عبد الله انه كان يرفع يديه في اول ما  
 يستفتح ثم لا يرفعهما “

حضرت ابراہیم (نخعی) فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ (بن  
 مسعود) رضی اللہ عنہ نماز کو جب شروع کرتے تھے تو ہاتھ اٹھاتے  
 تھے اس کے بعد پھر آپ کبھی بھی اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔  
 ” عن اشعث عن الشعبي انه كان يرفع يديه في اول التكبير ثم  
 لا يرفعهما “

حضرت اشعث کہتے ہیں کہ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ شروع  
 میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر آپ نے کبھی اپنے  
 ہاتھ نہیں اٹھائے۔

” عن حصين ومغيرة عن ابراهيم انه كان يقول اذا كبرت في  
 فاتحة الصلوة فارفع يدك ثم لا ترفعهما فيما بقي “  
 حضرت حصین اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت  
 ابراہیم (تحمی) رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب تم نماز کے شروع میں  
 تکبیر کہو تو ہاتھ اٹھاؤ پھر باقی نماز میں کہیں بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

” عن ابى اسحاق قال كان اصحاب عبد الله واصحاب علي  
 لا يرفعون ايديهم الا في افتتاح الصلوة قال وكيع ثم لا يعودون “  
 ابو اسحاق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) اور  
 حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصحاب سوائے نماز کے شروع کے  
 کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور حضرت وکیع نے (اور وضاحت  
 سے) کہا ”ثم لا يعودون“ پھر وہ رفع یدین کو نہیں لوٹاتے تھے۔



” عن طلحة عن خيثمة و ابراهيم قال كانا لا يرفعان ايديهما  
الا في بدء الصلوة “

حضرت طلحہ سے مروی ہے کہ حضرت خيثمة اور حضرت ابراهيم  
رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھ سوائے نماز کی ابتداء کے کہیں نہیں اٹھاتے تھے  
” عن اسمعيل قال كان قيس يرفع يديه اول ما يدخل في  
الصلوة ثم لا يرفعهما “

اسماعیل نے کہا کہ قیس نماز کو جب شروع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے پھر  
اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

” عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال لا ترفع الايدي الا في  
سبع مواطن اذا قام الى الصلوة واذا رأى البيت وعلى الصفا  
والمروة وفي عرفات وفي جمع وعند الجمار “  
حضرت سعيد بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس  
رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اپنے ہاتھوں کو سوائے سات مقاموں  
کے نہ اٹھاؤ (وہ سات مقام یہ ہیں) جب نماز کے لئے کھڑے ہو اور جب  
بیت اللہ کو دیکھو اور صفا اور مروہ پر اور عرفات میں اور مزدلفہ  
میں اور جمرات کو کنکریاں مارتے وقت

” عن سفیان بن مسلم الجهني قال كان ابن ابي ليلى يرفع  
يديه اول شيء اذا كبر “

سفیان بن مسلم جھنی سے روایت ہے کہ ابن ابی لیلی رضی اللہ عنہ  
جب پہلی تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔

” عن مجاهد قال ما رأيت ابن عمر يرفع يديه الا في اول ما يفتح “  
مجاہد سے روایت آتی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر



رضی اللہ عنہما کو سوائے تکبیر افتتاح کے کہیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

”عن جابر عن الاسود وعلقمة انهما كانا یرفعان ایدیہما اذا افتحائتم لا یعودان“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت اسود اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھ صرف نماز کے شروع میں اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

”عن الاسود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیہ فی شیء من صلواتہ الا حین افتح الصلوۃ قال عبد المالك ورایت الشعبي و ابراهیم و ابا اسحق لا یرفعون ایدیہم الا حین یفتحون الصلوۃ“

حضرت اسود نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے نماز کی شروع والی تکبیر کے بغیر کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے عبد الملک نے کہا میں نے شعبی ابراہیم اور ابو اسحق رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ اپنے اپنے ہاتھ سوائے نماز کے شروع کے کہیں نہیں اٹھاتے تھے۔

**تنبیہ:** مصنف ابن ابی شیبہ میں تمام احادیث کی مکمل اسناد کو ذکر کیا گیا ہے میں نے طوالت سے بچتے ہوئے صرف آخری آخری راوی کو ذکر کر دیا۔ جو احادیث مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہیں ان پر انصاف سے نظر کریں تو واضح ہو جائے گا کہ رفع یدین نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین نے چھوڑ دیا تھا لہذا رفع یدین کی احادیث کا منسوخ ہونا واضح ہو گیا۔

**اعتراض:** مصنف ابن ابی شیبہ سے وہ باب تم نے نقل کر دیا جس میں رفع



یدین سے منع کیا گیا ہے اور وہ باب جو اس سے پہلے ہے ”من کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ“ اس میں ۱۰ احادیث بھی مذکور ہیں جن میں رکوع کے وقت رفع یدین ثابت ہے۔ ان حدیثوں کو نقل نہ کرنے سے تو پتہ چلتا ہے کہ رفع یدین کے ثبوت کو جان بوجھ کر چھپایا جا رہا ہے۔

**جواب:** یہ اعتراض تو آپ کا اس وقت درست ہوتا جب میرا دعویٰ یہ ہوتا کہ نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام نے زندگی بھر کبھی رفع یدین کیا ہی نہیں یہ تو میں نے کبھی کہا ہی نہیں میں تو اپنا دعویٰ اس بحث کے شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے پہلے رفع یدین کیا پھر چھوڑ دیا۔ اب رفع یدین والی حدیثیں منسوخ ہیں اگرچہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔

اس سے پہلے رفع یدین والی حدیثوں کو میں ذکر کر چکا ہوں بفضلہ تعالیٰ ہم نے کبھی مسئلہ کو نہ چھپایا اور نہ ہی توڑ موڑ پر پیش کیا اور نہ ہی کبھی اس طرح بیان کیا کہ اپنی طرف سے من گھڑت طور پر پیش کریں جس کا وجود ہی نہ ہو اور اس کا اتہ پتہ ہی نہ ملے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کا اعتراض میرے موقف کی ہی تائید کر رہا ہے کیونکہ تقریباً اکثر محدثین نے یہی طریقہ استعمال کیا ہے کہ پہلے وہ باب ذکر کیا جن میں رفع یدین کا ذکر ہے اور پھر وہ باب ذکر کئے جن میں رفع یدین کی ممانعت ہے محدثین کی یہ ترتیب ہی بتا رہی ہے کہ رفع یدین پہلے تھا بعد میں منع کر دیا گیا۔



مصنف ابن ابی شیبہ کی ترتیب کا تو تم نے خود ہی اعتراض میں اقرار کر لیا ہے آئیے ایک دو اور مثالیں دیکھتے ہو دو اود سے میں نے ایک حدیث پہلے بیان کر کے عنوان کا حوالہ بھی دیا ہے اسی کی ترتیب دیکھتے۔

پہلے ذکر کیا گیا ”باب رفع الیدین“ رفع یدین کے باب کے بیان میں۔ اس کے بعد ذکر کیا گیا ”باب من لم یذکر الرفع عند الركوع“ رفع یدین کے رکوع میں ذکر نہ ہونے کا بیان۔

اس کے بعد ترمذی کی ترتیب کو دیکھتے انہوں نے بھی رفع یدین والی حدیثوں کو پہلے ذکر کیا اور رفع یدین کے ترک کرنے کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ ترمذی کے نئے نسخوں میں رفع یدین نہ کرنے والی حدیث پر عنوان قائم نہیں کیا گیا لیکن راقم کے آباء واجداد بفضلہ تعالیٰ عالم دین چلے آرہے ہیں ہمارے خاندان کے ایک بزرگ عالم دین قاضی برہان لدین حطاروی چکوالی کے شاگردوں میں عظیم المرتبہ سید الاولیاء حضرت پیر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں میں نے اپنے آباء واجداد کے ایک ترمذی کے قلمی نسخہ کو دیکھا جس میں رفع یدین کے چھوڑنے والی حدیث پر یہ عنوان قائم کیا گیا ہے ”باب من لم یرفع یدیه الا فی اول مرة“ باب اس بیان میں کہ سوائے اول مرتبہ کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے گئے۔

افسوس کہ پہلے بھی آباء واجداد کی یادگار پرانی کتب بہت کم راقم کے ہاتھ آئیں لیکن وہ بھی چند ماہ قبل دیمک نے برباد کر دیں پتہ اس وقت چلا جب بانی سر سے گذر گیا تھا بڑا قیمتی سرمایہ ضائع ہو گیا اصل مسئلہ کی طرف پھر سے



توجہ کریں خصوصاً نسائی میں عنوانات کی اتنی پیاری ترتیب رکھی گئی جس سے معمولی علم رکھنے والا بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ ہاں واقعی رفع یدین کا حکم منسوخ ہے نسائی کے عنوانات کی ترتیب ”باب رفع الیدین عند الرفع من الركوع“ رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر۔ اس کے بعد ذکر کیا ”باب رفع الیدین حد وفروع الاذنین عند الرفع من الركوع“ رکوع سے سر اٹھاتے وقت کانوں کے اوپر حصہ تک ہاتھوں کے اٹھانے کا ذکر۔ اس کے بعد ”باب رفع الیدین حد والمنکبین عند الرفع من الركوع“ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانے کے بیان میں (خیال رہے کہ کانوں تک اور کندھوں تک ہاتھ اٹھانا کوئی بھی منسوخ نہیں پہلے ذکر ہو چکا ہے) پھر ذکر کیا ہے الرخصة فی ترک ذلك رفع یدین کو چھوڑنے کی رخصت کا بیان۔ یہاں سے بھی واضح ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے۔

اسی طرح نسائی میں سجود کے وقت رفع یدین کا عنوان ان الفاظ سے قائم کیا گیا ہے باب رفع الیدین للسجود سجدہ کے لئے رفع یدین کے بیان میں اس کے بعد عنوان قائم کیا ترک رفع الیدین للسجود سجدہ میں رفع یدین کو چھوڑنے کے بیان میں۔ اس سے بھی واضح ہوا کہ سجدہ کے وقت رفع یدین منسوخ ہے۔

پھر یہ ذکر کیا باب رفع الیدین عند الرفع من السجدة الاولى پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہو رفع یدین کا بیان پھر بیان کیا ترک ذلك بين السجدين دو سجدہ کے درمیان رفع یدین کے چھوڑنے کے بیان میں نسائی کی



عجیب شاندار ترتیب کو دیکھ کر بھی کسی کو رفع یدین کا منسوخ ہونا نہ سمجھ آئے تو اسے اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمائے کہ اسے سمجھ آجائے۔

## جامع المسانید سے رفع یدین کی ممانعت پر احادیث :

” ابو حنیفہ عن طلحة بن مصرف الیامی عن ابراهیم انه قال لا ترفع الایدی الا فی سبعة مواطن “

(جامع المسانید اول ص ۳۵۳)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے طلحہ بن مصرف الیامی سے انہوں نے ابراہیم (نخعی) سے روایت بیان کی کہ سوائے سات مقاموں کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔

تفصیل پہلے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایات میں گذر گئی۔ نماز میں سات مقاموں سے تین ہی ہیں ایک تکبیر تحریمہ کے وقت دوسرا قنوت کے وقت تیسرا عیدین کی تکبیرات کے وقت۔

” ابو حنیفہ عن حماد عن ابراهیم انه قال لا ترفع الایدی فی شی من صلوتک بعد المرة الاولى اخرجہ الامام محمد بن الحسن فی الآثار فرواہ عن ابی حنیفہ ثم قال محمد وبہ ناخذ وهو قول ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ “

(جامع المسانید ج اول ص ۳۵۳)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حماد سے اور حماد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ تم اپنی نماز میں سوائے پہلی مرتبہ کے یعنی سوائے تکبیر تحریمہ کہیں اور ہاتھ نہ اٹھانا۔ اسی روایت کو امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ



نے آثار میں تخریج کیا اور کہا کہ یہ روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہے اس کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے بیان کیا کیا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

**تنبیہ:** ان روایات میں صرف دو دو واسطے ہیں۔ ان میں کوئی راوی ضعیف نہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ (موطاً امام محمد) سے رفع یدین کی ممانعت:

(باب افتتاح الصلوة)

”فاما رفع الیدین فی الصلوة فانه یرفع الیدین حذو الاذنین فی ابتداء الصلوة مرة واحدة ثم لا یرفع فی شیء من الصلوة بعد ذلك وهذا کله قول ابی حنیفة رحمہ اللہ وفی ذلك آثار كثيرة“ نماز میں رفع یدین کا حکم بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہاتھ نماز کی ابتداء میں صرف ایک مرتبہ کانوں کے برابر اٹھائے جائیں اس کے بعد نماز میں کہیں بھی ہاتھ نہ اٹھائے جائیں یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور اس میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔

”قال محمد اخبرنا محمد ابن ابان بن صالح عن حماد عن ابراهیم النخعی قال لا ترفع یدیک فی شیء من الصلوة بعد التکبیرة الاولى“

امام محمد نے فرمایا ہمیں محمد بن ابان بن صالح نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم نخعی سے احادیث بیان کی کہ انہوں نے کہا تم اپنی نماز میں سوائے پہلی تکبیر کے کہیں ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

”قال محمد اخبرنا محمد ابن ابان بن صالح عن عاصم بن



کلیب الجرمی عن ابیه قال رأیت علی ابن ابی طالب رفع یدیه  
فی التکبیرة الاولی من الصلوة المکتوبة ولم یرفعهما فیما  
سوی ذلك

(هو اثره صحیح اختلف فی رفعه وقفه اوجز المسالك)

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہمیں محمد بن لبان بن صالح نے عاصم بن  
کلیب جرمی سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ  
انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرض نماز ادا  
کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر  
کہیں نہیں اٹھائے اس کی سند صحیح ہے صرف اس کے مرفوع ہونے  
یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

” قال محمد اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن عبد العزيز  
بن حكيم قال رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء اذنيه في اول  
تكبيرة افتتاح الصلوة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك “

(قال اليموي تبع لابن التركماني اسناده صحيح اوجز المسالك)

عبد العزيز بن حكيم کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا  
آپ نے نماز کے شروع میں پہلی تکبیر کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھایا  
اس کے بعد کہیں نہیں ہاتھوں کو اٹھایا۔

” قال محمد اخبرنا الثوري حدثنا حصين عن ابراهيم عن ابن  
مسعود انه كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة “

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت عبد اللہ بن  
مسعود رضی اللہ عنہ نماز کو جب شروع کرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو  
اٹھاتے تھے۔ (اس کی سند صحیح ہے)۔



## مقام توجہ :

حضرت امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب واضح طور پر سمجھ آ گیا کہ آپ سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کے قائل نہیں تھے امید ہے کہ اب محمد صوفی الکوٹی مصنف صلوة الرسول غیر مقلدوں کے علامہ صاحب کے دھوکہ میں لوگ نہیں آئیں گے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ نے موطاً میں ”ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں“ کی زیر بحث وہ حدیث نقل کی ہے جس میں رفع یدین کا ذکر ہے تو علامہ صاحب نے لوگوں کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بھی رفع یدین کی حدیث کو نقل کر رہے ہیں اس طرح تو راقم نے رفع یدین کے متعلق کئی حدیثیں نقل کی ہیں کیا اس سے کسی کا مذہب ثابت ہو جاتا ہے۔

## بخاری کی حدیث جس میں رفع یدین کا ذکر نہیں :

” عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا مع نفر من اصحاب النبي ﷺ فذكرنا صلوة النبي ﷺ فقال ابو حميد الساعدي انا كنت احفظكم لصلوة رسول الله ﷺ رأيتہ اذا كبر جعل يديه حذو منكبيه واذا ركع امكن يديه من ركبتيه ثم هصر ظهره فاذا رفع رأسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه واذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة فاذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته “

(بخاری ج اول باب سنة الجلوس في التشهد)



محمد بن عمر بن عطاء کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ہم نے نبی کریم ﷺ کی نماز کا ذکر کیا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم تمام سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں کیونکہ مجھے زیادہ یاد ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے تکبیر کہی اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کیا جب آپ نے رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا پھر اپنی پیٹھ کو برابر کیا پھر آپ نے سر اٹھایا سیدھے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار پکڑ گیا پھر آپ نے سجدہ کیا آپ نے ہاتھوں کو رکھا نہ ہاتھوں کو پھایا نہ پکڑا اپنے پاؤں کی انگلیوں کی طرفوں کو قبلہ کی طرف کیا اور جب آپ دو رکعتوں پر بیٹھے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دوسرے پاؤں کو کھڑا کیا اور اپنی مقعد پر بیٹھے۔ (یعنی مقعد کو بائیں پاؤں پر رکھا)۔

اس حدیث پاک میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا صرف شروع میں رفع یدین کو ذکر کیا بعد میں کوئی رفع یدین کا ذکر نہیں۔ اس حدیث میں جب رفع یدین کا ذکر نہیں تو پتہ چلتا ہے رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر رفع یدین ہوتا تو صحابی رسول اللہ ﷺ ضرور ذکر کرتے جبکہ وہ ذکر ہی نبی کریم ﷺ کی نماز کا کر رہے تھے کیا انہوں نے ادھر اذکر کر کے کہہ دیا کہ حضور اس طرح نماز پڑھتے تھے؟ نہیں بلکہ مکمل نماز کا ذکر کیا۔

**اعتراض:** اس حدیث کو تو علامہ مخاری علیہ الرحمۃ نے جس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اس کا مطلب ہے تشہد میں بیٹھنا سنت ہے اس سے رفع یدین کی نفی کس طرح ثابت ہے۔



**جواب:** یہ دلیل ہی باطل ہے کہ عنوان کے بغیر کوئی اور مسئلہ ہی ثابت نہ ہو جب حدیث پاک میں پہلی مرتبہ تکبیر میں رفع یدین کا ذکر ہے رکوع میں رفع یدین کا ذکر نہیں تو یقیناً حدیث صرف تشہد میں بیٹھنے کے مسئلہ کو ثابت نہیں کر رہی بلکہ رفع یدین کی بھی نفی ثابت ہو رہی ہے میرے خیال میں حدیث پاک پڑھنے والا عام طالب علم بھی یہ سمجھتا ہو گا کہ حدیث پاک میں بعض اوقات کئی مسائل ثابت ہو رہے ہوتے ہیں لیکن عنوان کسی ایک مسئلہ کے مطابق ہوتا ہے

## مسند ابی یعلیٰ سے احادیث رفع یدین کی نفی پر :

”حدثنا اسحقنا وكيع حدثنا ابن ابى لیلی عن الحكم وعيسى عن عبد الرحمن بن ابى لیلی عن البراء ان النبى ﷺ كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه ثم لا يرفع حتى ينصرف“

(مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۲۴۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر آپ اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے۔

”حدثنا اسحق حدثنا هيشم عن يزيد بن ابى زياد عن عبد الرحمن بن ابى لیلی عن البراء قال رأيت رسول الله ﷺ حين افتتح الصلوة كبر ورفع يديه حتى كادتا تحاذيان اذنيه ثم لم يعد“

(مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۲۴۸)

حضرت براء کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع کیا تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کو دوبارہ نہیں اٹھایا۔



” حدثنا اسحق حدثنا ابن ادریس قال سمعت یزید بن ابی زیاد عن ابی لیلی عن البراء قال رأیت رسول اللہ ﷺ رفع یدیه حین استقبل الصلوة حتی رأیت ابهامیه قریبا من اذنیه ثم لم یرفعهما “

(مسند ابی یعلیٰ ج ۳ ص ۲۴۹)

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع فرمایا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کانوں کے قریب کئے پھر آپ نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

ان احادیث سے بھی واضح ہوا کہ حضور ﷺ نے رفع یدین چھوڑ دیا تھا

## مسند امام احمد سے احادیث رفع یدین کی نفی پر:

” حدثنا احمد بن علی بن العلاء ثنا ابو الاشعث ثنا محمد بن بکر ثنا شعبۃ عن یزید بن ابی زیاد قال سمعت ابن ابی لیلی یقول سمعت البراء فی هذا المجلس یحدث قوما منهم کعب بن عجرة قال رأیت رسول اللہ ﷺ حین افتتح الصلوة یرفع یدیه فی اول تکبیرة “

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۳)

ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ میں نے براء سے اس مجلس میں سنا جو ایک قوم کو حدیث بیان کر رہے تھے جن میں کعب بن عجرہ بھی تھے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع فرمایا تو پہلی تکبیر کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔

” عن محارب بن دثار قال رأیت ابن عمر یرفع یدیه کلما رکع وکلما رفع رأسه من الركوع قال فقلت له ما هذا قال



كان النبي ﷺ اذا قام في الركعتين كبر ورفع يديه “

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۶)

مخار بن دثار نے فرمایا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین کر رہے تھے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہے تھے میں نے کہا یہ کیا ہے؟ آپ نے کہانی کریم ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے۔

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کے منسوخ ہونے کے بعد لاعلمی سے رفع یدین کر رہے تھے اسی لئے تعجب سے مخار بن دثار رحمہ اللہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ یعنی تم رفع یدین کیوں کر رہے ہو اگر رفع یدین منسوخ نہ ہو چکا ہوتا تو سوال کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔

**اعتراض:** اس حدیث سے تو یہ سمجھ آ رہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کرتے تھے اور اسے مانتے تھے آپ کو چھوڑنے یا منسوخ ہونے کا تو کوئی ذکر نہیں۔

**جواب:** یہ بات قابل تسلیم ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رفع یدین کے منسوخ ہونے کا کچھ دیر علم نہ ہو سکا لیکن جب علم ہوا آپ نے چھوڑ دیا اگرچہ میں دو حدیثوں کو پہلے ذکر کر چکا ہوں لیکن پھر توجہ فرمائیں۔

” عن عبد العزيز بن حكيم قال رأيت ابن عمر يرفع يديه هذا

حذاء اذنيه في اول تكبيرة افتتاح الصلاة ولم يرفعهما فيما

سوى ذلك “

(موطأ امام محمد باب افتتاح الصلاة)



عبد العزیز بن حکیم رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ نماز کے شروع میں پہلی تکبیر افتتاح میں ہاتھ اٹھا رہے تھے اور بعد میں سوائے پہلی تکبیر آپ نے کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

”عن مجاہد قال ما رأیت ابن عمر یرفع یدیه الا فی اول ما یفتتح“

(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سوائے پہلی تکبیر کے کہیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

”عن مجاہد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیر الاولی“

(طحاوی ج اول ۱۵۵)

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے اپنے ہاتھوں کو کہیں نہیں اٹھایا سوائے پہلی تکبیر کے۔

میرے موقف کی تائید ان الفاظ سے پائی جاتی ہے :

”مجاہد وعبد العزیز توافقا علی روایتہما ان ابن عمر ترک الرفع وافقہما عطیة العوفی“

(اوجز المسالك ج اول ص ۲۰۷)

مجاہد اور عبد العزیز نے اپنی اپنی روایت کے مطابق اس پر اتفاق کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا پھر ان دونوں کے ساتھ عطیہ عوفی نے بھی اتفاق کیا۔



## دارقطنی سے احادیث :

ایک روایت تو میں نے مسند امام احمد سے بروایت احمد بن علی الخ بیان کی وہ دارقطنی جلد اول ص ۲۹۳ میں موجود ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے اسے ذکر نہیں کر رہا۔

” حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد نا محمد بن سليمان ثنا اسمعيل بن زكريا ثنا يزيد بن ابي زياد عن عبد الرحمن بن ابي ليلي عن البراء انه رأى رسول الله ﷺ حين افتتح الصلاة رفع يديه حتى حاذى بهما اذنيه ثم لم يعد الي شيء من ذلك حتى فرغ من صلوته “

(دارقطنی ج اول ص ۲۹۳)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز کو شروع فرمایا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے نماز کے فارغ ہونے تک اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

” حدثنا ابو بكر احمد بن محمد بن اسمعيل نا عبد الله بن ايوب المخرمي نا علي بن عاصم نا محمد بن ابي ليلي عن يزيد بن ابي زياد عن عبد الرحمن بن ابي ليلي عن البراء بن عازب قال رأيت رسول الله ﷺ حين قام الى الصلاة فكبر ورفع يديه حتى ساوى بهما اذنيه ثم لم يعد “

(دارقطنی ج اول ص ۲۹۴)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا



جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ کانوں کے برابر کیا پھر آپ نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

”عن عبد الرحیم بن سلیمان عن ابی بکر النهشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن علی عن النبی ﷺ انه كان يرفع يديه في اول الصلوة ثم لا يعود“

(دار فطنی ج ۴ ص ۱۰۶)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

## مصنف عبد الرزاق سے احادیث :

”عن ابراهیم عن ابن مسعود كان يرفع يديه في اول شيء ثم لا يرفع بعد“

(مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۷۱)

ابراہیم (نخعی) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف نماز کے اول میں ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

”عبد الرزاق عن ابن عیینہ عن یزید عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب مثله وزاد قال مرة واحدة ثم لا تعد لرفعها في تلك الصلوة“

(مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۷۱)

ابن ابی لیلی نے کہا حضرت براء بن عازب سے بھی اسی قسم کی



روایت آتی ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے پھر نماز میں کہیں ہاتھوں کے اٹھانے کا اعادہ نہیں کیا۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کا اپنے خاندان کو جمع کر کے نماز کا طریقہ بتانا :

” عن عبد الرحمن بن غنم ان ابا مالك الاشعري جمع قومه فقال يا معشر الاشعريين اجتمعوا واجمعوا نسائكم وابنائكم اعلمكم صلوة النبي ﷺ صلى لنا بالمدينة فاجتمعوا وجمعوا نسائهم وابنائهم فتوضأ واراھم كيف يتوضأ فاحصى الوضوء الى اماكنه حتى لما ان فاء الفئ وانكسر الظل قام فاذا فصف الرجال في ادنى الصف وصف الولدان خلفهم وصف النساء خلف الولدان ثم اقام الصلوة فتقدم فرفع يديه فكبر فقرا بفاتحة الكتاب وسورة فسرهما ثم كبر فركع فقال سبحان الله وبحمده ثلاث مرار ثم قال سمع الله لمن حمده واستوى قائما ثم كبر وخر ساجدا ثم كبر فانھض قائما فكان تكبيره في اول ركعة ست تكبيرات وكبر حين قام الى الركعة الثانية فلما قضى صلوته اقبل الى قومه بوجهه فقال احفظوا تكبيرى وتعلموا ركوعى وسجودى فانها صلوة رسول الله ﷺ التى كان يصلى لنا كذا الساعة من النهار..... الخ“

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۳)

عبد الرحمن بن غنم کہتے ہیں کہ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کیا کہا اے اشعری قبیلہ کے لوگو ایک جگہ جمع ہو جاؤ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میں تمہیں نبی کریم



ﷺ کی نماز کا طریقہ سکھا دوں (راوی کہتے ہیں) آپ نے ہمیں مدینہ (طیبہ) میں نماز پڑھائی لوگ جمع ہو گئے اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی لوگوں نے جمع کر لیا تھا تو انہوں نے وضوء کیا لوگوں کو دکھایا کہ وضوء کیسے کیا جاتا ہے وضوء کے تمام اندام انہیں بتائے یہاں تک کہ سایہ ڈھل گیا یعنی ظہر کا وقت ہو گیا آپ کھڑے ہوئے اذان کہی، پہلے مردوں کی صف بنوائی، پھر ان کے پیچھے لڑکوں کی پھر ان کے پیچھے عورتوں کی، پھر نماز کے لئے اقامت کہی گئی پھر آپ آگے بڑھے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اللہ اکبر کہا پھر سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک ایک اور سورۃ آہستہ آواز میں پڑھی پھر اللہ اکبر کہا اور رکوع کیا پھر کہا سبحان اللہ وبحمدہ تین مرتبہ پھر سمع اللہ لمن حمدہ پڑھا پھر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر اللہ اکبر کہا پھر سجدہ میں چلے گئے پھر اللہ اکبر کہہ کر اٹھے (دونوں سجدوں میں ایسے ہی کیا) پھر آپ کھڑے ہونے کے لئے اٹھے، آپ کی پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہو گئیں (سب سے پہلی تکبیر تحریمہ، رکوع میں جانے کے لئے، سجدہ میں جانے کے لئے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے، پھر سجدہ میں جاتے ہوئے، پھر سجدہ سے اٹھتے ہوئے) آپ نے دوسری رکعت کی طرف کھڑے ہونے کے لئے تکبیر کہی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میرے تکبیر کہنے (یعنی تکبیر کے مقامات) کو یاد کر لو میرے رکوع اور میرے سجدہ کا علم حاصل کر لو بیشک رسول اللہ ﷺ کی نماز یہی تھی جو آپ نے ہمیں دن کے اس وقت اسی طرح پڑھائی۔



## ذرا غور تو کریں !

انصاف سے حدیث پاک کی طرف توجہ کی جائے ضد و عناد کی عینک کو اتار دیا جائے تو یقینی طور پر یہ بات سمجھ آئے گی کہ جب ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام قبیلہ کو جمع کر کے حبیب کبریا علیہ التحیۃ و الثناء کی نماز کا طریقہ بتایا اور کہا یہی نماز نبی کریم ﷺ کی ہے۔ اس میں رفع یدین نہ کرنا واضح طور پر دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین چھوڑ دیا تھا، ورنہ اس کو بھی بیان کیا جاتا۔ رفع یدین کر کے بتایا جاتا، جب رفع یدین نہیں کیا تو سمجھ آ گیا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے۔

**اعتراض :** رفع یدین کی احادیث کو ہم منسوخ نہیں مانتے بلکہ ایک حدیث سے نبی کریم ﷺ کا تاحیات رفع یدین کرنا ثابت ہے۔ آئیے ہم اپنے دعویٰ پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں :

” عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلوة رفع يدين واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع وكان لا يفعل ذلك في السجود فما زالت تلك صلوته حتى لقي الله تعالى “

(بیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پیغمبر رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور سجدہ میں ایسا نہیں کرتے تھے آپ کی نماز ہمیشہ اسی حال میں رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی دنیا سے تشریف لے گئے)۔



اس حدیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے رفع یدین اپنی ساری زندگی کیا جب ساری زندگی رفع یدین کیا تو منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے۔

**جواب:** سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم جب کوئی حدیث پیش کریں تو اس کے جواب میں تم یہ کہتے ہو کہ حدیث صرف صحاح ستہ سے دکھائیں کونسا وہ صحیفہ آسانی ہے جس نے صحاح ستہ میں صحیح حدیثوں کے بند ہونے کا حکم دیا ہے۔ لیکن افسوس یہ کہ جب تمہیں اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں مشکل درپیش آئے تو کبھی اسماء الرجال کی کتابوں کا سہارا لیتے ہو وہ بھی صرف وہاں تک جہاں تک تم اپنی بات پر ثبوت پیش کر سکو اور کبھی شہقی کی حدیث کا سہارا لیتے نظر آتے ہو۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ کس منہ سے یہ حدیث پیش کر رہے ہو؟ کیا آپ کا یہ حدیث پیش کرنا تمہارے اپنے دعویٰ کے مطابق ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ہم تمہاری طرح ضدی نہیں ہم یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ صحاح ستہ سے ہی حدیث پیش کرو ہم صرف عالمانہ گفتگو کریں گے یہ کہیں گے کہ آپ نے شہقی سے حدیث پیش کی شہقی کی ہر حدیث پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ہم ہر حدیث کو بلا چون و چرا مان لیں گے۔ ہم صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حدیث صحیح یا حسن پیش کرو ضعیف نہ پیش کرو۔ ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے، موضوع حدیث نہ پیش کرو۔ موضوع حدیث دراصل حدیث ہی نہیں ہوتی وہ صرف من گھڑت قول ہوتا ہے۔



## اب ذرا اپنی پیش کردہ حدیث کا حال دیکھیں!

”وہو حدیث ضعیف بل موضوع“

(آثار سنن ص ۲۰۱)

یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔

حدیث کی وجہ ضعف کیا ہے؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ اس حدیث کی سند کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے ایک سند یہ ہے:

”عن الحسن بن عبد اللہ حمدان الرقی ثنا عصمتہ بن محمد

الانصاری ثنا موسیٰ بن عقبہ عن نافع عن ابن عمر“

آگے بیان کیا گیا :

”ورواہ عن ابی عبد اللہ الحافظ عن جعفر عن محمد بن نصر

عن عبد الرحمن ابن قریش بن خزیمہ الهروی عن عبد اللہ بن

احمد الامجی عن الحسن..... الخ“

یعنی حقیقت میں ایک ہی سند ہے کہ ابتداء ابو عبد اللہ حافظ سے

ہو رہی ہے اور انتہاء حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ہو رہی ہے

اس سند میں ایک راوی ہے عبد الرحمن بن قریش اس کے متعلق ذہبی

نے میزان میں ذکر کیا ہے :

”عبد الرحمن بن قریش بن خزیمہ ہروی سکن بغداد اتہمہ

السلیمانی بوضع الحدیث“

عبد الرحمن بن قریش بن خزیمہ ہروی بغداد میں رہا ہے اس

کو سلیمان نے موضوع حدیث بیان کرنے کی تہمت لگائی۔



ایک اور راوی ہے عجمہ بن محمد انصاری اس کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے ”لیس بقوی“ یہ راوی قوی نہیں۔ یحییٰ (بن معین) نے کہا ہے ”کذاب یضع الحدیث“ یہ شخص جھوٹا ہے۔ موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے۔ عقیلی نے کہا ”یحدث بالبواطیل عن الثقات“ باطل حدیثیں بیان کرتا ہے اور ان کو منسوب ثقہ راویوں کی طرف کرتا ہے۔ دارقطنی نے اور اسی طرح کچھ حضرات نے کہا ”متروک“ وہ راوی متروک (چھوڑا ہوا، غیر معتبر) ہے۔

اب آپ خود ہی انصاف سے بتائیں جس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہو کیا وہ دلیل بنانے کے قابل ہے؟ نہیں ایسی حدیث سے کبھی احکام ثابت نہیں ہوتے۔

**اعتراض:** اس طرف تو تم ایک راوی ”عاصم بن کلیب“ سے روایت کرتے ہو وہ بھی ضعیف راوی ہے پھر تم اس کی روایت کو اپنے مدعی پر کیسے دلیل بناتے ہو۔

**جواب:** زبان سے ضعیف کہہ دینا تو کافی نہیں آئیے ذرا جائزہ تو لیں کیا واقعی ایسی بات ہی ہے جو تم نے بیان کی یا کہ وہ قوی ثقہ راوی ہے؟

”عاصم بن کلیب هو عاصم بن کلیب الجرمی الکوفی سمع اباہ وغیرہ ومنہ الثوری وشعبة حدیثہ فی الصلوٰۃ والحج والجهاد“

(اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ)

عاصم بن کلیب جرمی کوفی تابعی ہیں جنہوں نے احادیث اپنے باپ اور کچھ حضرات سے سنیں ان سے حضرت ثوری اور شعبہ



رحمہما اللہ نے نماز حج اور جہاد میں احادیث روایت کی ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ کا ضعیف نہ کہنا تابعین میں ذکر کرنا ثوری اور شعبہ

رحمہما اللہ کا ان سے روایت کرنا ہی ان کے قوی ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

سفیان ثوری کے متعلق تقریب التہذیب کے ص ۱۲۸ میں یہ الفاظ

مذکور ہیں: ثقة، حافظ، فقیہ، عابد، امام، حجة۔

”عاصم بن کلیب بن شہاب مجنون الجرمی صدوق وثقة

هكذا قال يحيى بن معين والنسائي روى له مسلم واصحاب

السنن الاربعة وعلق له البخاري“

(تذكرة القارى)

عاصم بن کلیب سچے اور ثقہ راوی ہیں یحییٰ بن معین اور

نسائی نے کہا مسلم نے بھی ان کی روایت کو بیان کیا ہے اور سنن اربعہ

میں ان کی روایات مذکور ہیں، بخاری نے بھی ان سے تعلیقاً

روایت ذکر کی ہے۔ جو بخاری کی ج ۲ ص ۸۶۸ میں موجود ہے اور

اسے اصح کہا ہے مسلم نے بھی ان کی حدیثوں کو ذکر کیا ہے مسلم

ج ۲ ص ۱۹۷، ج ۲ ص ۳۵۰، ج ۲ ص ۴۱۴ میں یہ احادیث

مذکور ہیں۔

واضح ہوا کہ عاصم بن کلیب علیہ الرحمۃ کو ضعیف کہہ کر رفع

یدین کی نفی والی احادیث سے جان چھڑانے کی ناکام کوشش ہے، ورنہ ان کا ثقہ

اور قوی ہونا معتبر محدثین کے نزدیک ثابت ہے۔



## کسی فقیہ نے رفع یدین نہیں کیا :

” عن ابی بکر عیاش قال ما رأیت فقیہا قط یفعلہ یعنی یرفع یدیه فی غیر التکبیرة الاولی “

(طحاوی)

ابو بکر بن عیاش رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے کسی فقیہ کو سوائے پہلی تکبیر کے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بالکل نہیں دیکھا۔

**اعتراض :** ابو بکر بن عیاش کی روایت کو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا وہ بیان کرتے ہیں ابو بکر بن عیاش ساء حفظہ باخرہ ابو بکر عیاش کا آخری عمر میں حافظ کمزور ہو گیا تھا۔

(فتح الباری ج اول ص ۲۵۷)

لہذا تمہاری یہ روایت ضعیف ہوگی بلکہ جو تم پہلے روایت ذکر کی ہے مجاہد سے اس میں بھی ابو بکر بن عیاش ہیں وہ بھی ضعیف ہے تمہارا یہ کہنا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رفع یدین چھوڑ دیا تھا، ثابت نہیں ہو سکے گا۔

**جواب :**

” و ابوبکر بن عیاش هذا من رواية البخاری ومن مشائخ الثوری وابن المبارک واحمد بن حنبل وغيرهم قال ابن المبارک ما رأیت احدا اسرع الی السنة من ابی بکر بن عیاش “

(اوجز المسالك ج اول ص ۲۰۷)

ابو بکر بن عیاش سے بخاری نے روایات بیان کی ہیں (اور مسلم نے بھی) اور یہ سفیان ثوری، ابن مبارک اور احمد بن حنبل وغیرہ کے شیخ تھے ابن مبارک نے کہا میں سنت پر عمل کرتے ہوئے کسی ایک کو



ابو بکر بن عیاش سے زیادہ جلدی کرنے والا نہیں پایا۔

علامہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ ”آخر عمر میں ان کا حافظہ کم ہو گیا تھا“ دلالت کر رہا ہے کہ ان کی پہلی تمام روایات معتبر ہیں اسی لئے بخاری اور مسلم نے ان سے روایات کو ذکر کیا ہے۔

اگر یہ دونوں روایات کو کوئی ضعیف کرنے کی کوشش کرے گا تو اس پر لازم ہو گا کہ وہ تاریخ بیان کرے کہ یہ روایات ان کی حافظہ کی کمی کے زمانہ کی ہیں۔ جب یہ کوئی نہیں بیان کر سکتا تو صرف رفع یدین ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور راویوں کو من گھڑت طور پر ضعیف ثابت کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

## عشرہ مبشرہ نے رفع یدین نہیں کیا :

” وفي البدائع روى عن ابن عباس انه قال العشرة الذين شهد لهم رسول الله ﷺ بالجنة ما كانوا يرفعون ايديهم الا في افتتاح الصلوة “

(عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۲۷۲)

بدائع صنائع میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کو ذکر کیا گیا ہے کہ بیشک وہ دس صحابہ کرام جن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی وہ اپنے ہاتھوں کو سوائے پہلی تکبیر کے نہیں اٹھاتے تھے۔

## عشرہ مبشرہ کے اسماء گرامی :

وہ دس صحابہ کرام جن میں سے ایک ایک کا نام لے کر نبی کریم ﷺ



نے ان کو جنتی کہا وہ جلیل القدر، خوش قسمت جنت کی خوشخبری حاصل کرنے والے یہ حضرات ہیں :

- |   |  |   |                      |
|---|--|---|----------------------|
| ☆ | حضرت ابو بکر صدیق                      | ☆ | حضرت عمر فاروق       |
| ☆ | حضرت عثمان غنی                         | ☆ | حضرت علی مرتضیٰ      |
| ☆ | حضرت طلحہ بن عبید اللہ                 | ☆ | حضرت زبیر بن العوام  |
| ☆ | حضرت عبدالرحمن بن عوف                  | ☆ | حضرت سعد بن ابی وقاص |
| ☆ | حضرت سعید بن زید                       |   |                      |
| ☆ | حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم |   |                      |

(ترمذی ابن ماجہ مشکوٰۃ باب مناقب العشرة)

**اعتراض :** علامہ فیروز آبادی نے کہا ہے کہ عشرہ مبشرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے تاحیات رفع یدین ثابت ہے جب عشرہ مبشرہ رسول اللہ ﷺ کا رفع یدین بیان کر رہے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کا اپنا عمل اس کے خلاف ہو۔

**جواب :** علامہ ہاشم سندھی نے اپنے رسالہ ”کشف الرین“ میں ذکر کیا ہے کہ جو علامہ فیروز آبادی نے سفر السعادة میں ذکر کیا ہے کہ عشرہ مبشرہ سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر رفع یدین کرتے رہے یہ غلط ہے (سراسر جھوٹ، دھوکہ دینے کے مترادف ہے) کیونکہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی اس قسم کی روایت ثابت نہیں تمام دس سے ثابت ہونا تو درکنار اگر کوئی روایت عشرہ مبشرہ سے ہے تو اسے آج تک سامنے کیوں نہیں لایا گیا۔



ہاں یہ خیال رہے کہ شہقی میں ایک روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے جس کو پہلے ذکر کر کے اس کا رد کیا جا چکا ہے۔

غیر مقلدین کی ٹیڑھی سوچ کا اندازہ تو کریں کبھی یہ کہنا ہم تو صرف صحاح ستہ سے حدیث مانیں گے اور کبھی اپنے دلائل میں فیروز آبادی کی سفر السعادة کو پیش کرنا، قارئین کرام خدا را انصاف تو کریں کیا یہی علم ہے؟ کیا یہی عقل و دانش ہے؟

علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدر علامہ بدر الدین عینی ملا علی قاری جیسے جلیل القدر علماء کے اقوال کو بغیر تحقیق کے چشم زدن میں رد کر دینا لیکن اپنے مطلب کی بات اپنے علامہ کی تسلیم کر لینا بلکہ دوسروں کو بھی منوانے کی کوشش کرنا یہ جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی کے ضمن میں علامہ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد کے سفر السعادة سے ایک اور نقل کردہ عبارت کا حال بھی دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ مبالغہ کہاں تک کیا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔

” کثرت این معنی بہ تواتر مانده است و چہار صد اثر و خبر دریں باب صحیح شدہ“

(صلوة الرسول ص ۲۲۵، سفر السعادة)

کثرت روایات کی وجہ سے (تین مواقع پر ثابت شدہ رفع الیدین) متواتر حدیث کے مشابہ ہے اس مسئلہ میں چار سو حدیثیں اور آثار آئے ہیں۔

دور روایتوں کو چار سو بنانا یہ صرف تمہاری ہی شان ہو سکتی ہے اگر خدا کا خوف نہ ہوتا، جھوٹ لعنت نہ ہوتا، جھوٹ ایمان کی قینچی نہ ہوتا، جھوٹ



گناہ کبیرہ نہ ہوتا، جھوٹ کو جائز سمجھ کر جھوٹ بولنا کفر نہ ہوتا، تو راقم بھی عربی یا فارسی عبارت سے یہ پیش کر دیتا کہ رفع یدین کی ممانعت میں چار لاکھ حدیثیں آئی ہیں، صرف زبانی دعویٰ تو کافی نہیں ذرا وہ چار سو روایات ثابت کر کے تو دکھائیں؟ تمہاری کتاب کو پڑھنے والے جملاء تو تمہارے دام فریب میں آسکتے ہیں اہل علم پر دھوکہ کا جال کام نہیں کر سکتا۔

## غیر مقلدین کے عجیب دلائل:

کبھی تو مولوی عبدالحی لکھنوی کے عبارات کو پیش کریں گے ان کی عبارات کو بطور دلیل پیش کرنا کیسے؟ انہوں نے تحریری طور پر بہت کام کیا ہے محنت کی ہے لیکن وہ کوئی محقق نہیں تھے، پختہ عمر سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے جہاں بھی وہ اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہیں ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

غیر مقلدین کبھی غنیۃ الطالبین کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ آج تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا یہ کتاب کس کی ہے کیا کسی عام عبد القادر نام کی ہے یا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی پھر یہ بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں آپ کی کتاب ہے وہ بھی کہتے ہیں اصل کتاب نہیں بلکہ اس میں کئی زیادتیاں پائی گئیں اور کہیں عبارات کو کم کر دیا گیا۔ ایسی کتاب جس میں اتنا شدید اختلاف پایا گیا ہے وہ بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں۔

اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ کتاب بعینہ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے تو پھر بھی وہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ آپ



حنبلی تھے حنفی نہیں تھے تقویٰ، زہد اور چیز ہے اجتہاد اور چیز ہے آپ مجتہد نہیں  
ہے بلکہ مقلد تھے اور مقلد بھی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے۔

غیر مقلدین کبھی فقہ کی کتاب در مختار سے عبارت پیش کرتے ہیں کہ  
”رفع یدین سے نماز فاسد نہیں ہوتی“ لہذا معلوم ہوا کہ حنفیوں کی معتبر کتاب  
سے رفع یدین ثابت ہے۔

سبحان اللہ کیسی دلیل : احناف کی شان کو ہی نہ سمجھا کہ احناف حق  
کہنے کے قائل ہیں مسئلہ یہ بیان ہوا کہ رفع یدین ہمارے نزدیک ثابت نہیں  
لیکن اگر کوئی رفع یدین کر ہی لے تو نماز اس کی ٹوٹے گی نہیں کیونکہ ائمہ کا  
اختلاف ہے، اس سے رفع یدین کا ثبوت کیسے مل گیا؟

آخری دلیل (مکہی گل مکادیواں) :

امام اعظم، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث  
سے اپنے مذہب کو قائم کیا ان کو ضعیف کہنا اور ثابت کرنا کسی غیر مقلد سے  
ثابت ہی نہیں ہو سکتا جن راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے احادیث کو  
ضعیف کہا جاتا ہے وہ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ  
نے ان احادیث کو دلیل مانا ایک راوی کے پیدا ہونے سے پہلے وہ حدیث ضعیف  
کیسے ہو گئی؟

وجہ اصل یہ ہے کہ حدیث کی تمام کتابوں کے مؤلف حدیثوں کو جمع  
کرنے والے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پیدا ہوئے ان کو حدیثیں زیادہ



واسطوں سے ملی ہیں ان میں کوئی راوی ضعیف بھی ہوتا ہے اگر انصاف کرنا ہو تو اس راوی کا سن پیدائش اور سن وفات دیکھا جائے پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ دیکھا جائے اور اندازہ کیا جائے کہ یہ راوی اس وقت پیدا ہوا تھا یا نہیں اگر پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو اس کی وجہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کیسے ضعیف ہو گئی۔

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اور مکالمہ :

”اجتمع الامام ابو حنیفة مع الاوزاعی بمكة فی دار الحناتین فقال الاوزاعی مالکم لا ترفعون ایدیکم عند الركوع والرفع منه فقال لاجل انه لم یصح عن رسول الله ﷺ فیہ شیء ای لم یصح معنی اذ هو معارض والافاسنادہ صحیح فقال الاوزاعی کیف لا یصح وقد حدثنی الزهری عن سالم عن ابیه ابن عمر ان رسول الله ﷺ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوة وعند الركوع وعند الرفع منه فقال ابو حنیفة حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن عبد الله بن مسعود ان النبی ﷺ کان لا یرفع یدیہ الا عند الافتتاح ثم لا یعود فقال الاوزاعی احدثک عن الزهری عن سالم عن ابیه وتقول حدثنی حماد عن ابراهیم فقال ابو حنیفة کان حماد افقه من الزهری وکان ابراهیم افقه من سالم وعلقمة لیس بدون ابن عمر فی الفقه وان کان لابن عمر صحبة فله فضل صحبة فالاسود له فضل کثیر وعبد الله عبد الله فرجح بفقه الرواة کما رجع الاوزاعی بعلو الاسناد وهو ای الترجیح بالفقه“

(مرقاۃ ج ۲ ص ۲۵۶)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ میں مقام دار



المخاطبين میں اکٹھے ہو گئے تو اوزاعی نے کہا تم رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کیوں نہیں کرتے امام اعظم رحمہ اللہ نے جو لہدیا کہ رفع یدین کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے اس درجہ کا نہیں جو رفع یدین کی نفی والی روایت سے حاصل ہوتا ہے یعنی رفع یدین کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت نہیں اوزاعی نے کہا کس طرح صحیح ثبوت نہیں جبکہ مجھے زہری نے سالم سے اوپر اور سالم نے اپنے باپ ابن عمر سے روایت بیان کی کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے اور رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ مجھے حماد نے ابراہیم سے اور انہوں نے علقمہ اور اسود سے اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ سوائے پہلی تکبیر کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اوزاعی نے کہا میں تمہیں حدیث زہری اور سالم کے واسطہ سے ابن عمر سے بیان کر رہا ہوں تم کہہ رہے مجھے حماد نے ابراہیم کے واسطہ سے اور ان کو علقمہ اور اسود کے واسطہ سے عبد اللہ بن مسعود سے حدیث حاصل ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حماد، زہری سے زیادہ فقیہ ہیں ابراہیم نخعی، سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور علقمہ حضرت ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں اگرچہ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ ابن عمر کو شرف صحابیت حاصل ہے اور اس وجہ سے وہ افضلیت کے مالک ہیں اور اسود بھی بہت بڑی فضیلت کے



مالک ہیں عبد اللہ بن مسعود تو عبد اللہ ہی ہیں یعنی ان کا مرتبہ تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔

اوزاعی نے یہ سمجھا تھا کہ میری روایت دو واسطوں سے ہے اور ان کی سن واسطوں سے لہذا میری روایت قوی ہے لیکن امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث کی قوت کا دار و مدار واسطوں کے کم ہونے پر نہیں بلکہ راوی کے زیادہ فقیہ ہونے پر ہے۔ جب راوی فقہ میں بلند مرتبہ رکھتے ہوں۔ بیشک ایک واسطہ بڑھ بھی جائے تو وہ حدیث قوی ہوگی اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ ساد، ابراہیم نخعی، علقمہ اور اسود رحمہم اللہ سب ہی تابعین میں سے ہیں اس لحاظ پر بھی واسطوں کی زیادتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

## رفع یدین میں ائمہ کا اختلاف :

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ابھی تک جو مسلک واضح کیا جا چکا ہے کہ پرفع یدین نہیں کرتے تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ وہ بھی رفع یدین کے قائل نہیں تھے :

” وقال مالك لا اعرف رفع اليدين في شيء من تكبير الصلوة  
لا في خفض ولا في رفع الا في افتتاح الصلوة“

(اوجز المسالك، المدونة الكبرى)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نماز کی تکبیروں میں کہیں بھی رفع یدین ہو رفع یدین نہ نیچے جاتے ہوئے ہے اور نہ اوپر سر اٹھاتے ہوئے، رفع یدین صرف پہلی تکبیر کے وقت ہے۔



## اہل علم حضرات کی توجہ کے لئے :

انسان اگر معمولی علم بھی رکھتا ہو تو بات اسے سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آئے گی کہ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ ہی پہلے ہیں۔ کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ تابعی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ تبع تابعی ہیں۔ جن حضرات نے صحابہ کرام یا تابعین کا زمانہ پایا ان کو رفع یدین کی ممانعت پر صحیح احادیث مل گئیں۔ انہوں نے رفع یدین نہیں کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل ان کے بھائی بعد میں ہیں ان تک جب احادیث پہنچیں تو بعض اور راہوں کا بھی اضافہ ہوا جن پر ان کو اعتماد نہیں ہوا تو انہوں نے رفع یدین کا قول کر دیا۔

در اصل یہ اختلاف اساتذہ اور تلامذہ کا ہے۔ دلائل بھی رفع یدین کے ثبوت یا نفی پر ان حضرات کے ہی ہیں یہ بچارے غیر مقلدین تو تیرہ سو سال بعد میں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے مقلدین کے دلائل کو اپنی طرف منسوب کرنے لگ گئے۔ آسان لفظوں میں یوں سمجھیں کہ غیر مقلدین اپنے دلائل میں مقلدین کے محتاج ہیں۔ کاش کہ شوافع اور حنابلہ کی کتب سے ہٹ کر کوئی دلیل تو قائم کر کے دکھائیں۔

## احناف کی حق گوئی :

احناف کا مسلک بالکل واضح، روز روشن کی طرح چمکدار ہے، اس میں



کوئی گردوغبار نہیں کہ رفع یدین منسوخ ہے ، رفع یدین ماننے والے بھی سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کو منسوخ مانتے ہیں تو صرف رکوع میں رفع یدین پر زور کیوں؟ لیکن پھر بھی احناف یہ کہتے ہیں کہ جب رفع یدین میں اختلاف صحابہ کرام، تابعین کے زمانہ سے آرہا ہے اور ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے تو یہ فروعی اختلاف ہے اعتقادی اختلاف نہیں۔

رفع یدین کرنے سے نماز میں فساد لازم نہیں آتا اور رفع یدین کو ماننے والے واجب تو کیا نسخ کے بعد سنت اور مستحب بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

لیکن پھر بھی اگر کوئی رفع یدین کرے تو اسے صرف رفع یدین کی وجہ سے مورد طعن و تشنیع نہ بنایا جائے حق مذہب کی یہی دلیل ہے کہ وہ آئے دن اشتہار چھاپ چھاپ کر اپنے مذہب کا پرچار نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں ہمارا مذہب حق ہے، لوگوں کو اس کا علم ہے۔

باطل مذہب والے کبھی پیسہ دے کر اپنا بناتے ہیں، کبھی اشتہار چھاپ چھاپ کر اپنے باطل مذہب کو حق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

پاکستانی مسلمان خود فیصلہ کریں :

میں پاکستان کے مسلمانوں سے صرف اتنا سوال کرتا ہوں کہ آج سے تیس سال پہلے کیا پاکستان میں مسلمان نہیں تھے؟ کیا پاکستان میں اہل علم نہیں تھے؟ جب مسلمان بھی تھے، علماء بھی تھے، دین بھی تھا، تو یہ فتنے کیوں



نہیں تھے؟ اس لئے کہ اس وقت سعودیہ سے غیر مقلدین وہابیوں کو پیسہ نہیں ملتا تھا، اشتہار بازی اور، فتنہ بازی نہیں تھی، آج غیر ملکی پیسہ نے دینی لوگوں کو لڑانا شروع کر دیا، شدید سیاسی اختلاف بھی غالباً اسی کا ہی حصہ ہیں۔

رفع یدین کا مسئلہ ابھی تک واضح کیا گیا، مقصد کسی کو منوانا نہیں اور نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے نبی کریم ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر جادو کہہ دیا گیا تو میری تحریر سے کوئی اپنے مسلک کو نہیں چھوڑے گا، صرف اپنے اہل سنت و جماعت حنفی بھائیوں کو کچھ سمجھ آجائے ان غیر مقلدین سے بچے رہیں تو یہ بھی ایک غنیمت ہے۔

رفع یدین کی بحث کو ختم کرنے کے بعد چند اور چیزوں کے اضافہ کی ضرورت درپیش آئی۔ تو انہیں شامل کیا جا رہا ہے۔

علامہ صادق سیالکوٹی کی ایک دلیل کا جواب :

وہ رفع یدین کی حدیث کو نقل کرنے کے بعد ایک علمی نقطہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے ”کان یصلی“ جو استمرار کے لئے آتا ہے جس کے معنی ہیں کہ حضور ہمیشہ کرتے تھے ”کان یرفع“ کے الفاظ میں بھی استمرار یعنی ہمیشگی پائی جاتی ہے کہ حضور ساری عمر رفع الیدین کرتے رہے۔ ”زاد المعاد اور تلخیص میں ہے ”فما زالت تلك صلواته حتى لقی الله تعالى“ کہ حضور تاوفات رفع الیدین کرتے رہے۔



آئیے علامہ صاحب کے علمی کمال کو دیکھئے، آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کان جب مضارع پر داخل ہو تو ماضی استمراری بن جاتا ہے۔ ماضی استمراری زمانہ ماضی میں کسی کام کے جاری رکھنے پر دلالت کرتی ہے، دوام پر نہیں۔ جیسے میں کہوں ”کنت اتعلم“ میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ میں طالب علم رہا، کیا اس کا یہ معنی ہے کہ میں عمر بھر دینی مدارس میں متعلم ہی رہا، جب کہ تعلیم بحیثیت متعلم ہونے کے آٹھ سالوں پر مشتمل ہے۔

علامہ صاحب کے متعلق میں کہوں ”کان یصنف صلوة الرسول“ وہ اپنی کتاب صلوة الرسول تصنیف کرتے رہے۔ کیا اس کا یہ معنی ہے کہ وہ عمر بھر یہی کرتے رہے۔

نبی کریم ﷺ کی نماز کا بھی یہی مقصد ہے کہ آپ اس طرح نماز پڑھتے رہے۔ آپ نماز میں ہاتھ اٹھاتے رہے۔ عمر بھر کی قید جناب کی اپنی ہے۔ کوئی صاحب علم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔

خصوصاً اگر ماضی استمراری کے متعلق یہ قانون ذہن میں ہو کہ ماضی استمراری کا ترجمہ کرتے وقت ”تا تھا“ یا ”رہا تھا“ آتا ہے تو خود ہی واضح ہو جائے گا کہ حضور ﷺ ایسا کرتے تھے، کرتے رہے تھے۔ جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

**اعتراض :** رفع یدین تو صرف اہل کوفہ میں سے چند لوگ نہیں کرتے رہے، اہل مدینہ نبی کریم ﷺ کی نماز کو زیادہ جانتے تھے ان کا قول ہی معتبر ہو سکتا۔



**جواب:** یہ کہنا کہ رفع یدین صرف اہل کوفہ میں چند لوگوں نے نہیں کیا اور باقی سب نے کیا ہے غلط ہے۔ ابھی تک جو بحث کی گئی ہے اس سے واضح ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین نے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اہل کوفہ میں جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین تھے۔ جیسا کہ ترمذی کا قول نقل کیا جا چکا ہے پھر سے دیکھ لیں۔

”وبہ یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ  
والتابعین وهو قول سفیان واهل الکوفة“

(ترمذی)

رفع یدین کو چھوڑ دینے، رفع یدین نہ کرنے کا قول بہت سے اہل علم کا ہے، وہ اہل علم صحابہ کرام اور تابعین ہیں اور یہی قول حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

یہاں غور سے سمجھیں کہ عطف مغائرت پر دلالت کرتا ہے، پہلے مطلقاً ذکر کیا رفع یدین کو ترک کرنے کا قول بہت سے اہل علم کا ہے۔ پھر اس کا بیان ہے کہ وہ اہل علم کون لوگ تھے وہ صحابہ کرام تھے، وہ تابعین تھے، وہ امام سفیان ثوری تھے وہ اہل کوفہ تھے، صرف اہل کوفہ کی بات نہیں شائد آپ کو فرق نہ سمجھ آیا ہو۔ سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو صرف و نحو کی باریکیوں کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

آئیے اہل مدینہ کا رفع یدین نہ کرنا اپنے ہی امام کی زبانی سنئے، کم از کم علامہ ابن قیم کی بات کو تو مان جائیے۔

”قال ابن القيم من اصول مالك اتباع عمل اهل المدينة وان



خالف الحدیث“

(بدائع الفوائد ج ۴ ص ۳۲)

ابن قیم کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اہل مدینہ کی اتباع کرتے تھے اگرچہ وہ بظاہر حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بیان ہو چکا ہے کہ وہ رفع یدین کے قائل نہیں تھے تو خود واضح ہو گیا کہ یہی اہل مدینہ کا عمل تھا۔ اب تمہارا یہ کہنا کہ اہل مدینہ کا قول معتبر ہے وہی ہم نے آپ کے امام کی کتاب سے ثابت کر دیا۔ خدا را اب تو مان جائیے۔





## امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

**احناف کا مسلک:** نماز میں قرأت کا مسئلہ احناف کے نزدیک یہ ہے۔ کہ اگر ایک شخص نماز اکیلے پڑھ رہا ہے، یا وہ امام ہے دوسروں کو نماز پڑھا رہا ہے تو اس شخص کے لئے مطلقاً قرأت فرض ہے۔ یعنی فاتحہ پڑھ لی یا بلور کوئی سورۃ کہیں سے پڑھ لی یا چھوٹی تین آیتیں یا بڑی کوئی آیت پڑھ لی تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔

فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح اور سورۃ ملانا واجب ہے۔ اگر اور کہیں سے قرأت کر لی اور فاتحہ کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو واجب چھوڑ دیا ہے، لہذا نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر فاتحہ کو بھول کر چھوڑ دیا تو نماز سجدہ سو سے درست ہو جائے گی کیونکہ بھول کر واجب کے چھوٹ جانے پر سجدہ سو واجب ہوتا ہے۔ یہی حکم سورۃ کا ہے، فاتحہ پڑھ لی سورۃ نہیں پڑھی جان بوجھ کر تو نماز کو لوٹانا واجب۔ بھول کر نہیں پڑھی تو سجدہ سو واجب۔

## مقتدی کی قرأت کا حکم:

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اسے فاتحہ پڑھنا یا اور کوئی سورۃ پڑھنا منع ہے، امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا سمجھا جائے گا۔

یہ حکم سب نمازوں کا ایک جیسا ہے خواہ امام بلند آواز سے قرآن پاک پڑھ رہا ہو یا آہستہ آواز سے۔



## حناف کے دلائل :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

(ب ۹ اعراف ۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

”ظاہرہ وجوب الاستماع والانصات وقت قراءة القرآن فی الصلوة وغیرھا“

(مدرك)

آیہ کریمہ سے ظاہر طور پر یہ واضح ہو رہا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کی قراءت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے خواہ وہ نماز میں پڑھ رہا ہو یا نماز کے باہر۔

**تنبیہ :** نماز کے باہر قرآن پاک سننے کے واجب ہونے میں اختلاف ہے، بعض نے مستحب قرار دیا ہے، لیکن نماز میں سننے کے واجب ہونے میں اتفاق ہے

”اختلف العلماء فی وجوب الاستماع والانصات علی من هو خارج الصلوة یبلغه صوت من یقرأ القرآن فی الصلوة او خارجها قال البیضاوی عامة العلماء علی استحبابها خارج الصلوة“

(مظہری)

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص نماز ادا نہیں کر رہا وہ نماز پڑھانے والے امام سے یا باہر سے کسی سے تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے یا مستحب، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے



نے فرمایا کہ عام علماء کا یہ قول ہے کہ جو نماز ادا نہیں کر رہا اسے سنا مستحب ہے۔

” و ذکر البغوی عن المقداد انه سمع ناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لكم ان تفقهوا اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما امرکم الله قال البغوی وهذا قول الحسن والزہری والنخعی ان الآیة فی القراءة فی الصلوة خلف الامام“

(مظہری)

امام بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سنا، تو آپ نے نماز سے فارغ ہو کر ان کو کہا کہ ابھی تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ قرآن کو سمجھو، خاموش رہو اور سنو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، علامہ بغوی نے کہا یہی قول حسن (بصری) زہری اور (ابراہیم) نخعی رحمہم اللہ کا ہے کیونکہ آیت کا تعلق امام کے پیچھے نماز میں قرأت سے ہے یعنی امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

” عن یسیر بن جابر قال صلی ابن مسعود فسمع ناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لكم ان تفقهوا اما آن لكم ان تعقلوا واذا قرى القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما امرکم الله“

(تفسیر طبری)

یسیر بن جابر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی لوگ امام کے ساتھ قرآن پڑھ رہے تھے۔ آپ نے



نماز سے فارغ ہو کر کہا، کیا ابھی تک تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو (قرآن کو) کیا ابھی تک تمہیں عقل نہیں آئی؟ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

”فقد اخرج عبد بن حمید وابن ابی حاتم و بیہقی عن مجاہد فی سننہ عن مجاہد قال قرأ رجل من الانصار خلف رسول اللہ ﷺ فی الصلوة فنزلت واذا قرئ القرآن الخ واخرج ابن جریر وغیرہ عن ابن مسعود انه صلی باصحابہ فسمع اناسا یقرؤن خلفه فلما انصرف قال اما آن لکن ان تفقہوا اما ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم اللہ تعالیٰ“

(روح المعانی)

سنن حمیدی، سنن ابی حاتم اور سنن بیہقی میں حضرت مجاہد سے روایت کیا گیا کہ انصار میں سے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز میں قرآن پڑھا، تو یہ آیت اتری ”واذا قرئ القرآن الخ“ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی تو آپ نے سنا کہ لوگ میرے پیچھے قرآن پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا تمہارے لئے سمجھنے اور عقل رکھنے کا وقت نہیں آیا، جب قرآن پڑھا جائے غور سے سنو اور خاموش ہو جاؤ، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔



قرآن پاک کی آیہ مبارکہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کی عبارات کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام کے پیچھے قرآن پاک نہ پڑھا جائے بلکہ خاموش ہو کر سنا جائے۔

## صحاح ستہ سے احادیث :

پہلے صحاح ستہ سے ان احادیث کو ذکر کیا جا رہا ہے جن سے یہ ثابت ہو رہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے، بعد میں ان شاء اللہ اور احادیث ذکر ہوں گی جن سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہئے یا مطلقاً قرأت کرنی چاہئے، ان احادیث کو ذکر کر کے ان شاء اللہ ان کے جوہات ذکر کئے جائیں گے۔

” عن ابی موسیٰ قال علمنا رسول اللہ ﷺ قال اذا قمتم الی الصلوٰۃ فلیؤمکم احدکم واذا قرأ الامام فانصتوا“

(مسلم باب الشہد فی الصلوٰۃ ج اول ص ۱۷۴ (مسند ج ۴ ص ۴۱۵))

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں نبی کریم ﷺ نے (نماز کی) تعلیم دی، آپ نے فرمایا جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو تم میں سے ایک شخص تمہاری امامت کرے اور جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی خاموش ہو کر سنیں۔

” قال النیموی وهو حدیث صحیح“

(آثار سنن ص ۱۷۴)



علامہ نیوی نے کہا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا“

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، باب الامام لیصلی من تَعُوذ ج اول ص ۸۹، نسائی کتاب الافتتاح، باب تاویل اذا قرئ القرآن ج اول ص ۱۴۶، ابن ماجہ ابواب الصلوٰۃ، باب اذا قرأ الامام فانصتوا، ص ۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔

”وہذا حدیث صحیح“ (آثار سنن ص ۱۷۵)

یہ حدیث صحیح ہے، یعنی قابل حجت و استدلال ہے۔

**اعتراض:** ان حدیثوں پر دو طرح کا اعتراض کیا گیا ہے۔ پہلی حدیث پر سند کے لحاظ پر بھی اعتراض ہے کہ اس کے راویوں میں ”سلیمان تیمی“ ہے جو ضعیف روای ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ ”فاذا قرأ الامام فانصتوا“ کے الفاظ غیر محفوظ ہیں کہ ان میں سلیمان تیمی منفرد ہے۔ لہذا اس حدیث کو صحیح کہنا درست نہیں تو اسے کیسے حجت بنایا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں بھی ”واذا قرأ فانصتوا“ الفاظ غیر محفوظ ہیں۔

**جواب:**

”سلیمان تیمی ثقہ حافظ ضابط وقد تابعہ غیرہ“

(شرح آثار سنن ص ۱۷۴)

سلیمان تیمی ثقہ راوی ہیں حافظ ان کا قوی ہے ضبط تام ان کو حاصل



ہے وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس روایت میں ان کے کئی  
تبعین ہیں تفرد (اکیلے ہونے) کا حکم اس وقت لگایا جاتا ہے جب اس  
کو اور حضرات روایت نہ کریں۔

منذری نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ مسلم نے یہ الفاظ ”واذا قرأ  
الامام فانصتوا“ ذکر کئے ہیں حدیث ابو موسیٰ اشعری میں سلیمان تیمی کی  
روایت سے، لیکن وہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ اسی وجہ سے ابو داؤد،  
دارقطنی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا، پہلے یہ ذکر کر کے کہ فلاں  
فلاں نے ضعیف کہا، مسلم نے اس حدیث کو کیوں ذکر کیا؟ تو اس کے جواب  
میں علامہ منذری نے ذکر کیا ”ولم یؤثر عند مسلم تفردہ بہا لثقتہ  
وحفظہ وصححہا من حدیث ابی موسیٰ وابی ہریرۃ“ مسلم کے  
نزدیک یہ تفرد حدیث کے ضعیف بنانے میں مؤثر نہیں کیونکہ راوی ثقہ ہیں اور  
حافظ ان کا کامل ہے، لہذا اسے ضعیف نہیں کہا جاسکتا خصوصاً جب کہ اس  
حدیث کی صحت حدیث ابو موسیٰ اور حدیث ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔

اور تفرد بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ نسائی نے ان کے تابع ابو سعید  
محمد بن سعد انصاری کو قرار دیا، جس روایت کی سند اور روایت یہ ہے :

”اخبرنا محمد بن عبد اللہ المبارک ثنا محمد بن سعد  
الانصاری حدثنی محمد بن عجلان عن زید بن اسلم عن ابی  
صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام  
لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا اذا قرأ فانصتوا“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد



گرا می ہے کہ امام بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جانی، جب وہ تکبیر کے تو تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو خاموش رہو۔  
یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو مسلم نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ  
سوں نے اپنی صحیح میں ذکر نہیں کیا۔

”رجالہ کلہم ثقات وقد صحح حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ  
عند مسلم صاحب الصحیح حین سألہ صاحبہ ابوبکر بن  
اخت ابی النصر بعد ما سألہ عن حدیث ابی موسیٰ الاشعری  
بقولہ فحدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فقال ہو صحیح یعنی واذا  
قرأ فانصتوا فقال ہو عندی صحیح فقال لم لم تضعہ ہنا قال  
لیس کل شئی عندی صحیح وضعته ہنا“

(شرح آثار سنن ص ۱۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ذکر کی ہے اس کے  
راوی تمام ثقہ ہیں اور اس حدیث کو مسلم نے بھی صحیح قرار دیا ہے  
جب ان سے ان کے دوست ابو بکر نے حدیث ابو موسیٰ کے متعلق  
اس طرح سوال کیا کہ حدیث ابو ہریرہ میں ”واذا قرأ الامام  
فانصتوا“ کے الفاظ صحیح ہیں تو آپ نے کہا میرے نزدیک صحیح  
ہیں۔ تو آپ کے دوست نے کہا کہ آپ نے اپنی صحیح (صحیح مسلم)  
میں اس حدیث کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی  
ضروری نہیں کہ ہر صحیح حدیث کو میں اپنی کتاب میں ضرور ہی ذکر  
کروں۔

یہاں سے دونوں حدیثوں کے متعلق واضح ہو گیا کہ دونوں صحیح ہیں۔



”واذا قرأ الامام فانصتوا“..... جب امام پڑھے خاموش رہو..... کے الفاظ میں سلیمان تیمی منفرد نہیں، بلکہ دوسری حدیث سے پہلی کو اور پہلی سے دوسری کو تائید حاصل ہو رہی ہے۔ جب کہ دوسری حدیث مسلم میں نہ آنے کے باوجود مسلم کے نزدیک صحیح ہے۔ اب دونوں حدیثوں کی سند کو صحیح کہنا درست ہو گیا۔ اور ان پر ضعف کا قول رد ہو گیا۔ لہذا ان حدیثوں کو حجت بنانا صحیح ہو گیا۔

”عن سفیان بن عیینہ عن الزہری عن ابن اکیمة قال سمعت ابا ہریرۃ یقول صلی النبی ﷺ باصحابہ صلوة نظن انها لصبح فقال هل قرأمنکم احد قال رجل انا قال انی اقول مالی انا زع القرآن“

(ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب اذا قرأ الامام فانصتوا ص ۶۱)

ابن لکیمہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی مجھے یقین ہے کہ بیشک وہ صبح کی نماز تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھ رہا تھا ایک شخص نے عرض کیا (ہاں یا رسول اللہ) میں پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے؟

ابھی تک بیان کردہ احادیث سے بہت ہی واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے مقتدی کو منع کیا گیا۔

**اعتراض:** قرآن پاک کی آیت جو تم نے بطور دلیل پیش کی ہے یا احادیث جو تم نے پیش کی ہیں۔ ان سے تو صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ امام جب بلند آواز



سے پڑھ رہا ہو تو مقتدی خاموشی ہو کر سنے۔ یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ امام آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو تو پھر بھی مقتدی خاموش رہے۔ کیونکہ غور سے سننے کا حکم بلند آواز سے پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کا جواب دو طریقہ سے دیا جائے گا۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ آیت کریمہ سے ظاہر ابلند آواز سے قرآن پاک پڑھے جانے کی صورت میں خاموش رہنا اور غور سے سننا ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن آہستہ آواز سے پڑھے جانے کی حالت میں مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت نہیں۔ جیسا آگے ان شاء اللہ اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اور احادیث سے مطلقاً امام کے پیچھے قرآن پاک پڑھنے سے منع کیا گیا۔ ان سے اشارۃً بلند آواز سے پڑھنے کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

”عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ صلى الظهر فجعل رجل يقرأ خلفه ”سبح اسم ربك الاعلى“ فلما انصرف قال ايكم قرأ او ايكم القارئ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضكم خالجنيتها“

(مسلم كتاب الصلوة ج اول ص ۱۷۲ باب نہی عن جہرہ بالقراء خلف امامہ)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی، ایک شخص آپ کے پیچھے سورۃ ”سبح اسم ربك الاعلى“ کی تلاوت کر رہا تھا، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون پڑھ رہا تھا۔ تو ایک صحابی نے عرض کیا میں پڑھ رہا تھا۔ حضور نے فرمایا اسی لئے میں نے جانا کہ تم میں



سے کوئی شخص میری قرأت میں خلل ڈال رہا ہے۔

اب اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ یہ نماز چونکہ ظہر کی تھی تو یقیناً حضور ﷺ آہستہ آواز سے قرأت کر رہے تھے، اور آپ کے پیچھے پڑھنے کو آپ نے منع فرمایا۔

**اعتراض:** مسلم کے باب یعنی اس مسئلہ کے عنوان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے پیچھے پڑھنے والے صحابی کو اس لئے منع کیا کہ وہ بلند آواز سے پڑھ رہا تھا۔ آہستہ آواز سے پڑھنے والے کو منع کرنا کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

**جواب:** حدیث پاک میں کوئی ایسے الفاظ نہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ وہ صحابی بلند آواز سے نبی کریم ﷺ کے پیچھے پڑھ رہے تھے، باب کا عنوان منتخب کرنے میں مسلم نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور اجتہاد میں خطاء ہو گئی ”المجتهد یخطئ ویصیب“ مجتہد سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے اور کبھی درست اجتہاد کر لیتا ہے۔

”عن عطاء بن یسار انه سأل زید بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام فی شیء“

(مسلم کتاب المساجد، باب سجود التلاوة ج ۱ ص ۱۱۵)

حضرت عطاء بن یسار نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا امام کے ساتھ قرأت کی کوئی حیثیت نہیں۔

موطاً امام مالک سے حدیث:

”عن نافع عن ابن عمر قال اذا صلی احدکم خلف الامام



فحسبه قراءة الامام واذا صلى وحده فليقرأ قال وكان عبد الله  
لا يقرأ خلف الامام“

(موطا امام مالك كتاب الصلوة، باب ترك القراءة خلف الامام فيما جهر به)

نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی  
ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قرأت کافی ہے، اور  
جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو وہ قرأت کرے، حضرت عبد اللہ بن  
عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

”واسنادہ صحیح“ اس حدیث پاک کی سند صحیح ہے۔ اس سند میں  
صرف دو ہی راوی ہیں (کسی راوی کو حذف نہیں کیا)۔

موطا امام محمد سے احادیث: (باب القراءة في الصلوة خلف الامام)

”قال محمد اخبرنا بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن  
الخطاب عن نافع عن ابن عمر قال من صلى خلف الامام كفته  
قرائته“

(موطا امام محمد ص ۹۴)

حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ  
آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے امام کی  
قرأت کافی ہے۔

خیال رہے کہ موطا امام محمد میں بھی وہ حدیث مذکور ہے جو موطا امام  
مالک کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف ایک واسطہ بڑھ گیا، یعنی  
امام محمد رحمہ اللہ نے وہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ سے سنی۔



” قال محمد اخبرنا عبد الرحمن بن عبد الله المسعودی  
اخبرنی انس بن سیرین عن ابن عمر انه سئل عن القراءة خلف  
الامام قال تكفيك قراءة الامام“ (موطا امام محمد) (ص ۹۴)  
انس بن سیرین کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے امام کے  
پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا تمہیں امام کی  
قرأت کافی ہے۔

” قال محمد اخبرنا ابو حنیفة قال حدثنا ابو الحسن

موسی بن ابی عائشة عن عبد الله بن شداد بن الهاد  
عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ انه قال من صلى خلف الامام  
فان قراءة الامام قراءة له“ (ص ۹۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک نبی کریم  
ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام  
کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

” قال محمد حدثنا الشيخ ابو علي قال حدثنا محمود بن  
محمد المروزي قال حدثنا سهل بن العباس الترمذي قال  
اخبرنا اسمعيل بن علي عن ايوب عن ابن الزبير عن جابر بن  
عبد الله قال قال رسول الله ﷺ من صلى خلف الامام فان قراءة  
الامام له قراءة“ (ص ۹۶)

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا  
جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس  
کی قرأت ہے۔

” قال محمد اخبرنا سفيان بن عيينه عن منصور بن المعتمر  
عن ابی وائل قال سئل عبد الله بن مسعود عن القراءة خلف  
الامام قال انصت فان في الصلوة شغلا سيكفيك ذاك الامام



ابو وائل کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے کہا (امام کے پیچھے) خاموش رہو، بے شک نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف مشغولیت ہوتی ہے، اس لئے تمہیں امام کافی ہے۔ (یعنی امام کا پڑھنا تمہارا پڑھنا ہے)

” قال محمد اخبرنا محمد بن ابان بن صالح القرشي عن حماد عن ابراهيم النخعي عن علقمة بن قيس ان عبد الله بن مسعود كان لا يقرأ خلف الامام فيما يجهر فيه وفيما يخافت فيه في الاولين لافي الاخيرين واذا صلى وحده قرأ في الاولين بفاتحة الكتاب وسورة ولم يقرأ في الاخيرين بشياً“

(ص ۹۶)

حضرت علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کی پیچھے پہلی دور کعت یا آخری دور کعت میں سے کسی رکعت میں قرأت نہیں کرتے تھے خواہ امام بلند آواز سے پڑھتا یا آہستہ آواز سے، اور آپ جب اکیلے نماز پڑھتے تو (فرضوں) کی پہلی دور کعتوں میں فاتحہ پڑھتے اور اس کے ساتھ سورۃ بھی ملاتے اور دوسری دور کعت میں قرآن پاک نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث پاک میں تمام وہی ذکر ہے جو حنفی مسلک ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے بالکل قرأت نہ کرے خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ اور اگر کوئی شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر فرض نماز کی پہلی دور کعتوں میں قرأت لازم اور دوسری دور کعت میں صرف فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

” قال محمد اخبرنا سفیان الثوري حدثنا منصور عن ابي وائل



عن عبد الله بن مسعود قال انصت للقرأة فان فی الصلوة شغلا  
وسیکفیک الامام“

(ص ۹۷)

ابو وائل کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا  
قرأت کے وقت خاموش رہو، بے شک نماز اللہ تعالیٰ سے مناجات  
ہے، تمہیں امام کافی ہے۔

قال محمد اخبرنا بکیر بن عامر حدثنا ابراهیم النخعی عن  
علقمه بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الی من ان اقرأ  
خلف الامام“

(ص ۹۸)

حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آگ کی چنگاری  
کا دانتوں سے کاٹنا مجھے پسند ہے بنسبت اس کے کہ میں امام کے  
پیچھے قرآن پڑھوں۔

”قال محمد اخبرنا اسرائیل حدثنی موسی بن ابی عائشة عن  
عبد الله بن شداد بن الهاد قال ام رسول الله ﷺ فی العصر قال  
فقرأ رجل خلفه فغمزه الذی یلیه فلما ان صلی قال لم غمزتنی  
قال کان رسول الله ﷺ قدامک فکرهت ان تقرأ خلفه فسمعه  
النبی ﷺ قال من کان له امام فان قرأته له قرأة“

(ص ۹۸)

عبد اللہ بن شداد بن ہاد کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز  
پڑھائی ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کرنے لگا، تو ایک شخص جو  
اس کے قریب تھے، انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا (قرأت سے  
روکا) جب نماز پڑھ چکے تو اس شخص نے پوچھا نم نے میری طرف



اشارہ کیوں کیا تھا، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ تمہارے آگے تمہیں نماز پڑھا رہے تھے، میں نے ناپسند سمجھا کہ تم آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کرو، نبی کریم ﷺ نے جب ان کے کلام کو سنا تو ارشاد فرمایا: "جس آدمی کا امام ہو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے"

" قال محمد اخبرنا داؤد بن قیس القراء الملعنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انه ذکر له ان سعدا قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرة (مر ۹۸)

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے، اس کے منہ میں چنگاری ہو۔

" قال محمد اخبرنا داؤد بن قیس القراء اخبرنا محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا" (مر ۹۸)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش کہ اس آدمی کے منہ میں پتھر ہو جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔

" قال محمد اخبرنا داؤد بن سعد بن قیس حلثنا عمرو بن محمد بن زید عن موسی بن سعد ابن زید بن ثابت یحلثه عن جدہ انه قال من قرأ خلف الامام فلا صلوة له" (مر ۹۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز کامل نہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ سے احادیث: (باب من کره القراءة خلف الامام)

خیال رہے کہ امام کے پیچھے قرأت سے ممانعت کے متعلق ابن ابی



شیبہ نے ستائیس احادیث ذکر کی ہیں۔ زیادہ احادیث وہی ہیں جن کو میں نے صحاح ستہ اور موطاً امام محمد سے پیش کر دیا ہے۔ ان کو دوبارہ نہیں ذکر کر رہا کہ بہت طویل بحث نہ ہو جائے۔

”حدثنا محمد بن عبد الله الاسدي عن يونس عن ابي اسحاق عن ابي الاحوص عن عبد الله قال كنا نقرأ خلف النبي ﷺ فقال خلطتم على القرآن“

(ج اول ص ۴۱۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے قرأت کی، تو آپ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا۔

یعنی امام کے پیچھے مقتدی کا قرآن پڑھنا خواہ بلند آواز سے یا آہستہ، امام کی قرأت میں خلل ڈالنا ہے، اور قرآن کے سننے میں اور سمجھنے میں خلل لازم آتا ہے۔ (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) اسی لئے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا ہے۔

”حدثنا محمد بن سليمان الاصبهاني عن عبدالرحمن عن ابي ليلي عن علي قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة“

(ج ۱ ص ۴۱۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا اس نے فطرت اسلامیہ کے خلاف کام کیا

”حدثنا وكيع عن الضحاك بن عثمان عبد الله بن يزيد عن ابن ثوبان عن زيد بن ثابت قال لا يقرأ خلف الامام ان جهر ولا ان خافت“

(ج ۱ ص ۴۱۳)



حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام کے پیچھے کوئی شخص قرأت نہ کرے خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو، یا آہستہ آواز سے۔

”حدثنا هشيم قال اخبرنا اسمعيل بن ابي خالد عن وبرة عن الاسود بن يزيد انه قال وددت ان الذي يقرأ خلف الامام ملني فوه ترابا“

(ج ۱ ص ۴۱۳)

اسود بن يزيد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرآن پڑھے، اس کا منہ مٹی سے بھر جائے

”حدثنا هشيم عن ابي بشر عن سعيد بن جبیر قال سألته عن القراءة خلف الامام فقال يكفيك ذاك الامام“

(ج ۱ ص ۴۱۳)

سعيد بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ابو بشر نے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا تمہیں امام کافی ہے۔ یعنی امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

”حدثنا وكيع عن هشام الدستواني عن قتادة عن ابن المسيب قال انصت للامام“

(ج ۱ ص ۴۱۳)

ابن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب امام ہو (تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے) تم خاموش رہو۔

”حدثنا الثقفی عن محمد قال لا اعلم القراءة خلف الامام من السنة“

(ج ۱ ص ۴۱۳)

حضرت ثقفی، محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے



کہا امام کے پیچھے قرأت کے سنت ہونے کو میں نہیں جانتا۔  
 ”حدثنا الفضل عن زهير عن الوليد بن قيس قال سألت سويد  
 بن غفلة اقرأ خلف الامام في الظهر والعصر فقال لا“

(ج ۱ ص ۴۱۳)

ولید بن قیس کہتے ہیں میں نے سويد بن غفله سے سوال کیا، امام کے  
 پیچھے ظہر اور عصر میں قرآن پڑھ لیا کروں؟ انہوں نے کہا نہیں۔  
 ”حدثنا الفضل عن ابی کیران قال قال الضحاک ینہی عن  
 القراءة خلف الامام“

(ج ۱ ص ۴۱۳)

ابو کیران کہتے ہیں کہ حضرت ضحاک نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت  
 سے منع کیا گیا۔

”حدثنا يزيد بن هارون عن اشعث عن مالك بن عمارة قال  
 سألت لادري كم رجل من اصحاب عبدالله كلهم يقولون  
 لا يقرأ خلف امام ، منهم عمرو بن ميمون“

(ج ۱ ص ۴۱۴)

مالک بن عمارہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ  
 عنہ کے بہت سے ساتھیوں سے سوال کیا جن میں عمرو بن میمون  
 بھی تھے (امام کے پیچھے قرأت کی جائے یا نہ کی جائے) تو سب کہنے  
 لگے امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

حضرت مالک بن عمارہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ  
 کے اصحاب کی کثرت کو بیان کرتے ہوئے کہا وہ اتنے زیادہ تھے کہ میں نہیں  
 جانتا کہ ان کی صحیح معین تعداد کتنی تھی۔



بہت واضح ہوا کہ امام کے پیچھے قرأت مطلقاً منع ہے خواہ سورۃ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ، خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ (دل میں) پڑھ رہا ہو۔ سب کا حکم ایک ہی ہے۔

” حدثنا وكيع عن حسن بن صالح عن عبد الملك بن ابي سليمان عن اكيل عن ابراهيم قال الذي يقرأ خلف الامام شاق“

(ج ۱ ص ۴۱۴)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے دین کی مخالفت کی۔

یہی سنی سے احادیث: ( کتاب القراءة )

” عن انس ان النبي ﷺ قال اذا قرأ الامام فانصتوا“

(ص ۱۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب امام پڑھے تو خاموش رہو۔

” عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال صلى رسول الله ﷺ يوم ما صلوة الظهر فقرأ معه رجل من الناس في نفسه فلما قضى صلوته قال هل قرأ معي منكم احد قال ذلك ثلاثا فقال له الرجل نعم يا رسول الله انا كنت اقرأ بسبح اسم ربك الاعلى قال مالي انازع القرآن ما يكفي احدكم قراءة امامه انما جعل الامام ليؤتم به فاذا قرأ فانصتوا“

(ص ۱۱۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن رسول



اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی آپ کے ساتھ ایک شخص نے اپنے نفس میں (دل میں آہستہ آواز سے) قرأت کی۔ جب آپ نماز ادا کر چکے تو آپ نے فرمایا کیا میرے ساتھ کوئی شخص قرأت کر رہا تھا؟ آپ نے تین مرتبہ یہ پوچھا، تو ایک صحابی نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں سورۃ ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں کہہ رہا تھا کہ مجھے قرآن سے منازعت کرنے والا کیوں کر دیا گیا (یعنی مجھ پر قرآن خلط ملط کیوں ہو رہا ہے) پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں امام کی قرأت کافی نہیں، امام اس لئے تو بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو۔

” عن عطاء الخراسانی قال کتب عثمان رضی اللہ عنہ الی معاویۃ رحمہ اللہ اذا قمت الی الصلوۃ فاستمعوا وانصتوا فانی سمعت عطاء رسول اللہ ﷺ یقول للمنصت الذی لا یسمع مثل اجر السامع المنصت“

(ص ۱۱۵)

حضرت عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو غور سے سنو اور خاموش رہو بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے، خاموش رہنے والا جب نہ سن سکے اسے ایسا ہی اجر حاصل ہے جو سننے کے باوجود خاموش رہے۔

یعنی نماز میں امام کی قرأت کو سن کر خاموش رہو، خود نہ پڑھو، امام کی قرأت ہی تمہاری قرأت ہوگی، تمہیں قرأت کا مکمل ثواب ملے گا، جس طرح



ایک شخص نہ سن سکتا ہو وہ خاموش رہے اسے امام کی قرأت کا مکمل ثواب حاصل ہو رہا ہے ایسے ہی ہر مقتدی کا یہی حکم ہے۔

”عن جابر بن عبد الله قال صلى رسول الله ﷺ باصحابه الظهر او العصر فلما انصرف قال من قرأ خلفي بسبح اسم ربك الاعلى فلم يتكلم احد فردد ذلك ثلاثا فقال رجل انا يا رسول الله قال لقد رأيتك تخالجنى او قال تتنازعى القرآن من صلى منكم خلف امام فقراءته له قرأة“

(ص ۱۲۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ظہر اور عصر میں سے ایک نماز پڑھائی، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میرے پیچھے ”سبح اسم ربك الاعلى“ کی تلاوت کون کر رہا تھا۔ کسی ایک نے بھی کلام نہ کیا، آپ نے تین مرتبہ پوچھا تو ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے یہ سورت پڑھی۔ آپ نے فرمایا اسی لئے میں نے سمجھا کہ تم مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر رہے ہو، جو شخص بھی تم میں سے امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

”عن جابر بن عبد الله (رضى الله عنه) ان رجلا قرأ خلف النبى ﷺ فى الظهر او العصر فاوى اليه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنهانى ان اقرأ خلف النبى ﷺ فتذاكر ذلك حتى سمع النبى ﷺ فقال رسول الله ﷺ من صلى خلف الامام فان قرأته له قرأة“

(ص ۱۲۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک ایک



شخص نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر یا عصر میں سے کسی ایک نماز میں قرأت کی تو اسے ایک شخص نے اشارہ سے روکا، جب نماز سے فارغ ہوئے، تو اس شخص نے دوسرے کو کہا، کیا تم مجھے نبی کریم ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے روک رہے تھے (یعنی تم مجھے کیوں روک رہے تھے) ان دونوں کے درمیان اسی بات پر مذاکرہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے مذاکرہ کو سن لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی، پس امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

”عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من كان له امام فقرأه الامام له قراءة“

(ص ۱۳۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص کا امام ہے، پس امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

”عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من كان له امام فان قرأه الامام له قراءة“

(ص ۱۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہے بے شک امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

”عن انس بن مالك ان النبي ﷺ قال من كان له امام فقرأه الامام له قراءة“

(ص ۱۵۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کا امام ہے۔ امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔



” عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رجل النبی ﷺ اقرأ خلف الامام انصت قال لابل انصت فانه یکفیک “

(ص ۱۶۳)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، کیا میں امام کے پیچھے قرأت کیا کروں یا خاموش رہا کروں، آپ نے فرمایا نہیں (پڑھانہ کرو) بلکہ خاموش رہو، بے شک وہ (یعنی امام کی قرأت) تمہیں کافی ہے۔

” عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من کان له امام فقرأه الامام له قرأه “

(ص ۱۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا امام ہے تو امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہے۔

## مصنف عبد الرزاق سے احادیث :

” عن ابی وائل قال جاء رجل الی عبد اللہ فقال یا ابا عبد الرحمن اقرأ خلف الامام قال انصت للقرآن فان فی الصلوۃ شغلا وسیکفیک ذلك الامام “

(ج ۲ ص ۱۳۸)

ابو وائل رضی اللہ عنہ نے کہا ایک شخص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابو عبد الرحمن (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت) کیا میں امام کے پیچھے قرآن پڑھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا قرآن (سننے) کے لئے خاموش رہو۔ بے شک نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کا وقت ہوتا ہے تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔



” عن علقمة عن ابی مسعود قال لیت الذی یقرأ خلف الامام  
ملنی فوہ ترابا“

(ج ۲ ص ۱۳۸)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ  
نے فرمایا وہ جو امام کے پیچھے قرآن پڑھتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی  
سے بھر جائے۔

” عبدالرزاق عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ قال  
نہی رسول اللہ ﷺ عن القراءة خلف الامام قال واخبرنی  
اشیاخنا ان علی قال من قرأ خلف الامام فلا صلوة له قال  
واخبرنی موسی بن عقبہ ان رسول اللہ ﷺ وابوبکر و عمر  
وعثمان كانوا ینبہون عن القراءة خلف الامام“

(ج ۱ ص ۱۳۹)

عبدالرحمن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ  
رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے قرأت سے منع فرمایا، اور کہا مجھے  
اپنے شیوخ نے خبر دی ہے کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ  
نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز (کامل)  
نہیں۔ اور کہا مجھے موسی بن عقبہ نے خبر دی ہے کہ بے شک رسول  
اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی  
اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے روکتے تھے۔

دارقطنی سے احادیث:

” عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال تکفیک قراءة الامام خافت  
او جیبر“

(ج ۱ ص ۲۳۱)



حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمہیں امام کی قرأت کافی ہے، خواہ امام آہستہ آواز سے (دل میں) پڑھے یا بلند آواز سے۔

”عن الشعبي قال قال رسول الله ﷺ لا قراءة خلف الامام“

(ج ۱ ص ۳۲۰)

شعبي رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

”عن ابی الدرداء قال سئل رسول الله ﷺ افي كل صلوة قراءة قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت هذه فقال لي رسول الله ﷺ و كنت اقرب القوم اليه ما اري الامام اذا ام القوم الا كفاهم“

(ج ص ۳۳۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، انصار میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گئی۔ میں تمام قوم میں سے نبی کریم ﷺ کے زیادہ قریب تھا، آپ نے مجھے فرمایا، میرا تو صرف یہی یقین ہے کہ امام جب قوم کی امامت کرائے تو ان کو امام کی قرأت کافی ہے۔

حدیث پاک سے ایک تو واضح ہوا کہ ہر نماز میں قرأت ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ وہ نماز کون سی ہے پانچ نمازوں کا حکم ایک ہی ہے۔

دوسری بات یہ سمجھ آئی کہ جس نماز کو انسان باجماعت ادا کر رہا ہو اس میں امام پر قرأت لازم ہے بعض نمازوں (ظہر، عصر) میں امام آہستہ پڑھے گا۔



اور بعض میں بلند آواز سے (یعنی مغرب، عشاء فجر میں)۔

تیسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ مقتدی جب امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو امام کی قرأت اسے کافی ہوتی ہے یعنی امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہوتی ہے اس طرح گویا کہ مقتدی کو بھی قرأت حاصل ہو گئی، واضح ہو گیا کہ ہر نماز میں ہر شخص پر قرأت ہے اگرچہ صورتیں مختلف ہیں۔

چوتھی بات یہ سمجھ میں آئی کہ صحابہ کرام کا یہ ایمان تھا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختار بنایا ہے، آپ جب ”نعم“ (ہاں) کہہ دیں تو وہ کام لازم ہو جاتا ہے۔

نتیجہ واضح ہے:

ابھی تک جو احادیث پیش کی ہیں ان سے نتیجہ واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منع کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے بہت ساتھیوں نے امام کے ساتھ قرأت سے منع کیا۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ نے منع کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے منع کیا، حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت اسود یزید رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔



حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے منع کیا۔

یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا ہے جو عین احادیث کے مطابق ہے۔ یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ کا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مذہب ان الفاظ سے ذکر فرمایا :

” لا قراءة خلف الامام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك  
جاءت عامة الاثار وهو قول ابى حنيفة رحمه الله “

(موظا امام محمد ص ۹۴)

امام کے پیچھے مقتدی کی کوئی قرأت نہیں خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو، یا بلند آواز سے نہ پڑھ رہا ہو، عام احادیث میں یہی مذکور ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

بعض ان پڑھ اور فسادی قسم کے غیر مقلدین کی اشتہار بازی سے اس قسم کے لایعنی جملے دیکھنے میں آتے ہیں کہ حنفی حدیث رسول کو نہیں مانتے، امام کی بات مانتے ہیں۔ تو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اس قسم کے الفاظ سے جھلاء کو ورغلا یا جاسکتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جھوٹ بول کر اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہیں۔ کیا جھوٹ بولنا، خدا کو ناراض کرنا توحید ہے۔ اگر یہی توحید ہے تو شیطانی راہ کیا ہے؟ کیا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے ”العیاذ باللہ“ لوگ سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت سے دور



ہیں، بہتان تراشی ایسے لوگوں کا شیوہ ہے۔ کوئی انسانیت کے دائرہ میں رہ کر علمی بحث کرے تو بڑی خوشی کی بات ہے، علمی بحث تو علماء کا طریقہ ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ علماء نے ہی اپنے چچے جھلاء رکھے ہوتے ہیں۔ جن کو صرف بھونکنے، ٹونکنے پر مقرر کیا جاتا ہے۔ کیا لوگوں کو ایسے طریقہ سے دین پر لایا جاتا ہے، یا کہ دین سے دور بھگایا جاتا ہے۔

### غیر مقلدین کا مذہب :

سورۃ فاتحہ نماز کا رکن ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یعنی الحمد شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی، فرض ہو، نفل ہو، نماز امام ہو یا مقتدی ہو یا کیلا۔

(صلوۃ الرسول بحذف ص ۲۰۰)

### غیر مقلدین کے دلائل اور احناف کی طرف سے ان کے جوابات :

”حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا سفیان حدثنا الزہری عن محمود بن الربیع عن عبادة بن الصامت ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب“

(بخاری، باب وجوب القراءة للامام والماموم الخ، مسلم باب وجوب قراءة الفاتحة)

(حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ فرمایا) یعنی الحمد شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی فرض ہو، نفل ہو، نمازی امام ہو یا مقتدی ہو یا کیلا۔

یہ ترجمہ بریکٹ کے بعد کا علامہ محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد کا ہے جو ”صلوۃ الرسول“ کے ص ۲۰۰ پر ہے۔



اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کا ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے ”فاتحہ شریف کے بغیر نماز کامل نہیں“ جب یہ صحیح ترجمہ کر دیا جائے تو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ احناف کا مذہب ہی یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، فرض نہیں واجب کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہوتی ہے فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام کے پیچھے جب دوسری سورۃ کی قرأت نہ کرنے کے باوجود مقتدی کو وہ قرأت امام کی قرأت سے حاصل ہے تو سورۃ فاتحہ امام کے پڑھنے سے مقتدی کو حاصل کیوں نہیں؟

جب کے نبی کریم کے ارشادات گرامی اور جلیل القدر صحابہ کرام کے اقوال اور افعال تفصیل سے احادیث صحیحہ سے بیان کئے جا چکے ہیں کہ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت منع ہے۔

**اعتراض:** ”لا صلوة“ کا سیدھا اور واضح معنی وہی ہے جو ہم نے کیا ہے کہ ”نماز نہیں“ جب فاتحہ کے بغیر نماز نہیں تو اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ یہ حکم عام ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ تم نے جو یہ کہا ہے کہ ”لا صلوة“ کا معنی کامل نماز نہیں“ یہ معنی تم نے کہاں سے لیا ہے اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔

**جواب:** جو معنی ہم نے کیا ہے وہ اسی وقت سمجھ آئے گا جب یہ پتہ ہو کہ لفظ ”لا“ کئی معانی کے لئے آتا ہے کبھی زائد ہوتا ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہوتا جیسے ”لا اقسام بهذا البلد“ میں اس شہر کی قسم اٹھاتا ہوں کبھی ”لا“ نفی کی تاکید کرتا ہے جیسے ”فی الدار لا زید ولا عمر“ یہاں پہلے ”لا“ سے نفی کا معنی ہے دوسرا صرف پہلے کی تاکید کے لئے ہے۔



اسی طرح کبھی ”لا“ صفت کی نفی کرتا ہے ”لا رجل فی الدار“ گھر میں مرد نہیں، یہاں ”لا“ نے گھر میں موجود ہونے کی نفی کی، رجل (مرد) کی ذات کی نفی نہیں کی، اسی طرح ”لا“ نفی جنس اور مشابہہ بلیس میں فرق کی وجوہ سے ہدایت الخو پڑھنے والے طلباء بھی باخبر ہیں۔ اس تمہید کے بعد یہ بات سمجھی جائے کہ ”لا“ کبھی ذات کے وجود کی نفی کے لئے آتا ہے، اور کبھی کمال کی نفی کرتا ہے۔

## ”لا“ ذات کے وجود کی نفی کے لئے آئے :

جیسے ”لا الہ الا اللہ“ اللہ کے بغیر کوئی ذات موجود ہی نہیں جس کی عبادت کی جائے، مختصر معنی اس کا مشہور و معروف ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں“ اسی طرح کسی کی اولاد نہ ہو تو وہ کہے گا ”لا ولد لی“ میری کوئی اولاد نہیں۔ اگر کسی نے شادی کی ہی نہیں یا اب اس کی زوجیت میں کوئی عورت نہیں تو وہ کہے گا ”لا زوجة لی“ میری کوئی زوجہ نہیں، ان تمام مثالوں میں ذات کے وجود کی نفی ہے۔

## ”لا“ کبھی کمال کی نفی کرتا ہے :

جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ ”لا“ کبھی کمال کی نفی کرتا ہے، تو کتنی ہی احادیث ایسی ہی جن سے کوئی شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو وہ ایمان سے خارج نظر آئے گا لیکن اگر یہ معنی تسلیم کر لیا جائے اور اس کے ایمان کے



مکمل ہونے کی نفی ہوگی کہ وہ شخص کامل مومن نہیں، اس کے ذات ایمان کا جو د ختم نہیں ہوگا، ورنہ کسی مومن کو تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا، آئیے اس کی مثالیں احادیث سے دیکھیں۔

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وهو مومن ولا یسرب الخمر حین یسربها وهو مومن ولا ینتہب نہبۃ یرفع الناس الیہ فیہا ابصارہم حین ینتہبہا وهو مومن ولا یغل احدکم حین یغل وهو مومن فایاکم ایاکم وفی روایۃ ابن عباس ولا یقتل حین یقتل وهو مومن“

(مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الکبائر وعلامات النفاق ص ۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے اس کا ایمان نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے اس کا ایمان نہیں ہوتا، جب کوئی شخص قہر و جبر و ظلم سے کسی کا مال چھینتا ہے کہ لوگ اس کی طرف (اس کی ظالمانہ کاروائی کی طرف) نظریں اٹھا کر دیکھ رہے ہوتے ہیں تو اس کا ایمان نہیں ہوتا، جب کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں ہوتا ان گناہوں سے تم بچ جاؤ، تم بچ جاؤ، اور ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آتی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص قتل کرتا ہے تو اس کا ایمان نہیں ہوتا۔

خیال رہے میں نے حدیث پاک کا ترجمہ مرادی، با محاورہ کیا ہے لفظی ترجمہ اس طرح ہوگا ”نہیں زنا کرتا ہے زنا کرنے والا جب وہ زنا کر رہا ہو ایسے



حال میں کہ وہ مومن ہو جائے۔

اب اس حدیث پاک کی شرح میں حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے :

” لا یزنی الزانی الا هذا واشباهه لنفی الکمال ای لا یکون  
کاملا فی الایمان حال کونه زانیا“

یہاں کمال کی نفی ہے یعنی جب کوئی زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان کامل  
نہیں ہوتا، اسی طرح دوسرے گناہوں میں بھی یہی وجہ ذکر کی جائے گی۔ (صحیح  
ترجمہ یہی ہوگا)

اس حدیث کی یہی وجہ بخاری میں دیکھیں :

” وقال ابو عبید اللہ لا یکون هذا مومنا تاما ولا یکون له نور  
الایمان“

(هذا اللفظ للبخاری مشکوٰۃ ص ۱۷)

ابو عبید اللہ نے کہا یہ لوگ کامل مومن نہیں رہتے، اور نہ ہی ان کو  
نور ایمان حاصل ہوتا ہے۔

” عن انس قال قلما خطبنا رسول اللہ ﷺ الا قال لا ایمان لمن  
لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له“

(بیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۱۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اکثر  
اوقات ہمیں خطبہ دیتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا جس شخص کو امانت کا  
پاس نہیں اس کا ایمان کامل نہیں اور جس شخص کو وعدہ کا پاس نہیں  
اس کا کامل دین نہیں۔

” کانه قال لا ایمان ولا دین کاملا لمن لا یطیع اللہ فیما امر به

(مرقاۃ)

وینہی عنہ“



گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا لحاظ نہیں کرتا اس کا ایمان اور دین کامل نہیں۔

واضح ہوا کہ یہاں بھی کمال ایمان اور کمال دین کی نفی ہے، مطلقاً ایمان اور دین کی نفی نہیں، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہر خائن اور ہر بد عمد کو کافر کہا جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں کہا جاسکتا، صرف ایسے اشخاص کو گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح پہلی حدیث میں جو ذکر ہے وہاں بھی کمال کی نفی ہے کہ زانی کے زنا کرتے وقت اس کا کامل ایمان نہیں۔ اور چور کے چوری کرتے وقت کامل ایمان نہیں۔ شرابی کے شراب پیتے وقت اس کا کامل ایمان نہیں۔ زبردستی کسی کا مال لیتے وقت اس شخص کا کامل ایمان نہیں۔ مومن کو قتل کرنے والے کا بوقت قتل کامل ایمان نہیں۔ اس قسم کے جرائم کے مرتکب لوگوں کو صرف فاسق کہا جاسکتا ہے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ خود بخود واضح ہو گیا کہ یہاں نفی ایمان کے کامل ہونے کی، ایمان کے وجود کی نفی نہیں۔

” لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد “

(دار افطنی ج ۱ ص ۱۶۱)

مسجد کے پڑوسی کی نماز کامل نہیں سوائے مسجد کے۔

اس حدیث پاک میں بھی اگر کمال کی نفی کی جائے تو معنی صحیح ہوگا،

کیونکہ یہ معنی درست نہیں ہوگا۔

” مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے ہوتی ہی نہیں “ اس لئے کہ



مسجد کے پڑوسی کی اپنے گھر یا مسجد کے باہر کہیں اور نماز ہو جائے گی، لیکن مسجد میں کامل ہوگی۔ واضح ہوا کہ یہاں کمال کی نفی ہے۔

یہ چند مثالیں صرف سمجھانے کے لئے ہیں۔ ورنہ اس طرح کئی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جہاں کمال کی نفی ہے وجود کی نفی نہیں۔

**سوال:** اگر یہ ثابت ہو ہی جائے کہ ”لا“ کبھی کمال کی نفی کرتا ہے، لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ”لا صلوة الا بفاتحه الكتاب“ میں بھی کمال کی نفی پائی گئی ہے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہاں ذات کے وجود کی نفی ہو اور اس کا معنی ”فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہے“ صحیح ہو۔

**جواب:** چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”فاقرء واما تيسر من القرآن“ پڑھو جو آسان ہو قرآن۔ یہ حکم نماز کے ساتھ متعلق ہے، نماز میں قرآن پاک کی کسی معین سورۃ کو پڑھنا لازم نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی تمہیں آسان ہو وہاں سے قرآن کچھ حصہ پڑھو۔

آیہ کریمہ کا تعلق نماز سے ہے۔ اس پر تفاسیر میں سے دو عبارتیں نقل کر رہا ہوں، تاکہ واضح ہو جائے کہ ہاں واقعی اس کا تعلق نماز سے ہے۔

”فاقرء واما تيسر من القرآن فى الصلوة“

(جلالین)

نماز میں جہاں سے تمہیں قرآن پڑھنا آسان ہو وہاں سے پڑھ لو۔

”يعنى ان المقصود من قراءة القرآن قراءته فى الصلوة“

(کمالین)

یعنی مقصود قرآن پڑھنے سے، نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔



جب واضح ہو گیا کہ رب تعالیٰ کا حکم مطلق ہے، تو وہ اپنے اطلاق پر قائم رہے گا، لہذا خبر واحد سے فاتحہ کو فرض قرار دے کر قرآن پاک کے حکم کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا وہی بات صحیح ہوگی جو احناف نے بیان کی ہے کہ مطلقاً کہیں سے قرآن پاک پڑھنا فرض ہے اور سورۃ ملانا واجب ہے۔ یہی بات سورۃ فاتحہ کے متعلق بھی ہے کہ وہ واجب ہے۔ تاکہ حکم قرآن پاک بھی رہے۔ اور حکم حدیث بھی ثابت ہو سکے۔

## حدیث پاک کی توجیہ حدیث پاک سے :

”عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلی صلوۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام“

(مسلم ج ۱ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز ادا کی اور اس میں سورۃ فاتحہ کو نہ پڑھا اس کی نماز ناقص ہے۔ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا ”خداج“ بکسر الخاء المعجمۃ ہو نقصان (من نووی) یعنی خداج کا معنی نقصان ہے۔ خود حدیث پاک میں وضاحت کر دی گئی کہ ”خداج“ کا معنی ”غیر تمام“ نامکمل ہونا۔

حدیث پاک میں یہ نہیں کہا گیا کہ جو شخص نماز میں فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز سرے سے ہوگی نہیں، یہ بھی نہیں فرمایا گیا کہ اس کی نماز فاسد ہوگی۔ بلکہ یہ فرمایا گیا اس کی نماز ناقص ہوگی۔ اب واضح ہوا کہ مسلک احناف کا ہی



حق ہے کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، رکن نہیں۔ کیونکہ ترک واجب سے نماز  
لازم آتا ہے اور ترک رکن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

## اعتراض اور دلیل :

غیر مقلدین کی طرف سے دلیل سمجھیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا  
فرض ہے یا ان کی طرف سے اعتراض سمجھیں کہ ابھی جو حضرت ابو ہریرہ رضی  
لہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی ہے، اس کا وہ حصہ صرف بیان کیا گیا ہے، جس سے  
اپنا موقف بیان کیا گیا ہے اور وہ حصہ چھوڑ دیا گیا ہے، جس میں امام کے پیچھے  
قرأت کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث پاک کا بعد میں آنے والا حصہ یہ ہے۔

” فقيل لابي هريرة انا نكون وراء الامام فقال اقرأ بها في  
نفسك فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول قال الله تعالى قسمت  
الصلوة بيني وبين عبدى نصفين ولعبدى ما سأل فاذا قال العبد  
الحمد لله رب العلمين قال الله تعالى حمدنى عبدى و اذا قال  
الرحمن الرحيم قال الله تعالى اثنى على عبدى فاذا قال مالك  
يوم الدين قال مجدنى عبدى و قال مرة فوض الى عبدى فاذا  
قال اياك نعبد و اياك نستعين قال هذا بينى و بين عبدى  
ولعبدى ما سأل فاذا قال اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين  
انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال هذا  
لعبدى ولعبدى ما سأل“

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے



ہیں، آپ نے فرمایا تم اپنے دل میں پڑھ لیا کرو، بے شک میں نے نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی، میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے سوال کیا، جب بندہ کہتا ہے ”الحمد لله رب العلمین“ رب تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی، جب بندہ کہتا ہے ”الرحمن الرحیم“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء بیان کی، جب بندہ کہتا ہے ”مالک یوم الدین“ رب قدوس کہتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے اپنے تمام معاملات میرے سپرد کر دیئے۔ جب بندہ کہتا ہے ”ایاک نعبد وایاک نستعین صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ تو رب تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے (یعنی اس کے سوالات ہیں) میرے بندے کے لئے وہی ہے جو اس نے سوال کیا (یعنی میں اپنے بندے کو وہی عطا کرتا ہوں جو مجھ سے مانگ رہا ہے)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی سے سورۃ فاتحہ کی شان اور اہمیت بیان کی اور ساتھ یہ بتایا کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے آہستہ آواز میں پڑھ لی جائے۔ تم کس طرح ثابت کرتے ہو کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے۔

**جواب:** حدیث پاک کو بغور پڑھنے سے واضح ہو رہا ہے کہ حدیث پاک کی



ابتداء نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ہوتی ہے نماز فاسد نہیں ہوتی، اس سے احناف کا مسلک ثابت ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، رکن (فرض) نہیں اور دوسری احادیث سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت منع ہے خواہ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورۃ، اور یہ بھی احادیث سے ہی بیان کر دیا گیا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

حدیث پاک کا آخری حصہ سورۃ فاتحہ کی شان بیان کی گئی اس میں سورۃ فاتحہ کے رکن ہونے یا ضرور پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں درمیان والا حصہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے دل میں پڑھ لے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حافظ حدیث تھے مجتہد نہیں تھے اگر ابن ہمام رحمہ اللہ کے قول کے مطابق آپ کو مجتہد مان بھی لیا جائے تو پھر بھی واضح مسئلہ ہے کہ مجتہد سے کبھی خطا ہو جاتی ہے یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا مخفی نہیں، کیونکہ آپ جلیل القدر صحابی اور کثیر احادیث کے روای ہونے کے باوجود علم میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے برابر نہیں۔ جب ان تمام کے ارشادات بیان کئے جا چکے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں، تو یقیناً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ارشاد و اجتہاد کو چھوڑنا پڑے گا اور اسے اجتہادی خطا تسلیم کرنا ضروری ہے۔



## عتراض و دلیل :

غیر مقلدین کی ایک اور دلیل یا اعتراض دیکھئے۔ وہ اپنے موقف پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں :

”عن ابی سعید قال امرنا ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تسیر“

(ابوداؤد باب من ترك القراءة في صلوته ، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰ ، صحیح ابن حبان کتاب الصلوة ج ۴

ص ۱۴۰ مسند ابی یعلیٰ ج ۲ ص ۴۱۷ ، آثار سنن ص ۱۵۶)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم قرآن پاک سے سورۃ فاتحہ پڑھیں اور قرآن پاک سے جو آسان ہو وہ پڑھیں۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ تم فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کا کیسے انکار کرتے ہو۔

**جواب :** معترضین حضرات ذرا حدیث پاک کو توجہ سے پڑھیں اور غور کریں اور تدبر سے کام لیں تو ان شاء اللہ ان کو دلیل ہماری ہی نظر آئے گی۔ یہ حدیث معترضین کی دلیل بن ہی نہیں سکتی۔

توجہ فرمائیں ، حدیث پاک کو سمجھئے۔ حدیث پاک میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا مطلقاً قول ذکر کیا گیا ہے کہ ہمیں فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا اس میں امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا ہے۔ اور ”وما تسیر“ کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اور اپنے مسلک کو دیکھو۔ تمہارا مسلک یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے خواہ مقتدی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اور سورۃ جو امام پڑھ رہا ہو وہ مقتدی کو پڑھنا فرض نہیں۔ اور اس حدیث پاک میں دونوں کا حکم ایک اور یہی احناف کا مسلک ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب اور سورۃ کا ملانا واجب ہے اور



دونوں (فاتحہ اور کسی سورۃ) سے ایک آیہ بڑی یا تین آیتیں چھوٹی پڑھنا فرض ہے اور امام کے پڑھنے سے مقتدی کو پڑھنا حاصل ہو جاتا ہے۔

## غیر مقلدین کی اور دلیل :

” عن عبادة بن صامت قال كنا خلف رسول الله في صلاة الفجر فقرأ رسول الله ﷺ فثقلت عليه القراءة فلما فرغ قال لعلكم تقرؤن خلف امامكم قلنا نعم هذا يا رسول الله قال لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها“

(ابوداؤد باب من ترك القراءة في صلوته)

حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے آپ نے قرأت کی آپ پر قرأت کچھ بھاری ہو گئی (خلط ملط ہو گئی) آپ نے فرمایا شاید تم امام کے پیچھے قرأت کرتے رہتے ہو؟ ہم نے کہا (نعم هذا ای نفع لہذا) ہاں یا رسول اللہ ہم قرأت کر رہے تھے آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، سوائے سورۃ فاتحہ کے اس لئے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔

**جواب :** جہاں تک ”لا صلاة لمن لم يقرأ بها“ کا تعلق اس کے متعلق ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس کا صحیح ترجمہ ہی یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز مکمل نہیں۔ نفی کمال کی ہے۔ نماز کے سرے سے نہ ہونے کا ذکر نہیں، لہذا اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

جہاں تک امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت مل رہا ہے اس کے متعلق



عرض یہ ہے کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں، اس لئے کہ ایک تو یہ حدیث مضطرب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدلس ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث معنعن ہے لہذا یہ حدیث دلیل بنانے کے لائق نہیں۔ اس حدیث کے متعلق علامہ نیموی نے بیان کیا۔

” قال النيموى فيه مكحول وهو يدلس ، رواه معنعنا وقد اضطرب فى اسناده ومع ذلك قد تفرد بذكر محمود بن ربيع عن عبادة فى طريق مكحول محمد بن اسحاق وهو لا يحتج بما انفرد به فالحدیث معلول بثلاثة وجوه“

( آثار سنن ص ۱۵۹ تا ۱۶۱ )

( مفہوم وہی ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے )

احادیث واضحہ صریحہ : ( امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی جائے )

” مالك عن ابى نعيم وهب ابن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الاوراء الامام“

( موطأ امام مالك باب ماجاء فى ام القرآن )

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص نے نماز کی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز کو مکمل نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

اس حدیث میں وضاحت کر دی گئی کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے مکمل نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص امام



کے پیچھے نماز نہ پڑھ رہا ہو اگر امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو تو وہ خاموش رہے امام کے پڑھنے سے جب اسے پڑھنا حاصل ہو گیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

” اخبرنا مالك حدثنا وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا وراء الامام “

( موطأ امام محمد باب القراءة في الصلوة خلف الامام )

حدیث پاک کا ترجمہ اور وضاحت وہی ہے جو کہ موطأ امام مالک کے حوالہ سے بیان میں واضح ہے۔

” حدثنا قتيبة بن سعيد وابن السرح قالا اخبرنا سفيان عن الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت يبلغ به النبي ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعدا قال سفيان لمن يلي وحده “

( ابوداؤد باب من ترك القراءة في صلوته بفاتحة الكتاب )

حضرت عباده بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس کی تبلیغ فرماتے تھے کہ جو شخص سورۃ فاتحہ یا اس سے زائد کچھ نہیں پڑھے گا اس کی نماز مکمل نہیں۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ( کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے ) جو شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو۔

اس حدیث پاک سے ایک تو وضاحت یہ حاصل ہو گئی کہ جب حضرت عباده بن صامت نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی پیش کیا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے تو اس کی وضاحت حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے



کردی کہ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب کوئی ایک شخص اکیلے نماز پڑھ رہا ہو۔ یعنی واضح ہو گیا کہ یہ حکم امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کا نہیں اس لئے کہ اسے امام کے قرأت حاصل ہو رہی ہے۔

اور یہ خیال کیا جائے کہ ”فصاعدا“ سے مراد یہ ہے کہ اور کوئی سورۃ نہ ملائے تو نماز ناقص ہے۔ کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا اور کسی سورۃ کا ملانا واجب ہے اسی لئے فاتحہ کے بغیر بھی نماز ناقص ہے اور اگر کوئی سورۃ نہیں ملائے گا تو پھر بھی نماز ناقص ہوگی کیونکہ ترک واجب لازم آئے گا۔

اگر اس حدیث میں ”لا صلوة“ کا معنی یہ کیا جائے اس کی نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں تو یہ لازم آئے گا کہ سورۃ فاتحہ بھی رکن ہے اسی طرح اور سورۃ کا ملانا بھی رکن ہے۔ دونوں کے بغیر نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں اگر ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ امام کے پیچھے پڑھنا بھی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے تو لازم یہ آئے گا کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا بھی فرض ہے اور اسی طرح اور سورۃ کا ملانا بھی فرض ہے۔

حالانکہ یہ مذہب غیر مقلدین کا بھی نہیں، ان کا سارا زور صرف سورۃ فاتحہ کے پڑھنے پر ہے، نہ کہ کسی دوسری سورۃ پر۔

**تنبیہ:** جو حدیث مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد سے پیش کی گئی اس کی سند کے متعلق ترمذی میں یہ ذکر ہے۔ ”هذا حدیث حسن صحیح“ (باب قرآۃ خلف الامام) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خیال رہے ترمذی میں واسطے زیادہ ہونے کے باوجود حدیث حسن،



صحیح ہے ترمذی میں اس سند سے حدیث کو ذکر کیا گیا ہے۔

”حدثنا اسحق بن موسى الانصاری نامعن نامالك عن ابی نعیم وهب بن کيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلی ركة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام هذا حدیث حسن صحیح“

(ترمذی باب قرأة خلف الامام)

ترجمہ اور وضاحت وہی ہے جو موطأ امام مالک سے حدیث نقل کر کے بیان کیا ہے۔

**اعتراض:** جو حدیث تم نے اپنا موقف پیش کرنے کے لئے پیش کی ہے ”من كان له امام فقرأه الامام له قراءة“ (جس شخص کا امام ہو، امام کی قرأت اس کی قرأت ہے)۔ وہ ضعیف ہے۔ اسے فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے لہذا یہ حدیث قابل حجت نہیں۔

**جواب:** دارقطنی نے جو ضعیف ہونے کی وجوہ بیان کی ہیں وہ خود ضعیف ہیں آئیے توجہ فرمائیں کہ دارقطنی کی بیان کردہ وجوہ ضعیف کی کیا حیثیت ہے۔

دارقطنی نے ایک وجہ ضعیف یہ بیان کی ہے کہ یہ مرسل صحیح ہے۔ مسند صحیح نہیں، کیونکہ عبد اللہ بن شداد نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں درمیان میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی کو چھوڑتے ہیں اس لئے جب راوی صحابی کو چھوڑ دیا گیا ہے تو حدیث مرسل ہو گئی قابل حجت نہ رہی۔

دارقطنی کی یہ بیان کردہ وجہ ضعیف ہے اس وجہ کو کبھی قبول نہیں کیا



جاسکتا، کیونکہ میرے پاس جو نسخہ مسند امام اعظم کا ہے اس میں حدیث مجمع سند کے یوں مذکور ہے۔

” ابو حنیفہ عن موسیٰ عن عبد اللہ بن شداد عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ قال من كان له امام له فقرأه الامام له قرأه“

(مسند امام اعظم)

یہاں کسی روای کو نہیں چھوڑا گیا، بلکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، لہذا حدیث مسند صحیح ہو گئی۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر ہی لیا جائے کہ مسند امام اعظم کا وہ نسخہ صحیح ہے جس میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں (ممکن ہے دار قطنی کو کوئی ایسا نسخہ ملا ہو) تو پھر بھی حدیث کو ضعیف کیسے کہہ دیا گیا۔ کیا اصول حدیث کو بیان کرنے والوں نے کبھی یہ بیان کیا ہے کہ مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے؟ جب کسی نے ضعف کی وجہ یہ بیان نہیں کی تو دار قطنی کی اس وجہ ضعف کو آنکھیں بند کر کے کیسے تسلیم کیا جائے۔

آئیے ذرا مرسل حدیث کا حکم دیکھئے :

” والمرسل كقول التابعي قال رسول الله ﷺ وعند ابي حنيفة ومالك المرسل مقبول مطلقا وهم يقولون انما ارسله لكمال الوثوق والاعتماد لان الكلام في الثقة ولولم يكن عنده صحيحا لم يرسله ولم يقل قال رسول الله ﷺ وعند الشافعي ان اعتضد بوجه آخر مرسل او مسند وان كان ضعيفا قبل“

(من مقدمة مشكوة)



مرسل حدیث وہ ہے جس میں تابعی روایت کرتے ہوئے صحابی کو چھوڑ کر کہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، امام اعظم رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مرسل مقبول ہے مطلقاً، وہ یہ کہتے ہیں کہ راوی نے اگر مروی عنہ (جس سے روایت بیان کی ہے) کو چھوڑا تو کامل وثوق کرتے ہوئے اس لئے کلام ثقہ میں ہے، اگر اس کے نزدیک راوی باوثوق، با اعتماد نہ ہوتا تو اسے نہ چھوڑتا، اور نہ کہتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مرسل حدیث کو دوسری مرسل یا مسند حدیث سے تائید مل جائے تو وہ قابل قبول ہوگی اگرچہ تائید کرنے والی حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث کو تائید صحیح حسن سے حاصل ہے، جو مؤطاً امام مالک، مؤطاً امام محمد، ترمذی سے پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ یعنی اس حدیث سے تائید حاصل ہے۔

” عن ابی نعیم وھب بن کیسان انه سمع جابر بن عبد اللہ یقول من صلی رکعة لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یكون وراء الامام هذا حدیث حسن صحیح “

(ترمذی)

(ترجمہ پیچھے اوراق میں دیکھئے)

**اعتراض :** مقدمہ مشکوٰۃ سے مرسل کا حکم بیان کیا ہے وہ جمہور کے مذہب کے مخالف ہے، اس سے پہلے عبارت یہ ہے۔

” حکم المرسل التوقف عند جمہور العلماء لانه لا یدری ان الساقط ثقة اولاً لان التابعی قد یروی عن التابعی. وفي التابعین ثقات و غیر ثقات “



مرسل کا حکم توقف ہے جمہور علماء کے نزدیک، اس لئے کہ جو راوی ساقط ہے اس کے متعلق علم نہیں کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ، کیونکہ تابعی کبھی تابعی سے روایت کرتا ہے اور تابعین میں کئی ثقہ ہیں، کئی غیر ثقہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا مرسل حدیث جمہور علماء کے نزدیک ضعیف ہے، لہذا دارقطنی کا ضعیف کہنا صحیح ہے۔

**جواب:** جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف نہیں بلکہ موقوف ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ جس راوی کو چھوڑا گیا ہے وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ راوی غیر ثقہ چھوڑا گیا ہے تو ضعیف۔ اور اگر پتہ چل جائے کہ راوی جسے چھوڑا گیا ہے وہ ثقہ ہے تو حدیث صحیح ہوگی۔ جب دارقطنی نے بھی تسلیم کیا ہے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑا گیا ہے تو یقیناً معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں تمام صحابہ عادل اور ثقہ راوی ہیں اور خصوصاً جب اس حدیث کو دوسری حسن صحیح حدیث سے تائید حاصل ہے تو یقیناً یہ حدیث صحیح، قابل قبول اور قابل حجت ہے۔

دارقطنی نے دوسری وجہ ضعف یہ بیان کہ ہے کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے اسے صحیح طریقہ سے نہیں بیان کیا اور تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ :

” هذا الحديث لم يسنده عن جابر بن عبد الله غير ابى حنيفة



والحسن بن عمارۃ و ہما ضعیفان“

اس حدیث کی سند جابر بن عبد اللہ تک کسی نے نہیں پہنچائی سوائے  
ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے وہ دونوں ضعیف ہیں۔

سبحان اللہ مخالفت نے اہل علم سے انصاف کا دامن کیسے چھڑا لیا، ایک  
وجہ یہ بیان ہوئی حدیث مرسل صحیح ہے۔ دوسری وجہ بیان ہوئی موسیٰ بن ابی  
عائشہ سے کسی نے صحیح طریقہ سے نہیں بیان کیا۔ تیسری وجہ بیان ہوئی  
حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کرنے میں دو راوی ہیں اور دونوں ضعیف  
ہیں۔

ضعیف کن کو کہا گیا ایک امام اعظم رحمہ اللہ کو اور دوسرا حسن بن عمارۃ  
رحمہ اللہ کو آئیے ذرا غور کیجئے کہ کسی راوی کو صرف ضعیف کہہ دینے سے وہ  
ضعیف ہو جاتا ہے یا کہ ضعف کی وجوہ پائی گئی ہوں۔

جب یقیناً ضعف کی وجوہ ہیں تو ان وجوہ میں سے کوئی ایک بھی امام  
اعظم رحمہ اللہ میں ثابت کر کے تو دکھائے صرف زبانی کلامی ضعیف کہنے سے تو  
کوئی ضعیف نہیں مانے گا۔

صحیح حدیث وہ ہے جس کو وہ راوی روایت کرے جس میں عدل تام  
اور ضبط غیر معلل پایا جائے۔ اور ضعیف حدیث وہ ہوگی جس میں یہ دونوں  
صفتیں نہ پائی جائیں۔

عدل تام اس وقت نہیں ہوگا جب راوی میں پانچ عیوب پائے  
جائیں۔ اس میں جھوٹ پایا جائے۔ اس پر جھوٹا ہونے کی تہمت پائی جائے



فاسق ہو، جہالت اس میں پائی جائے، بدعات کامر تکب ہو۔

ضبط کے خلاف بھی پانچ ہی عیب ہیں۔ غفلت زیادہ پائی جائے، غلطیاں بہت کرتا ہو، ثقہ راویوں کے خلاف روایت پائی جائے، اس میں وہم زیادہ ہو، حافظہ درست نہ ہو۔

خدا را انصاف کیجئے کوئی ایک عیب تو امام اعظم رحمہ اللہ میں ثابت کر کے تو دکھائیں۔ جب آپ میں وجوہ ضعف میں سے کوئی ایک وجہ ضعف نہیں تو آپ کو ضعیف کہنا کون سا انصاف ہے۔ ہر ذی شعور کو ماننا پڑے گا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث تو صحیح ہے لیکن دارقطنی کا ضعیف کہنا ضعف اور غلط ہے۔

(ماخوذ از شرح مسند امام اعظم)

**تنبیہ:** بعض اوقات اہل علم سے غیر ارادی طور پر ایسی غلطی ہوتی ہے کہ اگر اس کی گرفت نہ کی جائے تو اس کا عظیم نقصان ہوتا ہے۔ اگر کسی کی زبانی، کلامی بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ معاذ اللہ امام اعظم رحمہ اللہ ضعیف راوی ہیں تو تمام محدثین پر اعتبار ختم ہو جائے گا، جب کہ آپ کے علم، زہد و تقویٰ اور تابعی ہونے میں کوئی بھی آپ کے برابر نہیں۔ اس طرح تو کوئی دوسرا کہہ دے گا کہ میں معاذ اللہ بخاری، مسلم وغیرہ کو نہیں مانتا کہ انہوں نے جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہوں کیونکہ (معاذ اللہ) وہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔

خدا را انصاف کیجئے اور بتائیے کیا اس قسم کے اقوال (کلاموں) سے حدیث کو محدثین کو اور اسلام کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان، اگر آپ تھوڑا سا گہری



نظر سے دیکھیں اور تدبیر کریں تو یقیناً آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس سے تو فائدہ صرف منکرین حدیث کو ہو سکے گا۔ اسی لئے اہل علم نے حدیث کے مقام کو جانچنے کے لئے قوانین و ضوابط بنا دیئے ہیں۔ ان کا ہی احترام کیا جائے۔

**اعتراض:** امام جب قرأت کر رہا ہو تو وہ جب آیہ کو ختم کرے اور سانس لے اور جب تک دوسری آیہ نہ شروع کرے تو اس سکتہ (وقفہ) میں مقتدی سورۃ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ لے، پھر وقفہ میں تھوڑا سا اور پڑھ لے اس طرح مقتدی سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لے گا اور امام کی قرأت سننے میں بھی کوئی حرج لازم نہیں آئے گی۔

**جواب:** اس کا ایک جواب تو واضح ہے کہ ابھی تک جو بحث کی گئی ہے اس میں احادیث صحیحہ سے بیان کیا گیا ہے کہ امام خواہ آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو یا بلند آواز سے مقتدی خاموش رہے۔ اصل میں مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا منع ہے صرف سننے میں حرج لازم آنے کی بات نہیں، کیونکہ امام، کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے لہذا مقتدی صرف امام کی قرأت پر اکتفا کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ امیر ایمانی نے اپنی کتاب ”سبل السلام شرح بلوغ المرام“ میں کہا ہے کہ امام کی قرأت کے دوران سکتوں (وقفوں) میں پڑھنے میں دو قسم کے قول ہیں ایک یہ ہے کہ فاتحہ پڑھتے ہوئے درمیان میں جو وقفہ ملے اس میں مقتدی پڑھے، دوسرا قول یہ ہے کہ فاتحہ جب امام مکمل کر لے اور سورۃ بھی نہ شروع کرے تو اس وقفہ میں مقتدی پڑھے، ان دونوں قولوں کے متعلق کہا ”ولا دلیل علی هذا القولین فی الحدیث“ ان دونوں



قولوں والوں کے پاس حدیث پاک سے کوئی دلیل نہیں۔

لیکن یہ دوسرا جواب ضعیف ہے اس لئے کہ مستدرک حاکم میں ایک

حدیث عطاء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی :

” قال رسول الله ﷺ من صلى مكتوبة مع الامام فليقرأ بفاتحة

الكتاب في سكتاته ومن انتهى الى ام الكتاب فقد اجزأه“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص امام کے ساتھ فرض نماز پڑھے وہ (

امام کی قرأت کے دوران وقفہ میں فاتحہ پڑھے، جو شخص فاتحہ مکمل کرے اس کی

نماز درست ہوگی۔ اس لئے اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے صحیح جواب یہ ہوگا

” ففیه محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر اللیثی ضعفہ ابن

معین والدارقطنی وقال البخاری منکر الحدیث وقال النسائی

متروک“

(شرح آثار سنن ص ۱۷۴)

اس حدیث کے راویوں میں محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر لیثی

ہے ابن معین اور دارقطنی نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا بخاری نے

منکر الحدیث (منکر حدیث بیان کرنے والا) قرار دیا اور نسائی نے متروک کہا۔

اس لئے واضح ہوا کہ امام کی قرأت کے وقفہ کے دوران پڑھنے کا حکم جس

حدیث سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے۔

فاتحہ میں شدت یا حدیث پاک کی مخالفت :

غیر مقلدین فاتحہ پڑھنے میں اتنی شدت اختیار کرتے ہیں جس شدت کی وجہ

سے حدیث پاک کا ایک واضح حکم اٹھ جاتا ہے، جس پر عمل ممکن نہیں۔



## غیر مقلدین کا مذہب :

مدرك ركوع (ركوع پالینے والے) کی ركعت نہیں ہوتی ، اس لئے کہ ہر ركعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۹۹)

” ولو وجد الامام فی الركوع لا یعتد بتلك الركعة لان قراءة الفاتحة فرض عندنا“

(نزل الابراج ج ۱ ص ۱۳۳ نواب وحید الزمان)

اگر امام کو ركوع میں پالے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی وہ ركعت اسے نہیں ملی، کیونکہ ہمارے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔  
یعنی جماعت کھڑی ہو جائے ایک آدمی میں آئے امام کے ساتھ ركوع کرے تو غیر مقلدین کے نزدیک اسے ركعت نہیں ملی کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک فرض ہے۔

## احناف کا مسلک :

احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص بعد میں جماعت سے ملے کہ امام کے ساتھ ركوع کو پالے تو اسے وہ ركعت مل گئی۔

ہم بفضلہ تعالیٰ اپنے موقف پر چند احادیث پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ احناف کا مسلک ہی حق ہے۔ جب کہ غیر مقلدین کوئی ایک حدیث بھی نہیں پیش کر سکتے کہ ركوع میں امام کے ساتھ ملنے والا ركعت کو نہیں پاسکتا۔



” مالک عن ابن شہاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی ہریرة ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة “

( موطا امام مالک باب من ادرك ركعة من الصلوة ص ۷ )

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔

” مالک عن نافع ان عبد اللہ ابن عمر كان يقول اذا فاتتك الركعة فقد فاتتك السجدة “

( موطا امام مالک )

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جس شخص کا رکوع فوت ہو گیا اس کا سجدہ بھی فوت ہو گیا، یعنی اسے وہ رکعت نہیں ملے گی۔

” مالک انه بلغه ان عبد اللہ بن عمر وزید بن ثابت كانا يقولان من ادرك الركعة فقعد ادرك السجدة “

( موطا امام مالک )

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بے شک مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ جس کو رکوع مل گیا اسے سجدہ مل گیا۔ یعنی اسے رکعت مل گئی۔

” مالک انه بلغه ان ابا ہریرة كان يقول من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة ومن فاتته ام القرآن فقد فاتته محیر كثير “

( موطا امام مالک )

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بے شک جس شخص کو رکوع مل گیا اسے سجدہ مل گیا، جس کی فاتحہ فوت ہو گئی اس سے خیر کثیر فوت ہو گئی۔



اس حدیث پاک میں بفضلہ تعالیٰ احناف کا مکمل مسلک واضح ہو گیا کیونکہ احناف کا مذہب ہی یہ ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا، لیکن بعد میں آنے والے نے امام سے فاتحہ کو نہیں سنا اس لئے اسے وہ ثواب حاصل نہیں ہوگا جو شروع سے ملنے والے کو حاصل ہوتا ہے لہذا فاتحہ میں نہ ملنے والا خیر کثیر سے محروم ہو گیا۔

” اخبرنا مالک اخبرنا ابن شہاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی ہریرة ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرك من الصلوة ركعة“

قال محمد وبهذا ناخذ وهو قول ابی حنیفة رحمہ اللہ“

(موطأ امام محمد ص ۱۰۰ باب الرجل يسبق ببعض الصلوة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ جس شخص نے رکوع کو پالیا اس نے نماز کی وہ رکعت پالی۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

**اعتراض:** احادیث میں تو لفظ ”رکعة“ استعمال ہوا جس کا معنی رکعت ہی ہوتا ہے تم نے اس کا معنی رکوع کیا ہے یہ کیسے درست ہے۔

**جواب:** جب رکعت کا لفظ سجود کے مقابل استعمال ہوا ہے اس کا معنی رکوع ہی ہوا ہے تمام شارحین نے یہی معنی مراد لیا ہے اور بہت واضح اس حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے جس میں یہ ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا اس لئے سجود کو پالیا، جس کا رکوع فوت ہو گیا اسکا سجدہ فوت ہو گیا یہاں رکعت معنی کرنے سے کوئی مقصد ہی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ رکعت تو جمع سجدہ کے ہوتی ہے۔



## بخاری کی حدیث سے انحراف کیوں؟

” عن ابی بکرۃ انه انتهى الی النبی ﷺ وهو راكع فرکع قبل ان یصلی الی الصف فذكر ذلك للنبی ﷺ فقال زادك الله حرصا ولا تعد“

(بخاری)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ رکوع میں جا چکے تھے، یہ صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں چلے گئے (پھر آہستہ آہستہ صف میں پہنچ گئے) جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بتایا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری (نماز، نیکی پر) حرص کو اور زیادہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ صحابی نے رکوع میں مل کر رکعت کو پالنے کی غرض سے صف کے پیچھے ہی رکوع کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، بلکہ یہ فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا کہ صف کے پیچھے ہی رکوع کر لو بلکہ صف میں ملکر رکوع کیا کرو۔

اگر رکوع میں ملنے کی وجہ سے رکعت نہ ملتی تو نبی کریم ﷺ ضرور بیان کرتے آپ کا خاموش رہنا ہی دلیل ہے کہ صحابی کو وہ رکعت مل گئی تھی، کیونکہ جہاں آپ نقص دیکھتے تھے آپ فرماتے تھے نماز دوبارہ پڑھو۔

” عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ اذا جنتم الی الصلوۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شیاً ومن ادرك الرکعة فقد ادرك الصلوۃ“

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۹)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کی طرف آؤ تو ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کر لو، لیکن اسے رکعت نہ شمار کرو، اور جس نے رکوع کو حاصل کر لیا اسے نماز مل گئی یعنی اسے وہ رکعت مل گئی۔

اس حدیث میں ”الرکعة“ کا معنی رکوع کرنا بہت واضح، اس حدیث پاک کو غور سے پڑھیں، سمجھیں اور اندازہ کریں کہ احناف کا مذہب حدیث کے مطابق ہے یا غیر مقلدین کا؟ نام کا مچھلا لگانے کے بغیر ہی بفضلہ تعالیٰ حقیقت میں اہل حدیث (حدیث پر عمل کرنے والے) ہم ہیں، غیر مقلدین اپنے نام کے ساتھ اہل حدیث کا دم چھلا لگانے کے باوجود حقیقت میں اہل حدیث نہیں، اس لئے میں ان کے لئے اہل حدیث کا لفظ استعمال نہیں کرتا بلکہ غیر مقلدین کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔

”عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرکها قبل ان یقیم الامام صلبہ“

(صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۴۵ صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۳۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز کے رکوع کو پا لیا اس نے اس رکعت کو پا لیا، جب تک کہ امام سیدھا کھڑا نہیں ہوا۔

اس حدیث پاک میں اور زیادہ وضاحت موجود ہے کہ امام کے رکوع سے کھڑے ہونے سے پہلے جو رکوع میں مل گیا اسے وہ رکعت مل گئی۔



خلاصہ کلام :

عوامی حضرات اگر فاتحہ پڑھنے کی تمام بحث کو یاد نہ کر سکیں تو صرف یہ مختصر بحث ذہن میں رکھیں۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن شریف پڑھنا منع ہے، نماز خواہ جہری (بلند آواز سے پڑھنے والی) ہو، یا سری (آہستہ آواز سے پڑھنے والی ہو) مقتدی صرف سنے اور خاموش رہے۔

یہ مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے، اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ لیکن صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ احناف صرف رائے اور قیاس کے پابند نہیں ہیں جیسا کہ بعض متعصب غیر مقلدین الزام لگاتے ہیں بلکہ احناف نے جو مسلک اختیار کیا ہے اس کی بنیاد بھی کتاب و سنت ہی ہے۔ اور انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ جو کچھ سمجھا ہے اسی پر عمل کر رہے ہیں۔

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی :

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾  
جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

آیہ کریمہ کے متعلق کچھ بحث کے شروع میں کیا جا چکا ہے۔ مزید کچھ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔



اس آیت میں ”استمعوا“ اور ”انصتوا“ امر کے صیغے ہیں جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں نماز میں قرآن پاک کا سننا بالاتفاق واجب ہے۔

نماز دو طرح کی ہوتی ہے ”جہری“ جس میں امام بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہو، لہذا جہری نماز میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہوگا۔ اور ”سری“ جس میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے اس میں چونکہ سننا ممکن نہیں، اس لئے ”انصتوا“ (خاموش رہو) پر عمل ہوگا۔

امام چونکہ سری و جہری دونوں نمازوں میں قرأت کرتا ہے لہذا مقتدی کے لئے دونوں قسم کی نمازوں میں خاموش رہنا ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ ابتداء اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور امام کے پیچھے قرأت بھی جائز تھی لیکن بعد میں ان دونوں چیزوں کو منع کر دیا گیا۔

مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ میں ہے، صحابہ کرام فرماتے ہیں :

” کنا نتکلم فی الصلوٰۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوٰۃ حتی نزلت وقوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام“

(مسلم)

نماز میں ہم کلام کر لیا کرتے تھے۔ ایک شخص اپنے ساتھ والے شخص نماز کی حالت میں کلام کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ جب آیت ”وقوموا لله قانتین“ (نماز میں خاموشی سے خشوع کرتے ہوئے کھڑے ہو) نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہمیں کلام سے منع کر دیا گیا۔

” عن مجاهد قال کان رسول الله ﷺ یقرء فی الصلوٰۃ فسمع



قراءة فتي عن الانصار فنزل واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا“

(بیہقی)

حضرت مجاہد کہتے ہیں حضور ﷺ نماز میں قرأت کر رہے تھے۔ آپ نے ایک جوان کو قرأت کرتے ہوئے سنا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (اذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا) جب نازل ہوئی تو اس کے بعد امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کر دی گئی۔  
”قال علی بن طلحة عن ابن عباس واذا قرئ القرآن الخ یعنی فی الصلوة المفروضة“

(تفسیر عماد بن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، آیت ”واذا قرئ القرآن“ نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

”ذهب جماعة الى انها في القراءة في الصلوة“

(معالم التنزیل)

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آیت نماز میں قرأت کے متعلق نازل ہوئی۔  
”واذا قرئ القرآن فی الصلوة المكتوبة فاستمعوا له الى قراءته وانصتوا لقراءته“

(تفسیر ابن عباس)

جب قرآن پڑھا جائے فرض نمازوں میں تو اس کی قرأت کو سنو اور قرآن کی قرأت کے وقت خاموش رہو۔

ان تفاسیر سے واضح ہوا کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی اور مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا گیا۔



”فقرأة الامام له قرأة“ کو صحابہ کرام کی جماعت نے روایت کیا :

”عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ قال ن صلى خلف الامام  
فان قرأة الامام له قرأة“

(موظا امام محمد)

حضرت جابر بن عبد الله نے کہانی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی بے شک امام کی قرأت اس کی قرأت ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔

واضح ہو کہ اس حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، یعنی جابر بن عبد الله، عبد الله ابن عمر، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، عبد الله ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے۔ اور حدیث جابر کے بھی متعدد طرق ہیں جو ایک دوسرے کی مزید تقویت کا باعث بنتے ہیں۔

(ماخوذ از فیوض الباری شرح بخاری)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت :

’ابو حنیفة عن موسی عن عبد الله بن شداد عن جابر بن عبد الله  
ان رسول الله ﷺ قال من كان له امام فقرأة الام له قرأة“

(مسند امام اعظم)

حضرت جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے، امام اعظم رحمہ اللہ کی وجہ سے روایت کو ضعیف کہنے والے غلطی کا شکار ہوئے ان کے پاس ضعیف کہنے کی کوئی دلیل نہیں۔



## بخاری کی حدیث کا صحیح ترجمہ :

بخاری کی حدیث ”لا صلوة الا بفاتحة الكتاب“ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے اس ترجمہ پر حدیث مسلم شاہد ہے۔

بخاری کی رائے امام اعظم کی رائے سے اعلیٰ نہیں ہو سکتی :

عام لوگوں کو کچھ لوگ بخاری کا ترجمہ دکھا کر بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں، بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا ہے۔ اس کا ترجمہ عوام کو دکھانا اور یہ کہنا کہ بخاری میں یہ لکھا ہوا ہے۔

یاد رہے امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ابواب بنائے، عنوان منتخب کئے وہ احادیث نہیں، بلکہ امام بخاری کی رائے ہے، اور بخاری رحمہ اللہ کی رائے کو امام اعظم رحمہ اللہ کی رائے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ جامع الاحادیث (احادیث کو جمع کرنے والے) تو ہیں، لیکن امام اعظم رحمہ اللہ کی طرح مجتہد نہیں۔

بخاری رحمہ اللہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جب امام اعظم رحمہ اللہ نے احادیث پر عمل کیا۔ آپ رحمہ اللہ تابعی ہیں۔ صحابہ کا زمانہ آپ نے پایا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش سے پہلے بھی دین تھا۔ پہلے لوگ بخاری کے محتاج نہیں تھے۔



## مخاری کے عنوان سے بھڑکانے کی کوشش :

مخاری نے یہ عنوان ذکر کیا ہے۔

”باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات كلها في

الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت“

باب اس بیان میں کہ قرأت واجب ہے امام اور مقتدی پر تمام

نمازوں میں خواہ وہ حضرت میں ادا کرے یا سفر میں، ان میں جہر کیا

جاتا ہو یا وہ سری نماز ہو۔

اسی عنوان سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مخاری

میں یہ ہے، لوگ سمجھتے ہیں یہ بھی حدیث ہے۔ عوام کو کیا معلوم کہ یہ مخاری

نے خود عنوان قائم کیا ہے؟ کہاں مخاری اور کہاں امام اعظم رحمہما اللہ، ہر

ایک مقام کو پہچانا جائے۔

**اعتراض:** تم نے کہا امام کے پیچھے قرأت منع ہے حالانکہ ہدایہ خفیوں کی

مقبول اور بلند پایہ کتاب ہے اس کی پہلی جلد، فصل فی القراءة میں

فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ فتویٰ ہے۔ ”ويستحسن على سبيل

الاحتياط“ یعنی احتیاطاً سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھ لینا ہی بہتر ہے۔

(هدایہ) (صلوة الرسول ص ۲۰۵)

**جواب:** ہدایہ کا آپ کو مطلب سمجھ آتا تو جھگڑا کس کا تھا؟ جھگڑا ہی اس

بات کا ہے کہ آپ کسی عبارت کو ظاہری طور پر دیکھتے ہو، اس کی روح اور

حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، اور خصوصاً عبارات کو توڑ موڑ کر پیش کرنا آپ کا



کمال ہے، اس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہے۔ آئیے میں آپ کو ہدایہ سمجھاؤں۔

ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرے، اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بیان کیا گیا ہے، پھر اپنا مذہب بیان کرتے ہوئے ذکر کیا :

”ولنا قوله عليه السلام من كان له امام فقرأه الامام له قراءة  
وعليه اجماع الصحابة“

ہمارے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ صاحب ہدایہ نے دوسری دلیل اپنے موقف پر یہ قائم کی کہ اس پر اجماع صحابہ ہے۔

اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ مقتدی فاتحہ امام کے پیچھے پڑھے اس لئے کہ قرأت رکن ہے اور رکن مشترک ہے امام اپنے ارکان قیام، رکوع وغیرہ خود ادا کرتا ہے اور مقتدی اپنے ارکان خود، امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”وهو ركن مشترك بينهما لكن حظ المقتدى الانصات  
والاستماع قال عليه السلام واذا قرأ فانصتوا“

قرأتہ کا امام اور مقتدی کے درمیان رکن مشترک ہونا قابل تسلیم ہے، لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا ہے اور سننا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا



جب امام پڑھے تم خاموش رہو۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ نے بیان کیا :

” ويستحسن على سبيل الاحتياط فيما يروى عن محمد  
ويكره عندهما لما فيه من الوعيد“

امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت بیان کی گئی کہ احتیاطاً امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس میں وعید پائی گئی۔

امام محمد رحمہ اللہ کی طرف روایت کو مجہول طریقہ پر ذکر کر کے صاحب ہدایہ نے بتا دیا کہ امام محمد رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرنا ہی ضعیف ہے کیونکہ آپ نے اپنے مؤطا (مؤطا امام محمد) میں اپنا مسلک واضح طور پر بیان کیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت منع ہے۔

شیخین کے مذہب کی وضاحت فتح القدر میں اس طرح ہے :

” قوله ويكره المراد كراهة التحريم كما يفيدہ قول  
المصنف لما فيه من الوعيد“

مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مصنف نے بیان کیا ہے کہ  
اس میں وعید پائی گئی ہے۔

وعید والی حدیثوں کو ما قبل اوراق میں تفصیلاً ذکر کر دیا گیا ہے کسی میں نماز کے نہ ہونے کا ذکر، کسی میں اس کے منہ میں چنگاری کے ہونے کا ذکر اور کسی میں اس کے منہ میں مٹی کے ہونے کا ذکر۔



اب آپ خود بتائیں کہ صاحب ہدایہ نے ایک ضعیف قول کی نشاندہی کی یا کہ یہ کہا کہ امام کے پیچھے واقعی فاتحہ کا احتیاطاً پڑھنا مستحسن ہے۔

ہدایہ اگر صحیح سمجھ آئے تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ صاحب ہدایہ کا مقصد یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحسن ہے ضعیف ہے؛ کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منع ہے۔

## فتاویٰ ابن تیمیہ کی ایک جھلک :

غیر مقلدین کے عقائد کی دار و مدار ابن تیمیہ کے نظریات ہی ہیں۔ ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی طویل بحث ہے، طوالت سے بچتے ہوئے اس کی فیصلہ کن بات کو نقل کر رہا ہوں توجہ فرمائیں۔

”ولہذا روی فی الحدیث مثل الذی یتکلم والامام یخطب  
کمثل الحمار یحمل اسفارا فہکذا اذا کان یقرأ والامام یقرأ۔  
علیہ“

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص ۲۷۹)

حدیث پاک میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی جو امام کے خطبہ دینے کے دوران کلام کرے اس کی مثال گدھے جیسی ہے جو بوجھ اٹھائے پھرتا ہو۔ ایسے ہی جو شخص قرأت کر رہا ہو جب امام پڑھ رہا ہو۔

اتنے سخت الفاظ کوئی اور لکھتا تو یقیناً غیر مقلدین کو غصہ آتا ہے، لیکن جب ان کے عقائد کے امام نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو امام کے قرأت کرنے کے



دوران قرأت کرے وہ گدھے کی طرح ہے، تو امید ہے کہ وہ اسے برداشت کریں گے؛ کیونکہ یہ بات ان کے اپنے بزرگ کی ہے۔

## فیصلہ کن بات :

امام کے پیچھے قرأت سے اسی (۸۰) صحابہ کرام نے منع کیا ہے جن میں خلفاء راشدین بھی ہیں اور جلیل القدر صحابہ کرام بھی ہیں (جن کا ذکر گذشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے)

(عینی شرح بخاری)





## ﴿مسئلہ آمین کہنے کا﴾

امام جب قرآن پاک بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو سورۃ فاتحہ کو ختم کرے تو امام آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہیں۔ اتنی بات میں تو اتفاق ہے، بلند آواز سے آمین کہی جائے یا آہستہ اس میں اختلاف ہے۔

### احناف کا مذہب :

اس مسئلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ امام قرأت آہستہ آواز میں کر رہا ہو یا بلند آواز میں ہر صورت میں امام اور مقتدی آمین آہستہ آواز میں کہیں۔

### احناف کے دلائل :

(۱) آمین دعاء ہے :

”ومعناھا اللھم استجب عند الجمھور وقیل غیر ذلک  
مما یرجع جمیعہ الی هذا المعنی کقول من قال معنا اللھم  
آمین بخیر“  
(فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۶)

آمین کا معنی ہے ”اے اللہ قبول کر“ اسی طرح اور معانی بھی بیان  
کئے گئے تقریباً سب کا منہوم یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں بھلائی کے  
ساتھ امن میں رکھ۔

دعاء آہستہ آواز میں مستحب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ادعوا  
ربکم تضرعاً وخفیة“ اللہ تعالیٰ سے دعاء عاجزی سے اور آہستہ آواز میں کرو



اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے :

﴿واذا سألک عبادی عنی فانی قریب ، اجیب دعوة الداع اذا دعان﴾

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں ، تو میں نزدیک ہوں ، دعا قبول کرتا ہوں دعا والے کی جب مجھے پکارے۔

اس آیت میں بھی دعاء آہستہ آواز میں کرنے کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اس سے دعاء کی جائے تو آہستہ آواز سے۔

آہستہ آمین کہنا صحیح ستہ سے :

”حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن سمی مولى ابی بكر عن ابی الصالح المسان عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام غير المفضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين فانه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه“

(بخاری باب جهر الماموم بالتامین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام ”غیر المفضوب علیہم ولا الضالین“ کہے تو تم آمین کہو! بیشک جس کا قول (آمین کہنا) ملائکہ کے قول کے موافق ہو گیا، اس کے اس سے پہلے گناہ معاف کر دئے گئے۔

دوسری حدیث :

”عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال احدكم آمين وقالت الملائكة في السماء آمين فوافقت احدهما الاخرى غفر له ما تقدم من ذنبه“

(بخاری باب فضل التامین)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک آمین کہے تو آسمانوں میں فرشتے آمین کہتے ہیں جب ایک آمین دوسری آمین کے موافق ہو گئی تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دئے گئے۔

## وضاحت :

” وقد اجتمعت الامة على ان المنفرد يؤمن و كذلك الامام والمأموم في الصلوة السرية وكذلك قال الجمهور في الجهرية “

(نور علی مسلم ج ۱ ص ۱۹۶)

امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ بے شک منفرد، امام اور مقتدی آمین کہیں سری (آہستہ آواز سے پڑھنے والی) نمازوں میں اور جہری (بلند آواز سے پڑھنے والی) نمازوں میں بھی سب کا آمین پڑھنا ہی جمہور علماء کا مذہب ہے

” وانه ينبغي ان يكون تامين المأموم مع تامين الامام لا قبله ولا بعده لقوله ﷺ واذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين “ واما رواية اذا امن فامنوا فمعناها اذا اراد التامين

(نور علی مسلم ج ۱ ص ۱۹۶)

حدیث پاک کا معنی یہ ہے ”مناسب یہ ہے“ کہ امام جب آمین کہے تو ساتھ ہی مقتدی بھی آمین کہیں نہ پہلے اور نہ بعد اور جن روایت میں یہ ہے ”واذا امن الامام فامنوا“ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، ان کا مطلب یہ نہیں کہ امام جب آمین کہے چکے تو تم آمین کہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب امام



آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو۔

حدیثِ پاک میں ذکر ہے جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے پہلے گناہ معاف ہوں گے اس سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے چند احتمال ہیں انسان کی آمین اور ملائکہ کی آمین ایک وقت میں ہو اور ایک طرح ہو یعنی ریاء کاری نہ ہو، انداز تکبرانہ نہ ہو، کسی کو سنانا اور چرچا کرنا مقصود نہ ہو۔

یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آہستہ آواز میں آمین کہی جائے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ آواز میں ہوتی ہے اگر یہ بات کسی کو تسلیم نہ ہو تو وہ شخص کوئی ایک حدیث صحیح احادیث کی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب سے نکال کر دے جس میں یہ ذکر ہو کہ فرشتے بلند آواز سے آمین کہتے ہیں، جب یہ کوئی نہ ثابت کر سکے تو سمجھ لیجئے کہ حدیثِ پاک سے آہستہ آواز میں آمین کہنا ثابت ہو رہا ہے بلند آواز سے آمین کہنے پر اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں۔

**تنبیہ :** عنوان میں، میں نے ذکر کیا صحاح ستہ سے احادیث حوالہ صرف بخاری کا دیا ہے وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ کی تمام کتب میں ہے اس لئے طوالت سے بچتے ہوئے باقی کتب سے علیحدہ علیحدہ نہیں نقل کیں۔

**اعتراض :** بخاری نے جو عنوان مقرر کیا ہے اس کا نام ہے ”باب جہر الماموم بالتامین“ مقتدی کے بلند آواز سے آمین کہنے کا باب تعجب یہ ہے کہ بخاری کا حوالہ دیتے ہوئے تم نے خود بھی اسی عنوان کا حوالہ دیا ہے اب آپ بتائیں کہ یہ کیسے صحیح ہے کہ بخاری عنوان مقرر کرے بلند آواز سے آمین پڑھنے



کا بیان، آمین اور اس عنوان کے تحت (نیچے) حدیث ذکر کرے اور تم اس سے یہ ثابت کر رہے ہو کہ آمین آہستہ آواز سے پڑھنی چاہئے یہ تو ”التوجیہ بما لا یرضی بہ القائل“ (ایسی توجیہ کرنا جو کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو) ہے یہ درست نہیں۔

**جواب:** جہاں تک اعتراض میں تم نے یہ کہا کہ ہم نے خود عنوان وہی ذکر کیا جو امام بخاری نے ذکر کیا، یہ ٹھیک بات ہے؛ کیونکہ ہم حقائق کو بیان کرتے ہیں حقائق کو چھپاتے نہیں۔ یہ تو ہماری حق گوئی پر آپ نے مہر تصدیق شیعہ بخاری۔

جہاں تک بخاری کے عنوان کی بات ہے اسے تسلیم کرنا ہم پر لازم نہیں، کیونکہ بخاری نے عنوان کے ضمن میں جو حدیث نقل کی ہے اس حدیث کو دیکھنا پڑے گا کیا اس میں کوئی لفظ ایسا ہے جو بلند آواز سے آمین کہنے پر دلالت کر رہا ہے یا نہیں جب ہم نے حدیث پاک پر غور کیا تو ہمیں کوئی ایسا لفظ نظر نہ آیا جس سے بلند آواز سے آمین کا ثبوت ملے۔

بخاری رحمہ اللہ نے بلند آواز سے آمین کہنے پر استدلال صرف اس وجہ سے کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا امام جب ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھے تو تم آمین کہو ”قولوا آمین“ کے الفاظ سے یہ سمجھ آ رہا ہے کہ آمین بلند آواز سے کہنی چاہئے۔ لیکن ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ”قولوا“ کا معنی ہے ”تم کہو“ اس سے بلند آواز سے کہنا کیسے ثابت ہے۔ اگر تم کہو کہ ”قولوا“ سے بلند آواز سے آمین کہنا ثابت ہے تو ہم تم سے یہ پوچھیں گے کہ



حدیث شریف میں یہ بھی ثابت ہے ” اذ قال الامام سمع الله لمن حمدہ فقولوا اللهم ربنا لك الحمد “ جب امام سمع الله لمن حمدہ کے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو۔ کیا یہاں بھی بلند آواز سے ”ربنا لك الحمد“ کہنا ثابت ہے جب تمہارے نزدیک بھی یہاں جہر نہیں تو صرف ”قولوا“ سے آمین میں جہر ثابت کرنا کس طرح درست ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے ”فاذا جلس احدكم في الصلوة فليقل التحيات لله الخ“ جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو کہے ”التحيات لله الخ“ کیا التحیات بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے؟ جب ایسا نہیں تو صرف لفظ ”قولوا“ سے بلند آواز سے آمین پڑھنے پر زور کیوں؟

بات بہت واضح ہے کہ ”قولوا“ کا معنی ہے ”تم کہو“ اس سے یہ ثابت کرنا کہ تم بلند آواز سے آمین کہو، کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ لہذا بخاری رحمہ اللہ سے عنوان مقرر کرنے میں بھول واقع ہوئی اور یہ بھی واضح ہے کہ بخاری علیہ الرحمۃ امام اعظم رحمہ اللہ کے ہم مرتبہ نہیں تو بخاری کے قائم کردہ عنوانات کو ماننا ضروری نہیں، بلکہ ان کی بھول کو واضح کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ”ففسی ولم نجد له عزمًا“ تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ جب آدم علیہ السلام کی طرف نسیان کی نسبت ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بخاری علیہ الرحمۃ کی طرف نسیان کی نسبت منع ہو۔ یا نسیان کی نسبت کرنے والے کے خلاف طعن و تشنیع کا بازار گرم کر دیا جائے؟



” حدثنا محمد بن المثنى نا عبد الاعلى عن سعيد عن قتادة عن الحسن عن سمرة قال سكتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ فانكر ذلك عمران بن حصين قال حفظنا سكتة فكتبنا الى ابي بن كعب بالمدينة فكتب ابي ان احفظ سمرة قال سعيد فقلنا لقتادة ما هاتان السكتان قال اذا دخل في صلوته واذا فرغ من القراءة ثم قال بعد ذلك واذا قرأ ولا الضالين “

(ترمذى باب ماجاء فى السكتين)

حضرت سمرة رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دو سکتے ہیں کیونکہ میں نے ان دو سکتوں کو رسول اللہ ﷺ سے یاد کیا ہے۔ عمران بن حصین نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ہمیں صرف ایک سکتہ یاد ہے، (راوی نے) ہم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف مدینہ میں لکھا (یعنی کیا حضرت سمرة نے ٹھیک کہا ہے؟) تو انہوں نے (جواب میں) لکھا کہ سمرة زیادہ یاد رکھنے والے ہیں سعید کہتے ہیں ہم نے حضرت قتادہ سے پوچھا وہ دو سکتے (خاموش رہنا) کیا ہیں تو انہوں نے کہا جب نماز میں داخل ہو، اور جب قرآءة سے فارغ ہو۔

یعنی تکبیر افتتاح کے بعد ثناء، تعوذ، تسمیہ آہستہ آواز میں پڑھے، پھر سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو کر آمین آہستہ آواز میں کہے اس لئے کہ قرآءت سے فارغ ہونے سے مراد ”ولا الضالین“ پڑھنے کے بعد۔

اس حدیث کے بعد ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ علیہ بیان نے کیا ”حدیث سمرة حدیث حسن“ سمرة کی حدیث حسن ہے خیال رہے کہ حسن حدیث سے احکام ثابت ہوتے ہیں :

” روى شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر ابي العنيس عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبي ﷺ قرأ غير المفضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين وحفض بها صوته “

(ترمذى)



علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھا تو آہستہ آواز میں آمین کہا۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ آمین آہستہ آواز میں کہنی چاہئے خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔

**اعتراض :** اس حدیث پر ترمذی نے یہ ذکر کیا ہے۔ ”حدیث سفیان اصح من حدیث شعبہ“ سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے اور زیادہ اصح ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جس حدیث میں ”و مدبھا صوتہ“ ہے وہ روایت سفیان ہے اور وہ شعبہ کی حدیث سے قوی ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس حدیث سے جو تم آمین کہنے میں آہستہ آواز سے کہنا ثابت کرتے ہو وہ درست نہیں۔

**جواب :** اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ ”مدبھا صوتہ“ والی حدیث قوی ہے تو پھر بھی اس سے بلند آواز میں آمین پڑھنا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ حقیقی معنی ”مد“ کا لمبا کرنا ہے بلند کرنا ہے ہی نہیں حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی لینے کی کیا ضرورت جب دوسری احادیث سے آہستہ آواز میں آمین کہنا ثابت ہے تو یقیناً ”مدبھا صوتہ“ کا صحیح ترجمہ یہ ہو گا کہ آپ نے اپنی آواز کو کھینچ کر آمین مد سے پڑھا۔ بغیر مد کے آمین (بروزن فعیل) نہیں پڑھا۔ واضح ہو گیا کہ حقیقی معنی (کھینچ کر پڑھنا) ہی لینا صحیح ہے مجازی معنی ”بلند آواز سے پڑھنا“ صحیح نہیں۔





موطأ امام محمد (باب آمین فی الصلوة) سے حدیث

” اخبرنا مالك اخبرني الزهري عن سعيد بن مسيب و ابي سلمة ابن عبدالرحمن عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه قال ( مالك ) فقال ابن شهاب كان النبي ﷺ يقول آمين“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو بیشک جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے پہلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن شہاب نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ آمین کہتے تھے

اس حدیث پاک کو بیان کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے یہ ذکر کیا ” قال محمد وبهذا ناخذ ينبغي اذا فرغ الامام من ام الكتاب ان يؤمن الامام ويؤمن الامام ويؤمن من خلفه ولا يجهرون بذلك“

( موطأ امام محمد )

امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ جب امام فاتح پڑھنے سے فارغ ہو تو وہ بھی آمین کہے اور جو اس کے پیچھے ہیں وہ بھی آمین کہیں اور بلند آواز نہ کریں۔

الحمد لله راقم نے حدیث بخاری پر جو بحث کی تھی وہ اپنے ذہن



سے کہ بخاری کی حدیث سے آمین کا بلند آواز سے کہنا کسی طرح بھی ثابت نہیں وہی مطلب امام محمد رحمہ اللہ نے بخاری سے پہلے بیان فرمایا، راقم نے مؤطا امام محمد پر بعد میں نظر کی۔ اگر بخاری نے امام محمد رحمہ اللہ کے پہلے بیان کردہ مطلب کے خلاف اپنا موقف بیان کیا تو راقم کو بھی حق پہنچتا ہے کہ بخاری کے خلاف اپنا موقف پیش کرے۔

## آمین آہستہ پڑھنے پر واضح احادیث :

” عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ یعلمنا یقول لا تبادروا الامام اذ کبر فکبروا و اذا قال ولا الضالین فقولوا امین و اذا رکع فارکعوا و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللہم ربنا لک الحمد“

(مسلم باب انتمام الماموم بالامام)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہمیں (نماز کا طریقہ) سکھاتے تھے آپ فرماتے ہیں امام سے پہلے کوئی کام نہ کرو، امام جب تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب امام رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔

اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ آمین آہستہ آواز میں کہی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب نماز کا طریقہ بتایا تو آمین بلند آواز سے کہنے کا ذکر نہیں فرمایا۔

اور احادیث کے دوسرے احکام سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ آمین



آہستہ کہی جائے کیونکہ ربنا لک الحمد، آہستہ کہنا ہے تو آمین کو بھی آہستہ کہا جائے گا کیونکہ حکم ایک ہے۔

” عن ابی وائل قال کان عمر وعلی رضی اللہ عنہما  
لا یجہران بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا آمین“

(طحاوی ج ۱ ص ۱۴۰ باب قرآن بسم اللہ فی الصلوٰۃ)

ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تسمیہ اور تعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ دو جلیل القدر صحابی بلند آواز سے آمین نہیں پڑھتے تھے، لہذا آہستہ آواز میں پڑھنا ہی بہتر ہے

**اعتراض :** اس حدیث کی سند میں ابو سعد سعید بن مرزبان بقال ہے جس کو کئی لوگوں نے ضعیف کہا ہے۔

**جواب :** یہ بات قابل تسلیم ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ پر ضعیف ہے لیکن دوسری احادیث سے اس حدیث کو تائید حاصل ہے اسلئے یہ حسن لغیرہ بن گئی لہذا اس سے احکام کا ثابت کرنا صحیح ہے۔ ضعیف کو جب دوسری احادیث سے تائید حاصل نہ ہو تو پھر اس سے احکام ثابت نہیں ہوتے۔

” عن ابراہیم قال خمس ینخفین الا ما سبحانک اللہم  
وبحمدک والتعوذ و بسم اللہ الرحمن الرحیم و آمین و اللہم  
ربنا لک حمد“

(مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۸۷، مصنف ابن ایشیہ ج ۲ ص ۵۳۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پانچ چیز امام مخفی

رکھے



- (۱) سبحانک اللهم وبحمدک الخ (ثناء)
- (۲) تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)
- (۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم (۴) آمین
- (۵) اللهم ربنا لك الحمد اور اس حدیث پاک کی  
سندات صحیح ہیں۔

”عن ابراهیم انه كان بسر آمین“

(مصنف عبد الزاق ج ۲ ص ۹۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ آمین آہستہ کہتے تھے۔

”عن ابراهیم قال اربع يخفيهن الامام بسم الله الرحمن الرحيم والاستعاذة وآمين واذا قال سمع الله لمن حمده قال ربنا لك الحمد“

(مصنف عبد الزاق ج ۲ ص ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۲۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے (۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم (۲) استعاذہ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم) (۳) آمین (۴) اور جب امام سمع اللہ لمن حمده کہے تو اس کے بعد ربنا لك الحمد آہستہ کہے۔

**تنبیہ:** اس مسئلہ میں احناف کے ائمہ کا اختلاف ہے کہ امام، اور مقتدی دونوں ہی سمع اللہ لمن حمده اور ربنا لك الحمد پڑھیں۔ (یہ صاحبین کا مسلک ہے یا کہ امام صرف ”سمع اللہ لمن حمده“ کہے اور مقتدی صرف ”ربنا لك الحمد“ کہے (یہ امام صاحب کا مسلک ہے) فتویٰ اسی قول پر ہے۔ کیونکہ دوسری حدیث میں تقسیم موجود ہے جس میں ذکر ہے۔

”واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد“



جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کے تو تم اللہم ربنا لك الحمد کو تقسیم اشتراک کو نہیں چاہتی بلکہ ہر حصہ دار اپنا اپنا حصہ حاصل کرتا ہے یہاں بھی امام اور مقتدی کا حصہ علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔

**فائدہ:** احادیث میں، ربنا لك الحمد۔ اور اللہم ربنا لك الحمد اور اللہم ربنا ولك الحمد، تمام الفاظ آئے ہوئے ہیں جو چاہے وہ پڑھ لے، البتہ افضل آخری الفاظ کا پڑھنا ہے۔

”اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد بن ابراہیم قال اربع بخافت بہن الامام سبحانك اللهم وبحمدك والتعود من الشيطان الرجيم وبسم الله الرحمن الرحيم وآمين قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفہ“

(کتاب الآثار الامام ابی حنیفہ ج ۲۲)

امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کردہ آثار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ میں مذکور ہی کہ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا)

ہمیں ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ حماد نے روایت ابراہیم مٹی رحمہ اللہ سے کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں چار چیزوں کو امام آہستہ آواز سے پڑھے

(۱) سبحانك اللهم وبحمدك (۲) اعوذ بالله من الشيطان الرجيم (۳) بسم الله الرحمن الرحيم (۴) آمین۔

امام محمد رحمہ اللہ نے کہا یہی ہمارا مذہب اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

کا مذہب ہے۔



” عن ابراهيم قال قال عمر اربع يخفين عن الامام التعوذ  
وبسم الله الرحمن الرحيم وامين واللهم ربنا لك الحمد“

(كنز العمال ج ۸ ص ۲۷۴)

حضرت ابراهيم نخعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی  
اللہ عنہ نے فرمایا چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے۔

(۱) تعوذ (اعوذ بالله من الشیطن الرجیم)

(۲) بسم الله الرحمن الرحيم

(۳) آمین (۴) اللهم ربنا لك الحمد

” علقمه بن وائل يحدث عن وائل وقد سمعته من وائل انه  
صلى مع رسول الله ﷺ فلما قرأ غير المفضوب عليهم  
الاضالين قال آمين حفص بها صوته“

(السنن للبيهقي ج ۲ ص ۵۷)

حضرت وائل کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا  
کی جب آپ نے ”غیر المفضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھا تو  
آہستہ آواز سے آمین کہا

” عن علقمه بن وائل عن ابيه انه صلى مع النبي ﷺ حين قال  
غير المفضوب عليهم ولا الضالين قال آمين يحفص بها صوته“

(مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۳۲)

حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ وائل سے روایت کرتے ہیں کہ  
انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تو آپ نے جب  
”غیر المفضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھا تو آمین آہستہ آواز  
میں کہی۔

تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

” قال ابو حنيفة رحمه الله اخفاء التامين افضل وقال الشافعي



رحمہ اللہ اعلانیہ افضل واحتج ابو حنیفہ علی صحیحہ قولہ قال فی قولہ "آمین" وجہان احدہما انہ دعاء والثانی انہ من اسماء اللہ فان کان دعاء وجب اخفاؤہ لقولہ تعالیٰ (ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة) وان کان اسماً من اسماء اللہ تعالیٰ وجب اخفاءہ لقولہ تعالیٰ "(واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخفیة) فان لم یثبت الوجوب فلا اقل من الندبۃ ونحن بهذا القول"

(کبیر ۸ ج ۱۴ ص ۱۳۱)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قول کی صحت پر (احادیث کے ماسوا اور) دلیل یہ بیان کی ہے کہ لفظ "آمین" میں دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دعاء ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں رب تعالیٰ کا نام ہے اگر دعاء ہو تو مخفی رکھنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة" اپنے رب سے عاجزی کے طور پر اور آہستہ دعا کرو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں سے ہو تو پھر بھی مخفی رکھنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخفیة" اپنے رب کو عاجزی اور مخفی طور پر اپنے نفس میں یاد کرو۔

اس کے بعد علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آمین کا آہستہ کہنا واجب نہ بھی ثابت ہو تو مستحب تو ضرور ثابت ہو گا۔ ہم بھی اسی کے قائل ہیں کہ آمین آہستہ کہنا مستحب ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب :

جب اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں تو آمین آہستہ کہیں، جب ظہر اور عصر



امام کے پیچھے پڑھیں تو پھر بھی آہستہ ہی کہنی چاہئے لیکن جب آپ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ہوں تو جس وقت امام ”ولا الضالین“ کہے تو آپ کو اونچی آواز سے آمین کہنی چاہئے بلکہ امام بھی سنت کی پیروی میں ”آمین“ پکار کر کہے

(صلوة الرسول ص ۱۹۵)

## غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات :

”عن وائل بن حجر قال سمعت رسول الله ﷺ قرء غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين مد بها صوته“

(ترمذی، ابو داؤد، دارمی، ابن ماجہ)

وائل بن حجر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ نے پڑھا ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پھر کہا آمین اور دراز کی اس کے ساتھ آواز اپنی۔

(صلوة الرسول ص ۱۹۵)

اس حدیث کو علامہ صادق صاحب غیر مقلد نے آمین کے بلند آواز سے پڑھنے پر دلیل بنایا ہے۔ لیکن بلند آواز سے آمین پڑھنے پر اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں۔

اس حدیث کو پہلے ترمذی کے حوالہ سے پیش کیا جا چکا ہے کہ حضرت وائل سے ایک روایت میں ”وخفض بها صوته“ اپنی آواز کو پست رکھا۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے جبکہ ”مد بها صوته“ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے یعنی آواز کو لمبا کیا۔



علامہ صادق صاحب نے بھی معنی ٹھیک کیا ہے لیکن مراد غلطی کیونکہ انہوں نے معنی کیا ہے ”دراز کی اس کے ساتھ آواز اپنی“ اس معنی کے مطابق یہی مطلب مراد ہو گا کہ آپ نے آمین کہتے ہوئے آواز کو پست رکھا لیکن آمین کو کھینچ کر لمبی آواز سے پڑھانہ کہ بلند آواز سے پڑھا۔ کیونکہ آواز کو بلند کرنا ”مد“ کا مجازی معنی تو ہو سکتا ہے، حقیقی نہیں۔

## غیر مقلدین کی اور دلیل :

اس دلیل کا عنوان قائم کیا گیا ہے :

”آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھی“ صحیح بخاری میں ہے ”امن ابن زبیر ومن وراءه حتى ان للمسجد للجة“ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے مقتدی اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(بخاری) (صلوة الرسول ص ۱۹۷)

## غیر مقلدین کی ایک اور دلیل :

”عن ابی ہریرۃ قال ترک الناس التامین وکان رسول اللہ ﷺ اذا قال غیر المفضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع اهل الصف الاول فیرتج بها المسجد“  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا، رسول اللہ ﷺ جب غیر المفضوب علیہم والا الضالین کہتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے اور مسجد اس سے گونجنے لگتی۔



## ان دليلوں کا جواب :

غير مقلدين كى ان دونوں دليلوں سے آمين كا بلند كر كے نماز ميں پڑھنا يہاں تك كے مسجد ميں گونج پيدا ہو جائے " ثابت نہیں ہو سكتا۔

1 :- پہلی حدیث ميں "لجۃ اور دوسری ميں "ارتج" كے معانی گونج اٹھنا كئے گئے جو درست نہیں۔ ان دونوں لفظوں كا معنی لغت كے مطابق گونجنا غلط ہے۔

ارتج : تحرك و اهتز ، والبحر اضطرب والكلام والظلام  
اختلط والتبس۔

(المعجم الوسيط)

يعنى ارتج : كا تعلق جب كلام سے ہو تو اس كا معنی ہو گا "كلام ميں اختلاط پيدا ہونا" (ملى جلى آواز خواہ آہستہ ہی كيون نہ ہو)  
الرجة : آوازوں كا اختلاط ، ارتج الكلام : گفتگو كا ملتبس ہونا

(المنجد عربى ، اردو)

ارتجت الاصوات : اختلطت (المعجم الوسيط)

يعنى لجة كا معنی بھی آواز كا مختلط ہونا ہی ہے۔ التجت الاصوات :  
آوازوں كا مخلوط ہونا ، اللجة مخلوط آوازيں۔

(المنجد عربى اردو)

لغات كو ديكھنے سے پتہ چلا كے ان دونوں لفظوں كا معنی صرف آوازوں كا مل جل جانا ، آہستہ آہستہ آوازيں بھی بولنا اختلاط پيدا كر ديتا ہے۔ گونجنا ، چلانا شور كرنا معانی ضروری نہیں ، مجازى طور پر قرآن كے پائے جانے پر يہ معانی كسى حد تك مراد لئے جاسكتے ہیں۔



2 :- گونجنا، معنی کرنا اس لئے بھی درست نہیں کہ گونج پختہ اور چھوٹی عمارت میں پائی جاتی ہے۔ کچی عمارت میں کبھی گونج نہیں ہوتی، اور وسیع عمارت میں بھی گونج نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد کچی اور چھت کھجوروں کی پتوں اور چھڑیوں کا تھا، پانی ٹپکتا تھا، اس وقت کی مسجد کا گونجنا تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

آج کی مسجد نبوی وسیع، طویل و عریض ہونے کی وجہ سے نہیں گونجتی، اس لئے گونجنے کا معنی غلط ہے۔ واضح ہوا کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ مسجد نبوی نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے لیکر آج تک آمین سے گونج رہی ہے لغو اور باطل قول ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

3 :- دونوں حدیثوں میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں، اس لئے یہ کہنا کہ یہ نماز میں آمین کہنے کا ذکر ہے، یہ صرف عقلی احتمال ہے۔ اسے ہم ماننے کیلئے تیار نہیں۔ جب ”صلوة“ (نماز) کا ذکر نہیں تو ان احادیث کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے کہ ”لکن زبیر رضی اللہ عنہ نے دعاء میں آمین کہی اور دوسرے لوگوں نے بھی دعاء میں آمین کہی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ نے دورانِ خطبہ آمین کہی ہو اور دوسرے لوگوں نے بھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دورانِ جنگ آمین کہی ہو اور دوسرے لوگوں نے بھی کیونکہ آپ دورانِ جنگ قنوتِ نماز پڑھتے تھے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں بھی زیادہ واضح احتمال یہ ہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ فاتحہ کا آخری حصہ بطور دعاء پڑھا ہو، اس کے آخر میں خود



بھی آمین کہا ہو اور دوسرے لوگوں نے بھی آمین کہا ہو۔ جب دونوں حدیثوں میں نماز کا ذکر نہیں، تو زبردستی نماز مراد لینی کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔

**اعتراض :** پہلی حدیث میں ”وراء ہ“ کا ذکر ہے۔ جس کا معنی ہے ”ان کے پیچھے“، یعنی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب آمین کہی تو آپ کے پیچھے دوسرے لوگوں نے آمین کہی کسی کے پیچھے لوگ صف بنا کر اسی وقت کھڑے ہوتے ہیں جب نماز ادا کر رہے ہوں۔ اور دوسری حدیث میں ”صف“ کا واضح طور پر ذکر ہے۔ جس کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ معاملہ نماز کا ہی ہے۔ نماز کے بغیر صف کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

**جواب :** ”وراء“ کا لفظ بمعنی سواء، علاوہ کے آتا ہے، خواہ کوئی آگے ہو یا پیچھے۔ اب معنی یہ ہو گا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی آمین کہی ان کی آواز آپس میں محتلط ہو گئی (مل جل گئی)۔

دوسری حدیث میں جو صف کا ذکر ہے اس سے بھی نماز مراد لینا کوئی ضروری نہیں۔ اس لئے کہ نماز کے بعد دعاء کی جائے تو لوگ صف میں بیٹھے ہوتے ہیں۔

۴ :- پہلی حدیث بخاری سے لی گئی ہے جو علامہ بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کی ہے۔ تعلیقاً کا یہ مطلب ہے کہ ان کی سند حذف کر دی جائے، بخاری جو حدیثیں تعلیقاً ذکر کرتے ہیں ان کی سندیں جب نہیں ذکر کرتے تو ان



حدیثوں کو صحیح کہنا ضروری نہیں اور نہ ہی بخاری نے ان کے صحیح ہونے کو اپنے آپ پر لازم کیا ہے۔ لہذا ان حدیثوں کو دلیل بنا کر صرف جاہل عوام کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے کسی صاحب علم کو دھوکہ دینا ممکن نہیں۔ آئیے اسی مذکورہ حدیث کی سند کو دیکھ لیں بخاری نے صرف یہ ذکر کیا ہے۔

”وقال عطاء آمین دعاء امن ابن الزبیر ومن ورائه حتی ان

للمسجد للجة“

اسی حدیث کے بن السطور میں دیکھیں یہ تحریر ہے ”ابتداء کلام من اخبار عطاء“ کلام کی ابتداء عطاء کی خبر سے ہے۔ یعنی مفہوم یہ ہے کہ عطاء نے خبر دی ہے کہ آمین دعاء ہے ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے آمین کہی تو آپ کے علاوہ اور لوگوں نے بھی آمین کہی تو مسجد میں کلام کا اختلاط ہوا۔

یہاں دیکھ لیں کہ علامہ بخاری نے سند ات کو چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہ رہا۔ مقام توجہ یہ ہے کہ یہاں دعاء میں آمین کہنا زیادہ واضح ہے نماز میں آمین کہنا اتنا واضح نہیں۔

**اعتراض:-** مقدمہ مشکوٰۃ میں تو یہ ذکر ہے:

”والتعلیقات کثیرة فی تراجم صحیح البخاری ولها حکم

الاتصال لانه التزم فی هذا لکتاب ان لا یاتی الا بالصحیح

بخاری میں کثیر تعلیقات پائی گئی ہیں۔ لیکن وہ متصل (جن کی اسناد

حذف نہ ہوں) کے حکم میں ہیں، کیونکہ بخاری نے اس کتاب میں

صحیح احادیث کے ذکر کو لازم پکڑا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ بخاری



کی تعلیقات کو اصح الاسانید ماننا لازم ہو گیا۔ یہ کیسے کہا جائے گا کہ بخاری کی تعلیقات کو صحیح ماننا ضروری نہیں۔

**جواب:** اسی کے آگے مقدمہ مشکوٰۃ میں یہ بھی ذکر ہے ”ولکنہا لیست فی مرتبہ مسانیدہ الا ما ذکر منها مسند فی موضع آخر من کتابہ“ بخاری کی تعلیقات میں اگرچہ صحیح ہونے کا احتمال ہے لیکن ان کو وہ درجہ حاصل نہیں جو بخاری کی مسانید کو حاصل ہے۔ ہاں اگر معلق حدیث دوسری جگہ مسند ذکر ہو تو اس کی صحت کو ماننا ضروری ہو جائے گا۔

5:- دوسری حدیث قابل حجت ہی نہیں کیونکہ وہ ضعیف ہے اس کا ضعف سند کے لحاظ پر بھی ہے اور متن کے لحاظ پر بھی حدیث کا سند کے لحاظ سے ضعف دیکھیں۔ اس روایت میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کے متعلق بخاری نے کہا ”لا یتبع فی حدیثہ“ اس کی حدیث میں کسی اور نے اس کی تابعداری نہیں کی حضرت امام احمد حنبل نے کہا ”ضعیف“ وہ ضعیف راوی ہے۔ ابن معین نے کہا ”حدث بمناکیر“ اس نے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ نسائی نے کہا ”لیس بالقوی“ وہ راوی قوی نہیں۔ ”وقال ابن حبان یروی اشیاء موضوعة“ ابن حبان نے کہا وہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

(شرح آثار سنن ص ۱۸۹)

متن کے لحاظ پر حدیث کا اضطراب دیکھیں..... ابو داؤد نے بشر بن رافع کے طریق (واسطہ روایت) سے ہی حدیث بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:



” کان رسول اللہ ﷺ اذا تلا غیر المفضوب علیہم  
ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول“  
نبی کریم ﷺ جب تلاوت فرماتے ”غیر المفضوب علیہم  
ولا الضالین“ تو کہتے آمین یہاں تک کہ آپ کے متصل پہلی صف  
والے لوگ سنتے۔

اس حدیث کا ابن ماجہ والی حدیث سے دو طرح فرق ہے۔ ایک تو یہ  
کہ اس میں فیر تج بہا المسجد (مسجد گونجی (آپ کا معنی) کے الفاظ نہیں  
دوسرا فرق یہ ہے کہ حدیث ابن ماجہ میں ہے ”حتی یسمع اهل  
الصف الاول“ یہاں تک کہ پہلی صف والے سارے لوگ سنتے۔ اور حدیث  
ابوداؤد میں ہے ”حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول“ یہاں تک کہ پہلی  
صف میں سے وہ لوگ سنتے جو آپ کے متصل ہوتے۔ اس حدیث سے پہلی  
صف کے تمام لوگوں کا سننا نہیں سمجھ رہا، بلکہ صرف متصل چند لوگوں کا سننا  
سمجھ آتا ہے۔

اور یہی حدیث مسند ابی یعلیٰ میں بشر بن رافع کے واسطے سے ہی اس طرح ذکر ہے  
” نصر بن علی الجھضمی نا صفوان بن عیسیٰ عن بشر بن  
رافع عن عبد اللہ بن عم ابی ہریرة قال ترک الناس آمین وکان  
رسول اللہ ﷺ اذا قرأ غیر المفضوب علیہم ولا الضالین قال  
آمین حتی یسمع الصف الاول“

اس حدیث میں صف اول کا سننا تو ذکر ہے لیکن ”فیر تج بہا  
المسجد“ ذکر نہیں۔



جب ایک ہی سند سے ایک ہی حدیث کے الفاظ مختلف ہو جائیں بعض کا مطلب اور بعض کا اور : تو یہ متن میں اضطراب ہے۔ اس حدیث کو اپنے مطلب کے بعض الفاظ کے ذریعے جو دوسری جگہ نہیں دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

جب دو کتب میں یہ حدیث ”فیر تج بہا المسجد“ کے الفاظ سے خالی ہے تو دو کو چھوڑ کر صرف ایک کو دلیل بنانا کیسے درست ہے؟ جبکہ سند میں بھی ضعف ہے اور متن بھی اضطراب تو اسے دلیل بنانا ضعیف ہے۔

**اعتراض:** اگر بہت زیادہ گونج نہ ثابت ہو تو مطلقاً کچھ بلند آواز سے پڑھنا تو ثابت ہو گیا کہ پہلی صف کے کچھ لوگ سن لیتے تھے۔ تمہارا یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ وہ خود ہی سنے ”دوسرا نہ سنے“ اتنی آہستہ آواز میں پڑھنا کس طرح ثابت ہوگا۔

**جواب:** ہم نے آہستہ آواز سے پڑھنے پر دلالت کرنے والی احادیث کو ذکر کر دیا ہے اس حدیث کے متعلق اور اس سے پہلی حدیث کے متعلق ذکر کر چکے ہیں کہ ان میں نماز کا ذکر ہی نہیں۔ یہ مسئلہ دعاء کا ہے۔

اگر بالفرض ان کو نماز سے متعلق کیا جائے تو پھر بھی ان کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا پہلی حدیث کی صحت کا یقین نہیں اور دوسری کا ضعیف ہونا یقینی ہے۔ جب ان کو دلیل ہی نہیں بنایا جاسکتا تو یہ کہنا کہ اتنا سننا تو سمجھ آرہا ہے کہ پہلی صف کے قریب والے سن لیتے تھے بلا دلیل ہو گیا۔ ضعیف حدیث سے احکام ثابت نہیں۔

اگر ہم آپ کی بات کو تسلیم ہی کر لیں تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ



س کریم ﷺ بعض اوقات تعلیم امت کیلئے آہستہ پڑھنے والے الفاظ کو بلند پڑھ کر کرتے تھے یہ صرف آمین کی بات نہیں بلکہ ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کے کچھ الفاظ بلند آواز سے پڑھنے بھی ثابت ہیں۔

اعلاء السنن میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی تعلیم امت کیلئے آمین کہتے ہوئے کچھ بلند آواز سے آمین کہہ لیتے تھے۔

حضرت وائل ابن حجر کی ایک حدیث میں یہی وضاحت موجود ہے۔

”وقرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین یمد بہا صوتہ ما اراہ الا یعلمنا“

(اخرجه ابو بشر الدولابی فی الاسماء والکتی) (اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۸۶)

نبی کریم ﷺ نے جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آمین کہی اور اس میں آواز کو کچھ (رہاؤی نے کہا)

یہ میرا یقین ہے کہ صرف ہماری تعلیم کیلئے آپ نے ایسے کیا۔

”عن جمیل بن مرہ و حکیم انہم دخلوا علی مؤرق العجلی فصلی بہم الظہر فقرا بقاف والذاریات اسمعہم بعض قراءتہ فلما انصرف قال صلیت خلف ابن عمر فقرا بقاف والذاریات واسمعنا نحو ما اسمعناکم“

(طحاوی ج ۱ ص ۱۴۴)

جمیل ابن مرہ اور حکیم کہتے ہیں ہم مؤرق عجلی کے پاس گئے، انہوں نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی، آپ نے (پہلی رکعت میں) سورۃ قاف اور (دوسری رکعت میں) سورۃ والذاریات پڑھی اور ہمیں قراءت میں کچھ حصہ سنایا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا



کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے سورۃ قاف اور سورۃ ذاریات پڑھی۔ انہوں نے بھی ہمیں بعض حصہ سنایا تھا۔

یہ صرف تعلیم کیلئے تھا۔ جیسا نبی کریم ﷺ نے تعلیم کیلئے بعض الفاظ بلند آواز سے پڑھے، اسی کے مطابق صحابہ کرام اور تابعین نے بھی بعض الفاظ پڑھے۔

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں قنوت پر بحث کرتے ہوئے یہ تحریر کیا:  
 ” فاذا جهر به الامام احيانا ليعلم المامومين فلا بأس بذلك  
 فقد جهر عمر بالافتتاح ليعلم المامومين وجهر ابن عباس  
 لقراءة الفاتحة في صلوة الجنابة ليعلم انها سنة ومن هذا ايضا  
 جهر الامام بالتأمين “

(زاد المعاد ج ۷ ص ۷۰)

امام جب اسے (قنوت کو) کبھی بلند آواز سے پڑھے تاکہ مقتدیوں کو علم حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقتدیوں کی تعلیم کے لیے ثناء کو بلند آواز سے کبھی پڑھ لیتے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں فاتحہ کو کبھی بلند آواز سے پڑھ لیتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے، اسی قبیلہ سے ہی آمین کو بلند آواز سے پڑھنا بھی ہے۔

یعنی جو بعض اوقات بلند آواز سے آمین کے پڑھنے کی کوئی صحیح روایت مل جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

**تنبیہ:** نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی غیر مقلدین اور احناف کے



درمیان اختلاف پر مبنی ہے۔ اس کی علیحدہ بحث ہے۔ اسی تحریر میں اس کا بھی ذکر ان شاء اللہ کر دوں گا۔

## غیر مقلدین کی اور دلیل :

اس کا عنوان بنایا گیا ”حضرت علی کا آمین سنا“ اسکے تحت یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

”عن علی قال سمعت رسول الله ﷺ يقول آمین اذا قرا غیر المفضوب علیہم ولا الضالین“

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ”غیر المفضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھ کر آمین کہنا میں نے سنا

(مستدرک حاکم، اعلام الموقعین) (صلوة الرسول ص ۱۹۶)

## جواب :

پہلی بات تو آپ سے یہ پوچھنی ہے کہ ہم اگر مستدرک حاکم سے کوئی حوالہ پیش کریں تو آپ یہ کہتے ہیں۔ صحاح ستہ سے کوئی حدیث دکھاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تم سے کوئی جواب نہ من پڑے تو جان چھڑانے کیلئے پرویزیوں کی طرح تمہارا یہ حربہ ہے، جس طرح وہ کہتے ہیں ہم تو صرف قرآن کو مانتے ہیں، حدیث کو نہیں مانتے (العیاذ باللہ) لیکن خیر یہ تو صرف اس لئے ذکر کر دیا ہے، لوگوں کو آپ کا پتہ چل جائے کہ تم بھی صحاح ستہ کے بغیر حدیثیں اپنا موقف ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے ہو۔



آئیے اب اصل جواب کی طرف، خدا را ذرا انصاف سے یہ تو بتائیں کہ حدیث پاک میں نماز کا ذکر ہے کہ آپ نماز میں آمین کو سنتے تھے۔ پھر یہ تو بتائیں کہ حدیث پاک میں کوئی ایسا لفظ ہے جس کا معنی یہ ہو کہ حضور ﷺ بلکہ آواز سے آمین پڑھتے تھے۔ جب یہ ذکر نہیں تو ایک احتمال یہ ہے کہ یہ نماز کے بغیر دعاء کا مسئلہ ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے قریب کھڑے ہوں۔ حضور ﷺ نے آہستہ آواز سے پڑھا ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن لیا ہے۔ ہم کئی مرتبہ بعض اماموں کے آہستہ پڑھنے کے باوجود ان کے کئی الفاظ سن رہے ہوتے ہیں۔ اور تیسرا احتمال یہاں بھی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے تعلیم امت کیلئے کبھی کبھی آواز سے پڑھا لیا ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن لیا ہو۔

اس حدیث سے تمہارا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں کئی احتمال ہیں، لہذا یہ حدیث قابل حجت و دلیل نہیں۔

## غیر مقلدین کی اور دلیل :

عنوان مقرر کیا گیا ہے ”عورتوں کی صف میں آمین کی آواز“ اس کے تحت یہ حدیث نقل کی گئی۔

”عن ابن ام الحصین عن امہ انہا صلت خلف رسول اللہ ﷺ فلما قال ولا الضالین قال آمین فسمعتہ وہی فی صف النساء“  
حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز



پڑھی حضور ﷺ نے جب ولا الضالین پڑھی تو آمین کہی جسے مائی صاحبہ (ام حصین) نے سنا۔ حالانکہ مائی صاحبہ عورتوں کی صف میں تھیں۔

یہ حدیث امام زیلعی اپنی تخریج میں لائے ہیں اور اسناد پر کوئی جرح نہیں کی اور حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی غیر مجروح ہے اور طبرانی کبیر میں بھی مروی ہے۔

(صلوة الرسول ص ۱۹۶، ۱۹۷)

جواب :

پہلی بات تو یہی ہے کہ یہ حدیث تم نے صحاح ستہ سے کیوں نہیں لائی؟ خیر ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض صرف تمہاری بے اصولی پر ہے۔ ورنہ جو حدیث بھی ہو کسی کتاب سے ہو ہمارے سر آنکھوں پر، ہم صرف حدیث کے معیار کو دیکھیں گے، اگر ضعیف ہوئی تو حجت نہیں بنائیں گے، اگر صحیح ہوئی تو حجت (دلیل) بنالیں گے جو حدیث تم نے پیش کی ہے وہ ضعیف ہے اس لئے اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

اس حدیث کی سند میں ”اسماعیل بن مسلم مکی“ ہے۔ جس کو ترمذی نے کئی مقامات پر ضعیف بتایا ہے۔ امام احمد حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”ہو منکر الحدیث“ وہ منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ نسائی رحمہ اللہ نے کہا ”ہو“



متروک "وہ متروک ہے یعنی اس کی روایت کردہ حدیثوں کو چھوڑ دیا گیا۔

(از کشف المعضلات ص ۱۷۳)

خیال رہے کہ اس میں یہ احتمال بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آمین کچھ آواز سے تعلیم امت کیلئے کہی ہو۔ ساتھ والوں نے سن کر اتنی آواز میں کہہ لی ہو، اس طرح یہ سلسلہ عورتوں کی صف تک پہنچ گیا ہو۔ حدیث میں صرف ایک بار سننے کا ذکر ہے۔ ہمیشہ سننے کا ذکر نہیں۔ اسلئے اس حدیث سے ہمیشگی ثابت کرنا ممکن ہی نہیں۔

## غیر مقلدین کی اور دلیل :

"وکان ابو ہریرۃ ینادی الامام لا تفتنی بآمین"

(بخاری ج ۱ باب جہر الامام بالتامین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کو آواز دے کر کہتے تھے کہ ایسا نہ ہو میری آمین جاتی رہے۔

اس حدیث اور بخاری کے عنوان سے پتہ چلا کہ امام کو بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے۔ آہستہ آمین کہنے کا قول صحیح نہیں۔

## جواب :

یہ حدیث بھی بخاری نے تعلیقاً ذکر کی ہے۔ جسے دلیل بنانا اور صحیح کہنا ثابت نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے اسناد بیان کر کے وصل کر دیا ہے، اور وجہ بھی بیان کی ہے کہ یہ کس وقت کا ارشاد ہے۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مؤذن تھے، آپ امام سے کہتے کہ اتنی جلدی نہ



کرنا کہ میری آمین جاتی رہے، اس حدیث سے واضح ہوا کہ آمین کہنا سنت ہے اور صحابہ کرام کو آمین کہنے کا کیسا شوق تھا۔ اس حدیث سے بلند آواز سے آمین کہنا کیسے ثابت ہوا۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مؤذن تھے علاء بن حضرمی کے بحرین میں اور کچھ وقت کیلئے مروان بن حکم کے بحرین میں مؤذن رہے۔ آپ نے یہ شرط لگائی تھی کہ میں مؤذن تب رہوں گا جب مجھے پہلی رکعت کی فاتحہ میں ملنے دیا جائے گا تاکہ میں امام کے ساتھ آمین میں شریک ہو سکوں۔ اس میں آمین بلند آواز سے کہنا ثابت نہیں۔

(از عینی شرح بخاری ج ۶ ص ۴۸)

## اعتراض:

یعنی میں تو اسی بحث کے ضمن میں یہ ذکر ہے۔

”فکان اذا قال مروان ولا الضالین قال ابو ہریرہ آمین یمد بہا صوتہ  
وقال اذا وافق تامين اهل الارض تامين اهل السماء غفر لهم“

(عینی ج ۶ ص ۴۸)

مروان جب ”ولا الضالین“ کہتا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آمین کہتے اور آواز کو بلند کرتے اور یہ کہتے کہ جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین کے موافق ہو گئی تو ان کے (پہلے گناہوں کی) مغفرت کر دی جائے گی۔

اس سے تو واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بلند آواز سے

آمین کہتے تھے۔



جواب :

یہاں بھی ”یمد بھا صوتہ“ کا معنی بلند آواز سے آمین کہنا کر دیا گیا ہے حالانکہ صحیح معنی یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آواز کو کھنچ کر لمبا پڑھتے تھے اس معنی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے تائید بھی پائی گئی ہے کہ آپ جب آمین لمبی آواز سے (بلند سے نہیں) کہتے تو ساتھ یہ فرماتے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کی مغفرت ہوگی۔ فرشتوں کی آمین بلند آواز سے نہیں ہوتی۔ بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ آمین کو ذرا آہستہ پڑھا جائے، لمبا کر کے پڑھا جائے تاکہ فرشتے بھی پڑھنا شروع کریں تو ہماری آمین ان کی آمین سے مل جائے اور ذریعہ بخشش بن جائے۔

اس حدیث سے بلند آواز سے آمین کو ثابت کرنا بے فائدہ کوشش ہوگی۔

## غیر مقلدین کی اور دلیل

” عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ اذا فرغ عن قراءۃ ام القرآن رفع صوتہ وقال آمین“

(دار فطنی، مستدرک حاکم آثار سنن ص ۱۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم ﷺ جب فاتحہ کے پڑھنے سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

اس حدیث سے تو واضح طور پر ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بلند آواز

سے آمین کہتے تھے۔



جواب :

اس حدیث کے متعلق آثار السنن میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں ”وفی اسنادہ لین“ اس کے اسناد میں کمزوری ہے شرح میں طویل بحث کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکی سند کے متعلق کہیں صحیح اور کہیں حسن ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے راویوں میں اسحاق بن ابرہیم بن العلاء زبیدی بن زبیر لقی ہے جس کو ابو داؤد اور نسائی نے ضعیف کہا۔ محمد بن عوف طائی نے کاذب کہا ”ثبت ان اسنادہ لا یخلو عن وھن“ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا اسناد کمزوری سے خالی نہیں۔ پھر اس کے متن میں بھی اضطراب ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں زہری نے سعید اور ابو سلمہ سے روایت کی اور دونوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

” ان النبی ﷺ کان اذا فرغ من قراءۃ فاتحۃ الكتاب رفع صوتہ بآمین“  
 پیشک نبی کریم ﷺ جب فاتحہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہا۔

لیکن اسی سند سے جو روایت زہری نے فقط ابو سلمہ (یعنی سعید کا ذکر نہیں) سے اور ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ”اس کے الفاظ یہ ہیں۔

” عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ اذا امن الامام فامنوا“  
 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی بیان فرمایا



جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

دارقطنی نے متن کا یہ اختلاف بیان کرنے کے بعد ذکر کیا  
”والمحفوظ عن الزہری اذا امن الامام فامنوا“

زہری سے صحیح باوثوق روایت وہی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ امام  
جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

معلوم ہوا کہ زہری سے وہ روایت محفوظ ہی نہیں جس میں یہ ذکر ہے  
کہ حضور ﷺ نے جب ولا الضالین پڑھا تو بلند آواز سے آمین کہا۔

جب یہ حدیث متن کے لحاظ پر اضطراب کا شکار ہے اور سند کے لحاظ  
پر بھی کمزوری سی خالی نہیں تو اسے کیسے دلیل بنایا جاسکتا ہے کہ آمین بلند آواز  
سے پڑھنی چاہیے۔

## غیر مقلدین کی اور دلیل :

اس پر عنوان مقرر کیا گیا ہے ”یہودیوں کا آمین سے چڑنا“ اس کے  
تحت یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ ما حسد تکم الیہود علی  
شئ ما حسد تکم علی آمین فاکثروا من قول آمین

(رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں  
کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس قدر یہود آمین (اوپچی) سے  
چڑتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں پس تم بہت آمین کہنا

(ابن ماجہ) (صلوة الرسول ص ۱۹۹)



جواب :

اس حدیث کا ترجمہ ہی تم نے غلط کیا ہے۔ ایک غلطی تو یہ کی کہ حسد کا معنی چڑنا کر دیا۔ حالانکہ حسد کا مطلب ہوتا ہے کسی کی نعمت کا زوال طلب کرنا کہ اس سے وہ نعمت زائل ہو جائے اور مجھے مل جائے ایک اور لفظ ہے ”غبطة“ جس کا مطلب ہے کسی کی نعمت جیسی نعمت کی طلب ہو لیکن اس کی نعمت کے زوال کی تمننا نہ ہو۔ ایک ہے کسی کی نعمت پر جلنا ، غصہ میں آنا ، دانت پینا۔ یہ ہے ہماری زبان میں چرنا۔

واضح ہوا کہ حدیث پاک کا ترجمہ اپنا مطلب نکالنے کیلئے غلط کر دیا گیا غلط تراجم سے صرف جملاء کو بھکایا جاسکتا ہے۔ پھر ترجمہ میں بریکٹ میں (اوپنی) کا اضافہ بھی غلط ہے۔ وہ کون سا قرینہ پایا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے بریکٹ میں (اوپنی) کے لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

آئیے دیکھیں صحیح ترجمہ کیا ہے؟ صحیح ترجمہ یہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود تم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جتنا آئین پر حسد کرتے ہیں، آئین زیادہ کہا کرو۔

اس حدیث پاک سے پہلے ابن ماجہ کے اسی باب ص ۶۱ پر ہی ایک اور حدیث شریف ذکر ہے، ذرا اسے دیکھیں۔

” عن عائشة عن النبي ﷺ قال ما حسد تكم اليهود على



شنی ما حسد تکم علی السلام والتامین

(ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر یہود کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں

آئیے ان احادیث کو سمجھنے کی کوشش کریں پھر خود خود واضح ہو جائے گا کہ ان کا مطلب کیا ہے۔

” لعل سبب حسد ہم ان ہذین الامرین مطبو عان لهم ولا يعملون بہما لئلا یلزمہم التاسی والافتداء باہل الاسلام “

(انجاء الحاجۃ)

یہود کے حسد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو بھی یہ دونوں چیزیں یعنی سلام اور آمین عطاء ہوئی تھیں، لیکن وہ عمل نہیں کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کی افتداء لازم نہ آجائے، مسلمانوں کی افتداء ان کیلئے پریشانی کا سبب تھی۔

حدیث پاک میں نماز کا ذکر نہیں۔ جس سے پتہ چلے کہ یہ نماز میں آمین کہنا مراد ہے۔ اور بلند کہنے کا کوئی ذکر نہیں کہ پتہ چلے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ یہود کو مسلمانوں پر حسد تھا کہ ان کو سلام اور آمین جیسی نعمتیں ملیں تو یہ ان پر عمل بھی کر رہے ہیں۔ ہم عمل تو نہیں کر سکے اللہ کرے کہ یہ نعمتیں مسلمانوں سے بھی چھن جائیں تاکہ یہ بھی ان سے محروم ہو جائیں۔ اب آپ خود ہی انصاف سے بتائیں کہاں نماز میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے حدیث پاک میں تو صرف آمین کہنے کا ذکر ہے۔



حقیقت یہ ہے :

” قال النيموى لم يثبت الجهر بالتامين عن النبي ﷺ ولا عن الخلفاء الاربعة وما جاء فى الباب فهو لا يخلو من شئى “

(آثار سن) ص ۱۹۰

نیموی نے کہا آمین بلند آواز سے کہنا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفاء راشدین سے۔ اور جو حدیثیں ثابت ہیں وہ ضعف سے خالی نہیں (جن کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے)

غیر مقلدین اور احناف میں فرق :

غیر مقلدین کی گندی ذہنیت اور یہودگی دیکھیں، پھر اہل سنت و جماعت احناف کی سنجیدگی۔ فرق واضح ہو جائے گا۔

غیر مقلدین کا یہودہ کلام :

اے منکرین آمین بالجہر (بلند آواز) سے روکنے والو! سوچو کہ تم کس قدر بے نصیب اور نامراد ہو بلکہ اوروں کو بھی اس نعمت سے نامراد اور بے نصیب کرتے ہو۔

(اثبات آمین بالجہر ص ۱۳ مولوی نور محمد گرجا کھی غیر مقلد)

اسی رسالہ میں اور یہودہ انداز انہوں نے یوں اختیار کیا ”یہودی آمین بالجہر سے جلتے تھے، حنفی بھی آمین بالجہر سے جلتے ہیں۔“

(اثبات آمین بالجہر)



یہ زہر افشانی، کلام نجس، انسانیت سے دور غیر مقلد مولوی کی ہے۔ جب مولوی یہ ہے تو جاہلوں کا کیا کہنا۔

## احناف کا سنجیدہ کلام :

حضرت علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ مہتمم حزب الاحناف لاہور اپنی تصنیف لطیف فیوض الباری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں :

واضح ہوا کہ آئین بالجہر و قراءۃ خلف الامام و رفع یدین وغیرہ ایسے مسائل نہیں ہیں جن کی بنیاد پر ایک دوسرے پر زبان طعن دراز کی جائے اور گمراہی و بے دینی کے فتوے دیئے جائیں۔ یہ فروعی مسائل ہیں اور سلف صالحین میں بھی ان کے متعلق دورائیں تھیں اور ائمہ دین امام اعظم ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھی ان مسائل میں اختلاف رہا ہے اور ہے۔ ہر ایک فریق نے کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر دیانت داری سے جو کچھ سمجھا ہے اس پر عمل کیا ہے۔

غیر مقلد وہابی ان مسائل میں جو غلو کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض تو احناف پر حدیث رسول پس پشت ڈال دینے تک کا الزام لگاتے ہیں، یہ ان کی سخت نادانی ہے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے ان مسائل میں غلو سے باز رہنا چاہیے۔

ہم اہلسنت و جماعت کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ آئین و رفع یدین کرنے والوں کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے ہم



ان فروعی مسائل کی بنیاد پر کسی کو گمراہ وبے دین نہیں قرار دیتے۔ البتہ غیر مقلد وہابیوں سے ہمارا اصل اختلاف عقائد کا اختلاف ہے، جس کی بناء پر ہم انہیں حق پر نہیں سمجھتے۔

(فیوض الباری ج ۲ ص ۴۲۹)

جو بحث بیان کی ہے اس میں غیر مقلدین کی بہترین اور ان کے خیال میں پختہ دلیلوں کا جواب دے دیا ہے، اور اپنے دعویٰ پر صحیح احادیث کو پیش کر دیا ہے امید ہے کہ اہل سنت و جماعت احناف کو اپنا مذہب سمجھنے میں مدد ملے گی اور غیر مقلدین بھی ضد اور عناد اگر چھوڑیں تو ان کو بھی راہ راست پر لانے کیلئے یہ تحریر معاون ثابت ہوگی۔





# تکبیراتِ عیدین

عید کی نماز کی تکبیروں اور قراءت میں غیر مقلدین اور احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

## غیر مقلدین کا مذہب :

عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیرات زوائد ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات زوائد ہیں۔ پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد قراءت سے پہلے ہیں اور دوسری رکعت میں بھی قراءت سے پہلے ہیں۔

## احناف کا مذہب :

دونوں رکعتوں میں تکبیرات زوائد تین تین ہیں۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تعوذ اور تسمیہ سے پہلے تکبیرات زوائد کہی جائیں۔ اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تکبیرات زوائد کہے اور پھر چوتھی تکبیر بغیر رفع یدین کے رکوع کیلئے کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔

## غیر مقلدین کے دلائل :

”عن عمر وشعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ کبر فی عید“



ثنتی عشره سبعا فی الاولی و خمساً فی الآخرة

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰ ابن ماجه ابواب اقامة الصلوة باب ما جاء فی کم یكبر الامام فی صلوة العیدین دارقطنی كتاب العیدین سنن كبرى للیهقی باب التکبیر فی صلوة العیدین)

عمر و بن شعیب اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے عید میں بارہ تکبیریں کہیں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ۔

**تنبیہ:** مکمل جواب تو ان شاء اللہ بعد میں آئے گا۔ البتہ سند حدیث پر ہر حدیث کے ساتھ ساتھ بحث کی جاتی ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ غیر مقلدین جو احادیث اس مسئلہ میں پیش کرتے ہیں اور ان کی اسناد کا کیا حال ہے؟

اس حدیث کی سند کے متعلق بیان کیا گیا ”واسنادہ لیس بالقوی“ اس کی سند قوی نہیں۔

(آثار سنن ص ۴۹۴)

”عن عمر و بن عوف المزنی ان النبی ﷺ کبر فی العیدین فی الاولی سبعا قبل القرءة“

(ترمذی باب فی التکبیر فی العیدین، و ابن ماجه باب ما جاء فی کم یكبر الامام فی صلوة العیدین) عمر و بن عوف مزنی سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے عیدین میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں قراءت سے پہلے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ”واسنادہ ضعیف جدا“ اسکی سند بہت ہی زیادہ ضعیف ہے۔

کیونکہ اس کی سند میں ”کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف مزنی“ ہے



جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔

” قال الذهبی فی المیزان قال ابن معین لیس بشئی وقال الشافعی وابدؤد رکن من ارکان الکذب وقال النسائی لیس بثقة “

(از شرح آثار سنن ص ۴۹۵)

ذہبی نے میزان میں ذکر کیا ہے کہ ابن معین نے اس راوی کے متعلق کہا ہے وہ کوئی چیز نہیں۔ امام شافعی اور ابو داؤد رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ وہ کذب کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ نسائی نے کہا وہ ثقہ نہیں۔

” عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ کبر فی الفطر والاضحی سبعا وخمسا سوی تکبیرة الرکوع “

(ابن ماجہ باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلوة العیدین ابو داؤد باب التکبیر فی العیدین)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں رکوع کی تکبیر کے بغیر سات اور پانچ تکبیریں کہیں۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے۔

”وفی اسنادہ ابن لہیعة وفیه کلام مشہور“

(آثار سنن ص ۴۹۶)

اس حدیث کی راویوں میں ایک راوی ابن لہیعة ہے جس کے ضعف کے متعلق مشہور کلام ہے۔

” وعن سعد المؤذن ان رسول اللہ ﷺ کان یکبر فی العیدین

فی الاولی سبعا قبل القراءة وفی الآخرة خمسا قبل القراءة “

(ابن ماجہ باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلوة العیدین)



سعد مؤذن سے مروی ہے پيشك رسول اللہ ﷺ عیدین میں پہلی رکت قرأت سے پہلے سات تكبيریں کہتے اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تكبيریں کہتے۔

اس کی سند کے متعلق کہا گیا ہے ”واسنادہ ضعیف“ اس کی سند ضعیف ہے

(آثار سنن ص ۴۹۶)

اس کی سند کے ضعف کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ روایت ”عبد الرحمن بن سعد قرظی“ سے آرہی ہے جس کے متعلق یوں کہا گیا ہے

”قال الذهبی فی المیزان لیس بذالك وقال الخزرجی فی الخلاصة ضعفه ابن معین وقال الحافظ فی التقریب ضعیف“

(شرح آثار السنن ص ۴۹۷)

ذہبی نے میزان میں اس راوی کے متعلق کہا ہے کہ وہ کوئی قابل اعتبار نہیں اور خزرجی نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے، ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

”عن نافع مولی عبد اللہ بن عمر و قال شهدت الاضحی والقطر مع ابی هريرة فکبر فی الرکعة الاولى سبع تکبيرات قبل القراءۃ وفي الاخری خمس تکبيرات قبل القراءۃ“

(موظا امام مالک باب ماجاء فی التکبير والقراءۃ فی صلوة العیدین)

حضرت عبد اللہ بن عمر کے غلام نافع (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے کہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے پہلی رکت میں سات تكبيریں کہیں قرأت سے پہلے۔ اور دوسری رکت میں قرأت سے پہلے پانچ تكبيریں کہیں۔



اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے ”واسنادہ صحیح“ اس کی سند صحیح ہے۔

(آثار سنن بصر ۴۹۶)

”عن عمار بن ابی عمار ان ابن عباس کبر فی عید ثنتی عشرة تکبیرة وسبعا فی الاولى وخمسا فی الآخرة“

(مصنف ابن ابی شیبہ باب فی التکبیر فی العیدین)

عمار بن عمار سے مروی ہے کہ بے شک ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے عید میں بارہ تکبیریں کہیں۔ سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں۔

اس کی سند کے متعلق کہا گیا ہے ”واسنادہ حسن“ اس کی سند حسن ہے۔

(آثار سنن ص ۴۹۷)

تاہم اس کی سند پر بھی شرح میں ضعف کا قول کیا گیا ہے۔

## احناف کے دلائل :

”عن ابی عائشة جلیس لابی هريرة ان سعید ابن العاص سأل اباموسی الاشعری وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول الله ﷺ یكبر فی الاضحی والفطر فقال ابو موسی کان یكبر اربعا تکبیرة علی الجنائز فقال حذیفة صدق فقال ابو موسی كذلك كنت اکبر فی البصرة حیث كنت علیم قال ابو عائشة وانا حاضر سعید بن العاص“

(: وازد باب التکبیر فی العیدین)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین ابو عائشہ کہتے ہیں بیشک سعید ابن عاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن یمان سے پوچھا رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیسے تکبیریں کہتے تھے؟ ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ آپ چار تکبیریں کہتے تھے جیسے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہوتی ہیں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا میں بصرہ میں جب حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہتا تھا ابو عائشہ کہتے ہیں جب سعید بن عاص نے ان سے پوچھا تھا میں بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ عید کی زائد تکبیریں ہر رکعت میں تین تین ہیں۔ ایک ایک تکبیر رکوع کی ہے۔ اور یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں عید کی نماز میں تین تین تکبیریں زائد اور ایک ایک رکوع کی تکبیر ہر رکعت میں کہی اور آپ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو یہی قول درست ہے کہ ہر رکعت میں تین تین تکبیریں زائد ہی ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔

” عن علقمة والاسود قالا كان ابن مسعود جالسا وعنده حذيفة وابوموسى الاشعري فسألهم سعيد بن العاص عن التكبير فى صلوة العيد فقال حذيفة سل الاشعري فقال الاشعري سل عبدالله فانه اقدمنا واعلمنا فسأله فقال ابن مسعود يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع فيقوم فى الثانية فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القراءة“

(مصنف عبدالرزاق باب التكبير فى الصلوة يوم العيد)



علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حضرت حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما تھے ان سے سعید ابن عاص نے عید کی تکبیرات کے متعلق سوال کیا تو حضرت حذیفہ نے کہا یہ سوال اشعری سے کرو۔ حضرت اشعری نے کہا عبد اللہ (بن مسعود) سے پوچھو، کیونکہ وہ ہم سے مقدم اور ہم سے زیادہ صاحب علم ہیں سائل نے جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا چار تکبیریں کہیں، پھر قرأت کریں، پھر تکبیر کہیں اور ساتھ ہی رکوع کر لیں پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں، پہلے قرأت کریں، پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہیں۔

اس حدیث پاک کی سند کے متعلق بیان کیا گیا ہے ”واسنادہ صحیح“ اس کی سند صحیح ہے۔

(آثار السنن ص ۴۹۸)

” فقال ابن مسعود يكبر اربعا الخ قلت هذا الموقوف في حكم المرفوع لان مثل هذا لا يكون من جهة الرأي والقياس وقد وافق ابن مسعود جماعة من الصحابة على ذلك لعدم انكارهم عليه“

(شرح آثار السنن ص ۴۹۸)

یہ حدیث موقوف حکم مرفوع کیونکہ اس میں رائے اور قیاس کو دخل نہیں۔ جو حدیث رائے یا قیاس سے نہ بیان کی جاسکے وہ قول صحابی حکم مرفوع میں ہوتا ہے۔

اور صحابہ کرام نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی لہذا اس حدیث پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی بھی ثابت ہو گیا۔



” عن كردوس قال ارسل الوليد الى عبد الله بن مسعود و  
 حذيفة و ابي موسى الاشعري و ابي مسعود بعد العتمة فقال ان  
 هذا عيد للمسلمين فيكف الصلوة فقالوا سل ابا عبد الرحمن  
 فسأله فقال يقوم فيكبر اربعا ثم يقرأ بفاتحة الكتاب و سورة  
 عن المفصل ثم يكبر اربعا يركع في آخرهن فتلك تسع في  
 العيدين فما انكره احد منهم“

( المعجم الكبير للطبراني ج ٩ ص ٣٥٠ رقم الحديث ص ٩٥٦٨٦ )

كردوس سے مروی ہے کہ ولید نے عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ، ابو  
 موسیٰ اشعری اور ابو مسعود رضی اللہ عنہم کی طرف عشاء کے بعد  
 پیغام بھیجا کہ صبح مسلمانوں کی عید ہے اس میں نماز کیسے ادا کی جائے،  
 انہوں نے کہا ابو عبد الرحمن سے پوچھئے انہوں نے کہا، کھڑے ہو  
 جاؤ، پھر چار تکبیریں کہو، پھر فاتحہ الكتاب پڑھو اور کوئی سورۃ  
 ساتھ ملاؤ، پھر چار تکبیریں کہو، ان کے آخر میں رکوع کرو۔ اس  
 طرح عیدین میں نو تکبیریں کسی ایک نے بھی ان میں سے اس قول  
 کا انکار نہیں کیا۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے ”واسنادہ حسن“ اس کی

سند حسن ہے۔

( آثار السنن ص ٤٩٩ )

اس حدیث کے تمام راوی یہ ہیں۔

” حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمي ثنا مسروق بن المرزبان

ثنا ابن ابي زائدة عن اشعث عن كردوس“

ان تمام راویوں کے متعلق کہا گیا۔

” قال الهيثمي رجاله موثقون“



علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں

(شرح آلام سنن ص ۴۹۹)

” عن علقمة والاسود ان ابن مسعود كان يكبر في العيدين  
تسعا اربعا قبل القراءة ثم يكبر في ركع وفي الثانية يقرأ فاذا فرغ  
كبر اربعا ثم ركع“

(مصنف عبد الرزاق باب التكبير في الصلوة يوم العيد)

علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بے شک ابن مسعود  
رضی اللہ عنہ عیدین میں نو تکبیریں کہتے، چار قرأت سے پہلے پھر  
تکبیر کہتے پھر رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں قرأت کرتے پھر  
جب فارغ ہوتے چار تکبیریں کہتے پھر رکوع کرتے۔

اس کی سند کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ ”واسنادہ صحیح“ اس کی

سند صحیح ہے۔

” عن كردوس قال كان عبد الله بن مسعود يكبر في الاضحى  
والفطر تسعا تسعا يبدأ اربعا ثم يكبر واحدة في ركع بها ثم يقوم  
في الركعة الآخرة فيبدأ ثم يكبر اربعا باحداهن“

(المعجم الكبير للطبرانی ج ص ۳۵۰)

کردوس کہتے ہیں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ اور عید  
الفطر میں نو، نو تکبیریں کہتے، نماز کو شروع کرنے کے بعد چار  
تکبیریں کہتے، پھر ایک تکبیر کہتے، پھر رکوع کرتے، پھر دوسری  
رکعت کے لئے کھڑے ہوتے پھر چار تکبیریں کہتے، پھر ان میں  
سے ایک سے رکوع کرتے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے ”واسنادہ صحیح“ اس کی

سند صحیح ہے۔



” عن عبد الله بن الحارث قال شهدت ابن عباس كبر في صلاة العيد بالبصرة تسع تكبيرات والى بين القراءتين قال وشهدت المغيرة بن شعبه فعل مثل ذلك “

(مصنف عبدالرزاق باب التكبير في الصلاة يوم العيد)

عبداللہ ابن حارث کہتے ہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا، آپ نے بصرہ میں عید کی نماز میں نو تکبیریں کہیں اور دونوں قرأتوں کو ملا دیا۔ پھر میں مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے بھی ایسے ہی کہا۔

اس کی سند کے متعلق بیان کیا گیا۔

” وقال الحافظ في التلخيص اسنادہ صحیح “

حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ) نے کہا ہے اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ دونوں رکعتوں میں نو تکبیریں ہیں۔ پہلی رکعت میں تکبیریں قرأت سے پہلے ہیں، دوسری میں قرأت کے بعد ہیں

فریقین کی پیش کردہ احادیث کی طرف توجہ کریں :

ایک حدیث سے سمجھ آیا کہ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں۔ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔

ایک اور حدیث سے سمجھ آیا کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری میں چھ تکبیریں ہیں۔ کیونکہ پانچ تکبیریں رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہیں

ایک اور حدیث سے سمجھ آیا کہ ہر رکعت میں چار چار تکبیریں ہیں۔



ايك اور حديث سے سمجھ میں آيا كه پہلے ركعت میں پانچ تكبيریں ہیں۔  
 كيونكه چار تكبيروں كے بعد ركوع كى تكبير كا عليحدہ ذكر ہے اور دوسرى ركعت  
 میں چار تكبيریں ہیں۔

## تمام احاديث میں تطبیق اور غير مقلدين كى غلطى كى وجه

اصل میں غير مقلدين كى غلطى كى وجه یہ ہے كه وہ تكبير كا معنى سمجھنے  
 سے قاصر رہے۔ حالانكه تكبير كا معنى واضح ہے۔ تكبير كہنے كا مطلب ہے۔  
 ”اللہ اكبر“ كہنا۔

عيدین كى نماز كے بغير عام نماز میں بھی احاديث سے تكبير كہنے كا ذكر  
 واضح طور پر موجود ہے رفع يدين كى بحث میں ذكر كيا جا چكا ہے ياد دلانے كے  
 لئے دوبارہ ذكر كيا جا رہا ہے۔

عبدالرحمن بن غنم سے مروى ہے كه ابو مالك اشعري نے اپنى قوم كى  
 مردوں اور بچوں كو جمع كر كے نماز كا طريقہ سكھايا۔ یہ ظہر كى نماز تھى۔

” اقام الصلوة فتقدم فرفع يديه فكبر فقرا الكتاب وسورة  
 يسرهما ثم كبر فرقع فقال سبحان الله وبحمده ثلاث مرار  
 ثم قال سمع الله لمن حمده واستوى قائما ثم كبر وخر ساجدا  
 ثم كبر فرقع رأسه ثم كبر فسجد ثم كبر فانهض قائما فكان  
 تكبيره فى اول ركعة ست تكبيرات“

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۳)

اس حديث میں ظہر كى نماز كا تذكرہ ہے جس میں تكبير تحریمہ ،



رکوع میں جانے کی تکبیر، سجدہ میں جانے کی تکبیر سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر۔ پھر دوسرے سجدہ کی لئے تکبیر۔ پھر دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کا ذکر کرنے کے بعد کہا پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہوں گی۔ یقیناً دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہوں گی۔ کیونکہ دوسری رکعت میں تکبیر تحریمہ نہیں

اب واضح ہوا کہ ہر نماز کی پہلی رکعت میں چھ تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عیدین کی نماز میں تکبیروں کے ذکر میں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ بلکہ بات سمجھنے کی حد تک ہے۔

جس صحابی نے یہ ذکر کیا کہ ہر رکعت میں عید کی تین تکبیریں زائد کہی گئیں اور ہر رکعت میں رکوع کی تکبیر بھی کہی گئی اس نے یہ ذکر کیا کہ ہر رکعت میں چار تکبیریں کہی گئی۔

جس صحابی نے تکبیر تحریمہ کا بھی ساتھ ذکر کیا اس سے پتہ چلا کہ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں۔

جس صحابی نے تکبیر تحریمہ، عید کی تین تکبیروں، رکوع کی تکبیر، سجدہ میں جانے ہوئے۔ تکبیر اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کا ذکر کیا اس نے پہلے رکعت میں ساتھ تکبیروں کا ذکر کیا۔

دوسری رکعت میں تین زائد تکبیروں، رکوع میں جانے ہوئے تکبیر سجدہ میں جانے ہوئے تکبیر کا ذکر کیا تو اس طرح دوسری رکعت پانچ تکبیروں کا ذکر کیا گیا۔



اور جس صحابی نے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کا ذکر کیا اس نے دوسری رکعت میں چھ تکبیروں کا ذکر کر دیا۔

بات واضح ہو گئی کہ مقصد ایک ہی ہے انداز بیان مختلف ہے۔

## غیر مقلدین کی بے انصافی :

مقام افسوس یہ ہے کہ غیر مقلدین ترمذی کی وہ حدیث تو بیان کر دیتے ہیں جس میں عید کی نماز میں بارہ تکبیروں کا ذکر ہے (اور وہ بارہ مرتبہ اللہ اکبر کہنا مراد ہے ، نہ کہ صرف عید کی تکبیرات زوائد بارہ ہیں۔ اگر حدیث میں یہ ذکر ہوتا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیرات زوائد ہیں اور دوسری میں پانچ تکبیرات زوائد ہیں تو غیر مقلدین کے قول کی کچھ حیثیت ہوتی لیکن جب یہ ذکر ہی نہیں تو ”اللہ اکبر“ تو بارہ مرتبہ بلکہ زائد کہا ہی جا رہا ہے) لیکن اس حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں جس پر کثیر صحابہ کرام اور تابعین، تبع تابعین کا عمل رہا یہ کہاں کا انصاف۔

آئیے قارئین کرام ذرا غور کیجئے، حدیث پاک کو پڑھیں، کثیر صحابہ کرام کے عمل کو دیکھ کر، انصاف سے فیصلہ کریں کہ کون سا مذہب حق ہے اور کون سا باطل۔

” عن ابن مسعود انه قال في التكبير في العیدین تسع تكبيرات في الركعة اولی خمس تكبيرات قبل القراءة وفي الركعة الثانية يبدأ بالقراءة ثم يكبر اربعا مع تكبيرة الركوع ، وقد روى عن غير واحد من اصحاب النبي ﷺ نحو هذا وهو



قول اهل الكوفة وبه يقول سفیان الثوری

(ترمذی باب فی التکبیر فی العیدین ص ۷۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عیدین کی نو تکبیریں ہیں۔ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پہلے قراءت ہے پھر چار تکبیریں ہیں بمع رکوع کی تکبیر کے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل سنت و جماعت حنفی مسلک کے حضرات کا مکمل مذہب واضح ہو گیا۔ کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیریں ہیں، کل پانچ تکبیریں ہیں ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیریں زائد جو عید کی تکبیریں کہلاتی ہیں اور ایک تکبیر رکوع کی۔ اور دوسری رکعت میں پہلے قراءت ہوگی۔ پھر چار تکبیریں جن میں عید کی تین تکبیرات زوائد اور ایک تکبیر رکوع کی۔

ترمذی رحمہ اللہ کے فیصلہ کو بھی دیکھیں اور غیر مقلدین کی خیانت کو بھی کہ وہ اس حدیث کو بیان ہی نہیں کرتے اور نہ ہی ترمذی کے فیصلہ کو بیان کرتے ہیں ترمذی نے کیا خوب قول فیصل ذکر کیا۔ آپ نے کہا۔

یہ حدیث اور اسی کی مثل اور احادیث کثیر صحابہ کرام سے روایت کی گئی۔ اور یہی قول اہل کوفہ کا ہے وہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین تھے) اور یہی قول امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ہے۔

ترمذی کے اس قول اور ذکر کردہ حدیث کو دیکھ کر امید ہے کہ حنفی مذہب کے عوام غیر مقلدین کے دام فریب میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ وہ اپنے



مذہب کی حقانیت کو سمجھ لیں گے اور ان پر واضح ہو جائے گا کہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کا مذہب عقلی، قیاسی، رائے پر مبنی نہیں۔ بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

## مسئلہ میں اختلاف :

بہتر قول وہی جو احناف کا ہے۔

” قال محمد قد اختلف الناس في التكبير في العيد في فما اخذت به فهو حسن و افضل ذلك عندنا ما روى عن ابن مسعود انه كان يكبر في كل عيد تسعا ، خمسا واربعا، فيهن تكبيرة الافتتاح تكبیرتا الركوع ووالی بین القراء تین و یؤخرها فی الاولی و یقدّمها فی الثانية و هو قول ابی حنیفة“

(موظا امام محمد باب التكبير في العیدین)

امام محمد رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ عیدین کی تکبیروں میں اگرچہ لوگوں نے اختلاف کیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک افضل وہی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے۔

بے شک ہر عید میں نو تکبیریں ہیں۔ پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری رکعت میں چار۔ ان نو میں تکبیر افتتاح (یعنی نماز شروع کرتے وقت پہلی تکبیر جسے تکبیر تحریمہ کہا جاتا ہے) اور رکوع کی دو تکبیریں (یعنی ایک رکعت کے رکوع کی ایک تکبیر اور دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر) بھی شامل ہیں۔

اور دونوں رکعتوں میں قراءت میں موالات (لگاتار درمیان میں



تکبیر نہیں) پائی جاتی ہے پہلی رکعت میں قراءت تکبیروں سے بعد میں ہے اور  
دوسری رکعت میں قراءت تکبیرات سے پہلے ہے۔

یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

واضح ہوا عید کے تکبیرات کی تعداد میں اختلاف تبع تابعین کی زمانہ  
میں بھی تھا مختلف احادیث کو دیکھ کر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق فیصلہ کیا گیا لیکن  
افضل اجتہاد امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہی ہے۔ کیونکہ اس میں تمام احادیث  
کا اجتماع ہے فیصلہ اس وقت ہو جب نہ بخاری تھے نہ مسلم، نہ ترمذی نہ ابن ماجہ نہ  
نسائی نہ ابو داؤد۔

خدارا انصاف کیجئے! اور سمجھئے کہ مذہبِ حنفی کتنا باکمال ہے  
اور احادیث کے مطابق ہے، مکمل طور پر انصاف سے تمام احادیث کو جمع کرنے  
کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

اور دوسرے مذاہب پر عمل کرنے سے بعض احادیث پر عمل ہوتا ہے  
اور بعض احادیث کو چھوڑنا لازم آتا ہے۔

راقم نے تمام احادیث کو اسی وجہ سے نقل کیا اور بحث کی تاکہ نہ  
خیانت کی تہمت لگائی جاسکے اور نہ ہی کہا جائے کہ حنفی اماموں کی باتوں کو مانتے  
ہیں۔ احادیث کو نہیں مانتے۔

یہ غلط، باطل اور من گھڑت پروپیگنڈہ ہے۔ ان شاء اللہ راقم کی  
تحریر کو دیکھنے کے بعد منصف مزاج حضرات ضرور تسلیم کریں گے۔



ضد، حسد، عناد اگر تسلیم کرنے سے مانع رہیں تو ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی مبلغ دنیا میں آجائے ہی ناممکن ہے۔ جب آپ کی تبلیغ سے بھی بد قسمت لوگوں کو ایمان نصیب نہ ہو تو میری تحریر سے بھی یقیناً وہ لوگ فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے جو ضد، عناد اور حسد کو نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن اگر میرے حنفی بھائی ان لوگوں کے دام فریب سے بچ گئے تو یہ بھی ایک غنیمت ہوگی۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ فروعی اختلاف ہے، اس میں تشدد اور آئے دن اشتہار بازی کا کیا مقصد؟

میں نے تو اندازہ لگایا کہ ناقص مال بچنے والوں کو مال کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔ ظاہری طور پر سنوارنے کی ضرورت ان کو ہی ہوتی ہے۔

جن کے پاس مال اچھا ہوتا ہے وہ کہتے ہیں مال آپ کے سامنے ہے دل مانتا ہے تو لے جائیں ورنہ اور کہیں دیکھ لیں۔ یہی صورت یہاں بھی پائی جاتی ہے کہ باطل مذہب والے اشتہار چھاپ چھاپ کر اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں، لیکن حق مذہب واپیلے خاموشی سے اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں معاملہ جب حد سے گذرتا ہوا نظر آتا ہے تو کہیں قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔





## ﴿ نمازِ وتر ﴾

وتر کی نماز میں غیر مقلدین یہ کہتے ہیں۔ رسول ﷺ نے مختلف احوال و اوقات میں وتر ایک بھی پڑھا اور تین بھی اور سات بھی اور نو بھی پڑھے ہیں۔

(صلوة الرسول ص ۳۵۴)

وتر میں غیر مقلدین کا اور یہ قول ہے کہ وتر کے آخر میں صرف قعدہ ہے خواہ ایک رکعت پڑھے یا تین یا پانچ یا سات یا نو پڑھے۔ دو کے بعد قعدہ نہیں۔

### احناف کا مذہب :

یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہیں ایک نہیں اور تین سے زائد بھی نہیں۔ اور دو رکعت کے بعد قعدہ واجب ہے جس طرح تمام نمازوں میں دو رکعت کے بعد قعدہ واجب ہے۔

### احناف کے مذہب پر دلالت کرنے والی احادیث :

” عن ابی سلمہ بن عبد الرحمن انه سأل عائشة کیف كانت صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ما کان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسأل



عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثا قالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان تهتر فقال يا عائشة ان عيني تنا مان ولا ينام قلبي

(بخاری کتاب التہجد باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ)

حضرت ابو سلمہ ابن عبدالرحمن سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں کیسے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ تم آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ چار رکعت ادا کرتے، ان کے حسن اور کی طوالت کے متعلق سوال نہ کرو۔ پھر آپ چار رکعت ادا کرتے ان کے حسن اور طوالت کے متعلق سوال نہ کرو۔ پھر آپ تین رکعت نماز ادا فرماتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر کے ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا اے عائشہ بیشک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد :

1:- نماز تہجد کا ذکر ہے۔ بخاری کا عنوان بھی تہجد کی نماز پر ہی دلالت کرتا رہا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں کیں۔ یہ واضح دلیل ہے کہ جو نماز رمضان کے علاوہ ادا ہوتی رہی وہی رمضان میں بھی جب ادا ہوتی تو گیارہ رکعت



ہی ہوتیں۔ یعنی آٹھ رکعت نماز تہجد اور تین رکعت نماز وتر۔

2:- وتر کی نماز رسول اللہ ﷺ نے تین رکعت ادا کی۔ ایک وتر ادا نہیں کیا۔ ایک کا قول باطل ہے۔

3:- نبی کریم ﷺ اور اسی طرح تمام انبیاء کرام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے وہ نیند کی حالت میں بھی اپنے آپ سے بے خبر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی نیند سے ان کا وضوء نہیں ٹوٹتا۔

لیکن انبیاء کرام کے بغیر دوسرے لوگوں کو نیند کی حالت میں اپنا پتہ نہیں رہتا، لہذا ان کے وضوء کے ٹوٹنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ انہیں جب اپنی حالت کا علم نہیں تو ہو سکتا ہے نیند کی حالت میں ان کی ہو او غیرہ خارج ہوئی ہو اور انہیں نہ پتہ چل سکا ہو اسلئے ان کے وضوء کے ٹوٹنے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

” وعن علي بن عبد الله بن عباس عن عبد الله بن عباس انه رقد عند رسول الله ﷺ فاستيقظ فتسوك وتوضأ وهو يقول ان في خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار آيت لا ولي الا للباب ، فقرا هؤلاء الآيت حتى ختم السورة ثم قام فصلى ركعتين فاطال فيهما القيام والركوع والسجود ثم انصرف فنام حتى نفخ ثم فعل ذلك ثلاث مرات ست ركعات كل ذلك يستاك ويتوضأ ويقرا هؤلاء الآيت ثم اوتر بثلاث “

(مسلم كتاب صلوۃ المسافرین وقصرها باب صلوۃ النبی ﷺ ودعائه باللیل)

علی بن عباس حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سو گیا،



آپ بیدار ہوئے تو آپ نے مسواک کی اور وضوء کیا اور آپ یہ پڑھ رہے تھے

”ان فی خلق اسموات والارض واختلاف الليل والنهار لآیت  
لاولی الالباب“

یہاں تک آپ نے سورۃ کے آخر تک آیات کو تلاوت کیا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے آپ نے دو رکعت ادا کیں، ان دونوں میں لمبا قیام کیا اور لمبارکوع و سجود کیا، پھر آپ واپس اپنی جگہ پر آکر سو گئے، یہاں تک کہ آپ خراٹے لینے لگے پھر آپ اٹھے، مسواک کی وضوء کیا اور وہی آیات پڑھیں اور پہلے کی طرح دو رکعت ادا کیں۔ اس طرح آپ نے تین مرتبہ عمل کیا، چھ رکعت ادا کیں۔ اس کے بعد آپ نے تین رکعت وتر ادا کئے۔

اس سے واضح ہوا کہ آپ نے وتر تین رکعت ہی ادا کئے، ایک رکعت وتر ادا نہیں کیا۔

”عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر

بسم اسم ربك الاعلیٰ، وقل یا ایہا الکافرون وقل هو اللہ احد“

(نستاتی باب کیف الوتر بثلاث، ترمذی باب ماجاء ما یقرأ فی الوتر، ابن ماجہ باب ماجاء فیما یقرأ فی الوتر

مسند احمد ص ۱ ص ۳۰۵)

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں پیغمبر رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں (پہلی رکعت میں) سبح اسم ربك الاعلیٰ تلاوت کرتے (دوسری رکعت میں) سورۃ قل یا ایہا الکافرون پڑھتے اور (تیسری رکعت میں) قل هو اللہ سورۃ پڑھتے۔



یہ حدیث صحیح السند ہے۔ جس سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ کسی قسم کا اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

” عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ ﷺ یوتر بسبح اسم ربك الاعلیٰ وقل یا ایہا الکفرون وقل هو اللہ احد“

(نسائی باب کیف الوتر بثلاث ابو داؤد کیاب الصلوٰۃ باب ما یقرأ فی الوتر، ابن ماجہ باب ماجاء فیما یقرأ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں ” سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور ” قل یا ایہا الکفرون“ اور ” قل هو اللہ احد“ پڑھتے تھے۔

یقیناً تین سورتیں تین رکعتوں میں پڑھتے تھے، واضح ہوا کہ آپ وتر تین رکعت ہی ادا فرماتے تھے۔

” عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلیٰ و فی الرکعة الثانیة بقل یا ایہا الکفرون و فی الثالثة بقل هو اللہ احد ولا یسلم الا فی اخرهن ویقول یعنی بعد التسلیم سبحان الملك القدوس ثلاثا“

(نسائی باب القراءة فی الوتر)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ وتر (کی پہلی رکعت) میں ” سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور دوسری رکعت میں ” قل یا ایہا الکفرون“ اور تیسری رکعت میں ” قل هو اللہ احد“ پڑھتے تھے۔ اور صرف ایک ہی سلام آخر میں پھیرتے تھے۔ اور سلام کہنے کے بعد ” سبحان الملك القدوس“ تین مرتبہ پڑھتے تھے۔



” عن عبد الرحمن بن ابزى انه صلى مع النبي ﷺ الوتر فقراً  
فى اللولى بسبح اسم ربك الاعلى وفى الثانية قل يا ايها الكفرون  
وفى الثالثة قل هو الله احد فلما فرغ قال سبحان الملك  
القدوس ثلاثا يمد صوته بالثالثة “

(نسائی باب القراءة فى الوتر مسند احمد ج ۳ ص ۶۰۴ ، طحاوى باب الوتر)

حضرت عبد الرحمن ابن ابزى سے مروى ہے بے شک میں نے  
رسول اللہ ﷺ کی معیت میں وتر ادا کئے ، آپ نے پہلى ركعت میں  
”سبح اسم ربك الاعلى“ سورة پڑھی ، دوسرى ركعت میں قل يا  
يها الكفرون اور تيسرى میں قل هو الله احد پڑھی۔ آپ جب وتر  
ادا کر کے فارغ ہوئے تو آپ نے تین مرتبہ ”سبحان الملك  
القدوس“ پڑھا۔ جب تيسرى مرتبہ یہ الفاظ مبارک پڑھے تو آواز کو  
کھینچ کر پڑھا۔ (یعنی خوب ٹھہرا ٹھہرا کر)

” عن زارة بن اوفى عن سعد بن هشام ان عائشة حدثته ان  
رسول الله ﷺ كان لا يسلم فى ركعتى الوتر “

(نسائی باب كيف الوتر بثلاث مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا بے شک رسول اللہ  
ﷺ وتر کی نماز ادا فرماتے ہوئے دو رکعت کے بعد سلام نہیں  
پھرتے تھے۔

” عن الحسن عن سعد بن هشام عن عائشة ان رسول الله ﷺ  
كان اذا صلى العشاء دخل المنزل ثم صلى ركعتين ثم صلى  
بعدهما ركعتين اطول منهما ثم الوتر بثلاث لا يفصل بينهما “

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروى ہے بے شک رسول اللہ



ﷺ جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو گھر تشریف لے آتے پھر آپ دو رکعت پڑھتے، ان کے بعد اور دو رکعت پڑھتے جو پہلی دو رکعت سے زیادہ لمبی رکعتیں ہوتیں۔ پھر آپ تین رکعت وتر ادا فرماتے، ان میں کوئی (سلام سے) فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔

یعنی تین رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے۔ ایسا نہیں کہ دو رکعت علیحدہ پڑھتے ہوں اور ایک رکعت علیحدہ۔

”عن عبد الله بن ابي قيس قال سألت عائشة بكم كان رسول الله ﷺ يوتر قالت باربع وثلاث وست وثلاث وثمان وثلاث وعشرة وثلاث ولم يكن يوتر باكثر من ثلاث عشرة ولا انقص من سبع“

(مسند احمد ج ۹ ص ۱۴۹ ابوداؤد باب فی صلوة اللیل ، طحاوی باب الوتر )

عبداللہ بن ابی قیس کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا رسول اللہ ﷺ کتنی تعداد میں وتر پڑھتے تھے۔ آپ نے کہا چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین، آپ نے طاق رکعت تیرہ سے زائد نہیں پڑھیں اور سات سے کم نہیں۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی چار رکعت تہجد کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے، مجموعی تعداد سات بنتی کبھی چھ رکعت تہجد کے بعد تین رکعت وتر ادا فرماتے مجموعی تعداد نو بنتی اور کبھی آٹھ رکعت تہجد کے بعد تین رکعت وتر ادا فرماتے مجموعی تعداد گیارہ رکعت ہوتی۔ اور کبھی دس رکعت کے ساتھ تین رکعت وتر ادا فرماتے مجموعی تعداد تیرہ بنتی اس طرح طاق رکعتوں کی کم از کم تعداد سات ہو گئی۔ اور زیادہ سے زیادہ تعداد تیرہ ہو گئی۔



” عن عبدالعزيز بن جريح سألت عائشة ام المؤمنين باى شئى كان يوتر رسول الله ﷺ قالت كان يقرأ فى الاولى بسبح اسم ربك الاعلى وفى الثانية بقل يا ايها الكفرون وفى الثالثة بقل هو الله احد والمعوذتين“

(مسند احمد ج ٦ ص ٢٢٧ ترمذى باب ماجاء مايقراء فى الوتر ، ابوداؤد باب مايقراء فى الوتر ، ابن ماجه باب ماجاء فيما يقراء فى الوتر)

عبدالعزيز بن جريح کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے سوال کیا رسول اللہ ﷺ وتر کون سی سورتیں پڑھتے تھے تو آپ نے کہا پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربك الاعلى“ اور دوسری رکعت میں ”قل يا ايها الكفرون“ اور تیسری رکعت میں ”قل هو الله احد“ اور ”قل اعوذ برب الفلق“ اور ”قل اعوذ برب الناس“ پڑھتے تھے۔

یعنی وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ تیسری رکعت میں کبھی قل هو الله احد پڑھتے اور کبھی قل اعوذ برب الفلق پڑھتے۔ اور کبھی قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

” عن عمرة عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان يوتر بثلاث يقرأ فى الركعة الاولى بسبح اسم ربك الاعلى وفى الثانية قل يا ايها الكفرون وفى الثالثة قل هو الله احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس“

(دار قطنى باب مايقراء فى ركعات الوتر ، طحاوى باب الوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعت پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربك الاعلى“ پڑھتے اور دوسری رکعت میں ”قل يا ايها الكفرون“ پڑھتے اور



تیسری رکعت میں (کبھی) ”قل هو اللہ احد“ پڑھتے اور (کبھی) ”قل اعوذ برب الفلق“ پڑھتے اور کبھی ”قل اعوذ برب الناس“ پڑھتے تھے۔

**تنبیہ :** وتر کی تین رکعت ہونے پر دلالت کرنے والی اور کئی احادیث طحاوی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ صرف ان احادیث پر اکتفاء کی جاتی ہے ماننے والے کے دل کی تسلی کے لئے اتنی مقدار میں احادیث کا ذکر کرنا کافی ہے۔ اور نہ ماننے والے کے لئے۔ خواہ اور کتنی احادیث بھی ذکر کر دی جائیں ناکافی ہیں۔

## غیر مقلدین نے اپنے موقف پر جو احادیث پیش کیں

حضرت ابی ایوب روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

”الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل  
ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة  
فلیفعل“

(رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)

وتر حق (ثابت) ہیں، ہر مسلمان پر۔ پس جو شخص وتر پانچ رکعت پڑھنا چاہئے۔ چاہئے کہ پڑھے (پانچ رکعت) اور جو کوئی وتر تین رکعت پڑھنا چاہئے۔ پس چاہئے کہ پڑھے (تین رکعت) اور جو کوئی وتر ایک رکعت پڑھنا چاہئے۔ پس چاہئے کہ پڑھے (ایک رکعت)

(ابو داؤد نسائی ابن ماجہ)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وتر پانچ بھی ہیں۔ تین بھی ہیں



اور ایک بھی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا، کہ ہر شخص کو اختیار ہے، کہ وہ اپنے احوال اور اوقات کے پیش نظر چاہے پانچ وتر پڑھے، چاہے تین پڑھے اور چاہے ایک ہی پڑھے۔

(صلوة الرسول ص ۲۵۶، ۲۵۷)

یہاں تک عبارت مکمل طور پر غیر مقلدین کے علامہ محمد صادق صاحب کی کتاب صلوة الرسول سے نقل کی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث سے وہی کچھ ثابت ہو رہا ہے جو علامہ صاحب نے پیش کیا ہے۔ یا کہ کچھ اور مطلب ہے۔

## غیر مقلدین کی بنیادی غلطی :

”اوتر، یوتر“ کے مختلف معانی آتے ہیں یہاں جو معنی معتبر ہے وہ معنی نہیں لیا گیا اور دوسرا معنی لے کر غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ آئیے ذرا مختلف معانی کی طرف غور کریں۔

(اوتر) فلاں : صلی الوتر، العدد : افرده، القوم، جعل

شفعہم وترا، والصلوة : وترها

(من المعجم الوسيط)

ایک معنی ہے ”فلاں نے وتر ادا کئے۔ دوسرا معنی ہے ”علیحدہ ذکر کیا

”تیسرا معنی ہے ”جفت کو طلاق بنایا۔ چوتھا معنی ہے ”نماز کی

رکعات کو طاق بنایا

اور بھی کئی معانی ہیں مقصد کے مطابق چند کو ذکر کر دیا ہے۔ اب توجہ



فرمائیں کہ حدیث کا صحیح معنی یہ ہے۔ جو شخص پسند کرتا ہے کہ جفت رکعات کو پانچ سے طاق بنائے وہ ایسا کرے۔ اور جو شخص تین سے طاق بنانا چاہے وہ ایسا کرے اور جو شخص ایک سے طاق بنانا چاہے وہ ایسا کرے۔

اب واضح ہوا کہ حدیث پاک کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ دو کے ساتھ ہی ایک اور ملا کر تین رکعتیں وتر پڑھنا چاہو۔ یعنی صرف وتر پڑھنا چاہو تو وتر ہی پڑھ لو اور تہجد کی نماز نہ ادا کرو۔

اگر چاہتے ہو تو دو رکعت کے بعد دو اور پڑھ لو اس طرح پہلی دو رکعت پانچ اور کے ساتھ مل کر سات رکعات طاق بن جائیں گی۔

اور اگر چاہتے ہو کہ دو کے ساتھ تین اور ملا کر طاق بنا لو تو ایسا کر لو۔ اب دو کے بعد تین وتر پڑھنے سے پانچ رکعات طاق ہو جائیں گی۔

## غیر مقلدین والا معنی کیوں درست نہیں؟

جو معنی غیر مقلدین نے کیا ہے کہ چاہو تو ایک رکعت وتر ادا کر لو، یہ درست نہیں ورنہ نبی کریم ﷺ کی دوسری احادیث کو چھوڑنا لازم آئے گا۔

” قال محمد اخبرنا يعقوب بن ابراهيم حدثنا حصين بن

ابراهيم عن ابن مسعود قال ما اجزأت ركعة واحدة قط “

(موظا امام محمد باب السلام فى الوتر)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک رکعت کا ادا

کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔



” قال محمد اخبرنا سعيد بن ابى عروبة عن قتادة عن زرارة بن ابى اوفى عن سعيد بن هشام عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان لا يسلم فى ركعتى الوتر“

( موطا امام محمد باب السلام فى الوتر )

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے دو رکعت علیحدہ پڑھی ہوں اور ایک رکعت علیحدہ۔ ایسا کبھی نہیں کیا۔

” عن ابى سعيد الخدرى ان رسول الله ﷺ نهى عن البتيرا“

( نصب الراية ج ۱ ص ۲۷۷ )

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا۔

**تنبیہ :** جو بھی اس قسم کی روایات ہیں جن سے بظاہر یہ سمجھ آ رہا ہو کہ وتر ایک رکعت ہے اس کا یہی مطلب ہوگا کہ دو رکعت کو ایک رکعت اور ملا کر طاق بنا دیا

ابن ماجہ کی حدیث ”صلوة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة قبل الصبح“ کا بھی یہی مطلب ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور دو کے ساتھ ایک اور ملا کر صبح سے پہلے وتر ادا کئے جائیں۔

اسی طرح مسلم شریف کی حدیث ”الوتر ركعة من آخر الليل“ کا بھی یہی مطلب ہے کہ رات کے آخر میں دو رکعت سے ایک رکعت ملائیں تو تین رکعت وتر ہو جائیں گے۔



## وتر میں ایک اور اختلاف :

غير مقلدين كے نزديك وتر تين ركعت پڑھیں يا پانچ ركعت ان میں صرف ايك تشهد ہے آخر میں۔ اس پہلے كوئی قعدہ اور تشهد نہیں۔

احناف كے نزديك وتر تين ركعت ہیں۔ پانچ نہیں اور دور ركعت كے بعد عام نمازوں كی طرح قعدہ اور تشهد ہے پھر تیسری ركعت كے بعد قعدہ اور تشهد ہے۔ جہاں تک تين ركعت وتر كا ہونا ہے وہ پہلے احاديث سے ثابت كیا جا چكا ہے۔ اب صرف یہ ثابت كرنا ہے كہ دور ركعت كے بعد قعدہ اور تشهد ہے۔

” قال محمد اخبرنا عبدالرحمن بن عبدالله المسعودی عن عمرو بن مرة عن ابی عبیدة قال قال عبدالله بن مسعود الوتر ثلاث كئلاث المغرب “

( مؤطا امام محمد (باب السلام فی الوتر )

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے كہ وتر تين ركعت ہیں جس طرح مغرب كی نماز تين ركعت ہیں۔

” قال محمد اخبرنا اسمعیل بن ابراهيم عن لیث عن عطاء قال ابن عباس رضی اللہ عنہما الوتر كصلوة المغرب “

( مؤطا امام محمد باب السلام فی الوتر )

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وتر مغرب كی نماز كی طرح ہیں۔ ان دونوں احاديث سے واضح ہوا كہ وتر اسی طرح ادا ہوں گے جس طرح مغرب كی نماز ادا كی جاتی ہے جب كہ مغرب میں دور ركعت كے بعد قعدہ اور تشهد ہے تو وتر میں بھی اسی طرح دو



ركعت کے بعد قعدہ اور تشہد واجب ہیں

**اعتراض :** اگر وتر مغرب کی نماز کی طرح ہی ادا کرنے میں تو وتر میں قنوت کیوں پڑھا جاتا ہے۔

**جواب :** وتر میں قنوت کا پڑھنا احادیث مبارکہ سے صراحتاً ثابت ہے اس لئے قنوت پڑھنے کا فرق وتر اور مغرب میں رہے گا۔ آئیے احادیث مبارکہ کو دیکھیں۔

” عن عبدالعزير قال يسأل رجل انسا عن القنوت بعد

الركوع او عند فراغ من القراءة قال بل عند فراغ من القراءة“

(بخاری کتاب المغازی باب غزوة الرجیع ورعل وذكوان وبنر معونة)

حضرت عبدالعزیز سے مروی ہے ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قراءت سے فارغ ہونے پر (رکوع سے پہلے) تو آپ نے جواب دیا ”بلکہ قراءت کے فارغ ہونے پر یعنی رکوع کے بعد قنوت نہیں بلکہ پہلے ہے۔“

” وعن ابي بن كعب ان رسول الله ﷺ كان يوتر فيقنت قبل

الركوع“

(ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت قبل الركوع وبعده نسانی باب کیف الوتر بثلاث)

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے وتر میں قنوت پڑھتے تھے۔

” عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابيه قال كان ابن مسعود لا

يقنت في شئ من الصلوات الا الوتر فانه كان يقنت قبل

الركعة“

(طحاوی باب القنوت فی الفجر وغیره)



عبدالرحمن ابن اسود اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کے بغیر کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے اور وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

”حدثنا يزيد بن هارون ثنا هشام عن علقمة ان ابن مسعود واصحاب النبي ﷺ كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع“

(مصنف ابن ابی شیبہ باب فی القنوت قبل الركوع او بعدہ)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(اسنادہ صحیح) اس کی سند صحیح ہے۔

”عن ابراهيم ان ابن مسعود كان يقنت السنة كلها في الوتر قبل الركوع“

(رواه محمد بن الحسن في كتاب الآثار في باب القنوت في الصلوة)

حضرت ابراہیم (نخعی) سے مروی ہے بے شک حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمام سال وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(اسنادہ مرسل جید) یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند جید

(ہے)

”عن حماد عن ابراهيم النخعي ان القنوت واجب في الوتر في رمضان وغيره قبل الركوع واذا اردت ان تقنت فكبر واذا اردت ان تركع فكبر ايضا“

(كتاب الحجۃ للمحمد بن الحسن ج ۱ ص ۲۰۰ و كتاب الآثار لمحمد بن الحسن باب القنوت في

الصلوة)



حماد حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک قنوت وتر میں واجب ہے، خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان ہو اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جائے۔ جب تم قنوت پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو اور جب تم رکوع کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو۔

**تنبیہ:** قنوت کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین ہو گا اور رکوع کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں ہو گا۔ مکمل بحث رفع یدین کی پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ تاہم ایک حدیث فائدہ کے لئے یہاں ذکر کی جا رہی ہے۔

”عن ابراہیم النخعی قال لا ترفع الا یدی الا فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین وعند استلام الحجر وعلى الصفا والمروة وجمع و عرفات وعند المقامین عند الجمرة“

(طحاوی باب رفع الیدین عند رؤیة البیت)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ سات مقام پر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ تکبیر تحریمہ کے وقت۔ وتر میں قنوت کی تکبیر کے وقت۔ عیدین (کی تکبیرات زوائد) میں۔ حجر اسود کے استلام کے وقت۔ صفا اور مروہ پر۔ مزدلفہ اور عرفات میں، منیٰ میں کنکریاں مارنے کے وقت۔

یہاں تک کہ جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ جب وتر مغرب کی طرح ہیں تو ان میں قنوت کیوں پڑھا جاتا ہے واضح ہو چکا ہے کہ وتر کی مغرب سے تشبیہ تین رکعت کے ہونے میں اور دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد میں ہے۔



وتر میں قنوت پڑھنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور مغرب میں قنوت ثابت نہیں۔

اسی طرح ایک اور فرق بھی حدیث پاک سے ثابت ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قرأت فرض ہے جبکہ مغرب کی تیسری رکعت میں قرأت فرض نہیں۔ آئیے حدیث پاک دیکھیں۔

” عن ابی خالدة قال سألت ابا العالیة عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد او علمونا ان الوتر مثل صلوة المغرب غیرانا نقرأ فی الثالثة فهذا وتر اللیل وهذا وتر النهار“

(طحوی باب الوتر)

ابو خالدہ کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے وتر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام نے بتایا ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں سوائے اس کے کہ ہم وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے تھے۔ (مغرب میں تیسری رکعت میں قرأت کو فرض سمجھ کر نہیں کرتے تھے) وتر کی نماز رات کی طاق رکعت والی نماز ہے۔ اور مغرب کی نماز دن کی طاق رکعت والی نماز ہے۔

خیال رہے دن سے مراد عام لوگوں کے عرف کے مطابق کہ وہ عشاء سے پہلے دن مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ فقہاء کرام کے نزدیک غروب آفتاب سے رات شروع ہو جاتی ہے۔ ”ثم اتموا الصیام الی اللیل“ میں رات غروب آفتاب کو ہی کہا گیا ہے۔





## غير مقلدين كى پيش كرده حديث اور اس كا جواب :

ذكره هورها تھا كه غير مقلدين نے به كهاهے كه تين ركعت هول يابانچ ركعت وتر هول ان ميں صرف ايك تشهد آخر ميں هے ان هول نے اپنے موقف پر به حديث پيش كى هے۔

” عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يصلى من الليل ثلث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس لا يجلس فى شى الا فى آخرها “

(متفق عليه)

حضرت عائشه روايت كرتے هولے كهتې هېں كه رسول خدا نماز پڑھتے تھے رات ميں تيره ركعت (جن ميں سه آٹھ ركعت تو تجمد كى هول تېں اور باقى) ان ميں پانچ ركعت كه ساتھ وتر پڑھتے تھے (اور ان پانچ وترول ميں) نه بيٹھتے كسى ركعت ميں (شهد كه لئے) مگر اس كه آخر ميں “

(بخارى و مسلم)

معلوم هوا كه وترول كى پانچول ركعتول ميں تشهد كه لئے كهېں نهېں بيٹھنا چاهئے۔ يهاں تك كه پانچول ركعت پڑھ كر قعه التحيات، درود، اور دعاء پڑھ كر سلام پھيرنا چاهئے۔ اسى طرح اگر آپ تين وتر پڑھنا چاهئېں تو بهى تشهد كه لئے بيچ ميں كهېں نه بيٹھئېں، بلكه آخر ركعت ميں بيٹھ كر حسب معمول تشهد، درود، اور دعاء پڑھ كر سلام پھير ديں۔

(صلوة البصر ص ۲۵۷، ۲۵۸)



## غیر مقلدین کی اس دلیل کا جواب :

کثیر احادیث سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ نہ ایک نہ پانچ جہاں بھی اس قسم کی احادیث ہیں۔ انکا مطلب جفت رکعتوں کو طاق بنانا ہے نہ پانچ رکعتیں وتر کی ایک سلام کے ساتھ۔

ایک تشہد والا مسئلہ اگر حدیث کے ظاہری مطلب سے لیا جائے تو دوسری تمام احادیث کو چھوڑنا لازم آئے گا۔ اس حدیث پاک میں اہل علم کی بیان کردہ توجیہات کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

” وقد يقال ان المعنى لا يجلس في شئ للسلام بخلاف ما قبله من الركعات “

(مرقاۃ باب الوتر)

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سلام کے لئے نہیں بیٹھے کیونکہ پہلے آپ نے دو دو رکعت میں سلام کیلئے قعدہ کیا اور تشہد پڑھا اگر پانچ رکعتیں ثابت کریں تو حدیث پاک کو منسوخ ماننا پڑے گا۔

” قال ابن الهمام وفيه دليل على ان الوتر كان اولا خمسة واجمعنا على انه يجلس على رأس كل ركعتين “

(مرقاۃ باب الوتر)

ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا اس حدیث سے یہ سمجھ آتا ہے کہ وتر پہلے پانچ رکعت تھے (لیکن بعد میں تین رکعت والی احادیث سے یہ حدیث منسوخ ہے) دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد کے وجوب اجماع امت ہے۔



قربان جاؤں امام اعظم ابو حنيفہ رحمہ اللہ اور آپ کے متبعين كى فراست پر كه احاديث كو اس طرح تطبيق دى كه كوئى حديث چھوٹنے نہ پائے۔

## وتر میں ايك اور اختلاف :

وتر كے ادا كرنے میں ايك اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ كه قنوت ركوع سے پہلے پڑھا جائے يا كه بعد میں۔

## احناف كا مذہب :

اس مسئلہ میں احناف كا مذہب یہ ہے كه وتر كى نماز میں قنوت ركوع سے پہلے پڑھا جائے۔ احناف كے مذہب پر دلالت كرنے والى احاديث كو پہلے ذكر كيا جا چكا ہے، جن سے واضح طور پر ثابت ہے كه قنوت ركوع سے پہلے ہے بعد میں نہیں۔

## غير مقلدين كا مذہب :

غير مقلدين كا اس مسئلہ میں مذہب یہ ہے كه قنوت ركوع كے بعد پڑھا جائے۔

غير مقلدين نے اپنے موقف پر یہ حدیثیں پیش كیں

” ان ابا هريرة كان يحدث ان رسول الله ﷺ كان يدعو فى الصلوة حين يقول سمع الله لمن حمده “



ابو ہریرہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ نماز میں جب سمع اللہ  
لمن حمدہ کہتے تو (پھر) دعائے قنوت پڑھتے تھے

(نسائی)

”عن ابی ہریرۃ قال لما رفع رسول اللہ ﷺ رأسہ ..... قال

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب رکوع سے سر  
اٹھاتے تو دعائے قنوت پڑھتے۔

(نسائی)

ابن عباس روایت کرتے ہیں :

”قنت رسول اللہ ﷺ اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الركعة  
الآخرة“

قنوت پڑھی رسول اللہ نے آخر رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ  
کہ چکنے کے بعد

(ابوداؤد)

امام نووی شارح مسلم باب استحباب القنوت میں فرماتے ہیں :

”ومحل القنوت بعد رفع الرأس فی الركوع فی الركعة الآخرة“  
اور قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے

(صحیح مسلم)

میر مقلدین قنوت وتر اور قنوت نازلہ میں فرق نہ سمجھ سکے :

نبی کریم ﷺ کے ستر صحابہ کرام (جو قراء تھے) کو کفار نے دھوکہ  
سے شہید کر دیا تھا وہ بظاہر ان کو تبلیغ کیلئے لے گئے تھے۔ تو اس وقت نبی کریم



ﷺ نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ایک مہینہ کفار کے خلاف دعا کی۔ اسے قنوت نازلہ کہتے ہیں۔

وتر میں تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے جو دعا پڑھی جاتی ہے اسے قنوت وتر کہا جاتا ہے چونکہ دونوں دعاؤں کیلئے قنوت کا لفظ استعمال ہوا۔ اس لئے غیر مقلدین ان میں فرق نہ سمجھ سکے، دونوں کو ملا، جلا دیا اس لئے وہ غلطی کا خود تو شکار ہو گئے لیکن دوسروں کو بھی غلط راہ پر چلانے کے لئے سر توڑ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ بات واضح ہے کہ جو قنوت رکوع کے بعد پڑھا گیا وہ قنوت نازلہ ہے۔ اور جو قنوت رکوع سے پہلے پڑھا گیا وہ قنوت وتر ہے۔

## غیر مقلدین کی بددیانتی یا جہالت :

مقام افسوس یہ ہے کہ قنوت نازلہ والی احادیث سے اپنے مطلب کے الفاظ پیش کرنا اور باقی حدیث کو چھوڑ دینا کون سا دین ہے۔ اسے صرف بددیانتی کہا جاسکتا ہے یا جہالت۔

وتر میں پڑھے جانے والے قنوت کے متعلق نسائی میں جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے۔

” عن ابی بن کعب ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات کان یقرأ فی الاولى بسبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الثانية بقل یا ایہا الکافرون وفی الثالثة بقل هو اللہ احد ویقنت قبل الركوع فاذا فرغ قال عند فراغه سبحان الملك القدوس ثلاث مرات یطیل فی آخرهن“

(نسائی باب کیف الوتر بثلاث)



حضرت اہلی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ پڑھتے اور دوسری رکعت میں ”قل یا ایہا الکفرون“ پڑھتے اور تیسری رکعت میں ”قل هو اللہ احد“ پڑھتے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے فارغ ہونے کے بعد ”سبحان الملك القدوس“ تین مرتبہ پڑھتے اور آخری مرتبہ لمبی آواز سے یہی الفاظ پڑھتے۔

اس حدیث پاک کو وتر کی بحث میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں جس قنوت کا ذکر کیا گیا وہ وتر کا قنوت ہے جو رکوع سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی پیش کردہ احادیث کو دیکھیں :

پہلی حدیث جو نسائی کے حوالہ سے ذکر کی گئی وہ حدیث مکمل اس طرح ہے۔

”حدثنا عمرو بن عثمان حدثنا بقية عن ابي حمزة قال حدثني محمد قال حدثني سعيد بن المسيب و ابو سلمة بن عبد الرحمن ان ابا هريرة كان يحدث ان رسول الله ﷺ كان يدعو في الصلوة حين يقول سمع الله لمن حمده ربنا لك والحمد ثم يقول وهو قائم قبل ان يسجد اللهم انج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش ابن ابي ربيعة والمستضعفين من المؤمنين اللهم اشدد وطأتك على مضر واجعلها عليهم كسنى يوسف ثم يقول الله اكبر فيسجد ، وضاحية مضر يومئذ مخالفون لرسول الله ﷺ“

(نسائی باب القنوت فی الصبح)



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نماز میں دعا کرتے تھے جب کہ سمع اللہ لمن حمدہ، اور ربنا ولك الحمد کہہ لیتے تھے۔ پھر آپ کھڑے ہو کر سجد سے پہلے یہ کہتے تھے ”اے اللہ ولید ابن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ الارکمزور، ضعیف مؤمنین کو نجات دے۔ اے اللہ مضر کو ذلیل کر اور ان کو اس طرح قحط سالی میں مبتلاء کر جیسے یوسف علیہ السلام کی قوم قحط سالی میں مبتلاء ہوئی تھی۔ پھر آپ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرتے۔ (مضر قبیلہ کے خلاف دعا کرنے کی وجہ یہ تھی) کہ مضر رسول اللہ ﷺ کے (دین کے) مخالف تھے۔

حدیث پاک کو جس عنوان کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے اسے دیکھیں کہ یہ جس دعا کا ذکر ہے وہ صبح کی نماز میں ہے اور قنوت نازلہ ہے۔ وتر کا قنوت نہیں۔

غیر مقلدین نے نسائی کے حوالہ سے جو دوسری حدیث کے چند الفاظ ذکر کر کے اپنی ناکام کوشش کی ہے، اسے دیکھیں۔

”حدثنا محمد بن حدثنا سفیان قال حفظناه من الزهري عن سعيد عن ابى هريرة قال لما رفع رسول الله ﷺ رأسه من الركعة الثانية من صلوة الصبح قال اللهم انج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ربيعة والمستضعفين بمكة اللهم اشدد وطأتك على مضر واجعلها عليهم سنين كسنى يوسف“

(نسائی باب القنوت فی الصلوة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب اپنا



صبح کی نماز کی دوسری رکعت سے اٹھاتے تو یہ دعاء کرتے (دعا کا ترجمہ وہی جو پہلی حدیث میں ذکر کیا ہے)

قارئین کرام انصاف سے خود ہی فیصلہ کریں کون حق بات بیان کرتا ہے اور مکمل بیان کرتا ہے اور مکمل حوالہ دیتا ہے اور کون توڑ موڑ کر، عنوان کا حوالہ دیئے بغیر غلط مسائل بیان کرتا ہے۔

غیر مقلدین کی تیسری دلیل نووی شرح مسلم سے یہاں عنوان کا حوالہ دیا گیا، لیکن اگر عنوان کو مکمل پڑھ لیا جاتا تو غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا، علامہ نووی کے یہ الفاظ ”و محلہ بعد رفع الرأس من الركوع فی الركعة الاخيرة“ قنوت کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے اس عنوان کے تحت ہیں۔

”باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات اذا نزلت نازلة العیاذ باللہ واستحبابه فی الصبح دائما و بیان ان محلہ بعد رفع الرأس من الركوع فی الركعة الاخيرة واستحباب الجهرية“

(مسلم شریف جلد اول ص ۲۵۷)

مسلمانوں پر ”العیاذ باللہ“ جب کوئی مصیبت نازل ہو تو تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا مستحب ہے خصوصاً صبح کی نماز میں ہمیشہ پڑھنا مستحب اور اس کا محل آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور جہری طور پر مستحب ہے۔

یہ تھا عنوان جس میں واضح طور بیان کیا گیا ہے کہ اس عنوان میں اس قنوت کا ذکر ہے جو مصیبت کے نازل ہونے پر پڑھا گیا تھا جسے قنوت نازلہ کہا گیا



یہ تمام نمازوں میں پڑھا گیا۔ لیکن صبح میں زیادہ مرتبہ پڑھا گیا۔

خیال رہے کہ ایک مہینہ نبی کریم ﷺ نے پڑھا بعد میں منسوخ ہو گیا  
اب قنوت نازلہ پڑھنا درست نہیں۔

## قنوت نازلہ کی منسوخیت احادیث سے :

” عن عاصم قال سألت انس بن مالك عن القنوت فقال قد  
كان القنوت قبل الركوع او بعده قال قبله قال فان فلانا  
اخبرني عنك انك قلت بعد الركوع فقال كذب انما قنت  
رسول الله ﷺ بعد الركوع شهر اراه كان بعث قوما يقال لهم  
القراء زهاء سبعين رجلا الى قوم مشركين دون اولئك وكان  
بينهم وبين رسول الله ﷺ عهد فقتل رسول الله ﷺ شهرا  
يدعو عليهم“

(بخاری باب القنوت قبل الركوع وبعده، مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات)

عاصم کہتے ہیں، میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے  
قنوت کے متعلق پوچھا کہ رکوع کے بعد ہے یا پہلے انہوں نے کہا  
رکوع سے پہلے۔ یہ کہتے ہیں میں نے کہا مجھے تو ایک شخص نے  
تمہارے متعلق خبر دی ہے کہ تم کہتے ہو رکوع کے بعد قنوت ہے۔  
انہوں نے کہا اس شخص نے جھوٹ بولا ہے ہاں البتہ یقینی بات ہے  
رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا جب آپ  
نے تقریباً ستر اشخاص کو مشرک قوم کی طرف بھیجا وہ لوگ جن  
کو بھیجا گیا تھا ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ لیکن مشرک ان کے درپے



ہوئے (ان کو شہید کر دیا) حالانکہ ان لوگوں کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد تھا (ان کی وعدہ شکنی اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو شہید کرنے کی وجہ سے) نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف ایک مہینہ تک دعا کی۔

اس حدیث سے واضح ہو اتر کا قنوت رکوع سے پہلے ہے۔ قنوت نازلہ رکوع کے بعد ہے۔ وہ ایک مہینہ تک پڑھا گیا۔ پھر چھوڑ دیا گیا۔ اب منسوخ ہو چکا ہے۔

” عن مجملد قال قلت لانس هل قنت رسول الله ﷺ في صلاة الصبح قال نعم بعد الركوع يسيرا“

(بخاری باب القنوت قبل الركوع وبعده، مسلم باب استحباب القنوت في جميع الصلوات)

محمد (ابن سیرین) کہتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھا ہے، انہوں نے کہا ہاں رکوع کے بعد تھوڑے وقت میں پڑھا ہے۔

” عن ابی مجلز عن انس بن مالک قال قنت رسول الله ﷺ شهرا بعد الركوع في صلاة الصبح يدعو على رعل وذكوان ويقول عصبه عصت الله ورسوله“

(بخاری باب عزوة الرجيع وزعل وذكوان مسلم باب استحباب القنوت في جميع الصلوات)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں رکوع کے بعد قبیلہ رعل اور ذکوان کے خلاف دعا کی۔ اور فرمانے لگے قبیلہ عصبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے

” عن انس بن سيرين عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ



قنت شہرا بعد الرکوع فی صلوة الفجر يدعو علی بنی عصبیة“

(مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھا جس میں آپ بنی عصبیہ کے خلاف دعا کرتے رہے۔

”عن قتادة عن انس ان رسول الله ﷺ قنت شہرا يدعو علی (احیاء من) احیاء العرب تم ترکہ“

(مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ قنوت (نازلہ) پڑھا عرب کے بعض قبائل کے خلاف دعا کی لیکن پھر اسے چھوڑ دیا۔

اس مضمون پر دلالت کرنے والی اور کئی احادیث ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ قنوت نازلہ منسوخ ہو چکا ہے۔ ابھی تک کی گئی بحث سے یہ واضح ہو چکا ہے۔ کہ قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے اور قنوت نازلہ رکوع کے بعد پڑھا گیا۔ بعد میں چھوڑ دیا گیا۔

تمام نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھا گیا۔ لیکن صبح کی نماز میں زیادہ پڑھا گیا۔ بعد میں منسوخ ہو گیا۔ غیر مقلدین نے لفظ قنوت کو دیکھ کر یہی سمجھا کہ قنوت وتر اور قنوت نازلہ ایک چیز ہے۔ یا انہوں نے دیدہ دانستہ اپنے باطل مذہب کو احادیث سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اور دوسرے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے قنوت نازلہ والی احادیث مبارکہ سے قنوت وتر ثابت کرنا چاہا لیکن بفضلہ تعالیٰ ان کی بددیانتی کا پردہ چاک کر دیا گیا۔



## ﴿ نماز تراویح کا بیان ﴾

تراویح کی نماز میں مشہور اختلاف ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک آٹھ تراویح ہیں۔ احناف کے نزدیک بیس رکعت تراویح ہیں۔

بحث تراویح سے پہلے چند ضروری بنیادی باتیں :

نبی کریم ﷺ نے تین یا چار راتیں تراویح کی جماعت کرائی، پھر امت پر شفقت کرتے ہوئے تراویح کی جماعت نہیں کرائی تاکہ امت پر تراویح کو فرض نہ کر دیا جائے۔

نبی کریم ﷺ سے تراویح کی رکعات کا واضح کوئی ثبوت نہیں۔ بیس کا ثبوت بھی نہیں اور آٹھ کا بھی نہیں صحابہ کرام سے تراویح بیس رکعت ادا کرنا ثابت ہے۔

مطلقاً جماعت سے تراویح ادا کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، کیونکہ آپ نے جماعت سے تراویح پڑھائی ہیں بیس رکعت تراویح سنت صحابہ کرام ہے۔

صحابہ کرام کا طرز عمل بھی ہمارے لئے سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

” فعليكم بسنتي و سنته الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا



علیہا بالنواجذ

(مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

میری سنت پر عمل کرنا تم پر لازم ہے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر بھی اسے لازم پکڑو، مضبوطی سے اس پر عمل کرو

نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں اور دوسرے مہینوں میں ہمیشہ تہجد ادا کئے۔ رمضان میں تہجد کو چھوڑا نہیں تہجد اور نماز ہے اور تراویح اور نماز ہے۔ دونوں کو ایک کہنا غلط ہے۔

تراویح جمع ہے ترویجہ کی، جس کا معنی ہے آرام کرنا، راحت حاصل کرنا چونکہ تراویح کی چار رکعت کے بعد وقفہ کیا جاتا ہے اس لئے چار رکعت کے بعد ایک ترویجہ ہوتا ہے تراویح نام ہی بتاتا ہے کہ آٹھ کا قول غلط ہے کیونکہ آٹھ میں تو صرف ایک ترویجہ ہوتا ہے پھر تراویح نام کیوں؟ ترویجہ ہونا چاہئے

وقفہ کے دوران اہل مدینہ اضافی طور پر چار رکعت نوافل اکیلے اکیلے ادا کرتے تھے۔ اہل مکہ وقفہ کے دوران طواف کرتے اور زور رکعت تحیۃ الطواف ادا کرتے تھے۔ دوران وقفہ کوئی عمل لازم نہیں۔ کسی طرح کا بھی ذکر کر لیا جائے تو درست ہے۔ مشہور تسبیحات پڑھی جائیں یا کلمہ شریف یا درود شریف کا ورد کر لیا جائے۔

احناف اپنے موقف میں یہ احادیث ذکر کرتے ہیں :

رمضان شریف میں قیام کی فضیلت :

”عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من قام رمضان ایمانا



واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه“

(بخاری باب تطوع قیام رمضان من الایمان ، مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح )  
 ”ترمذی باب ما جاء فی فضل شهر رمضان ، ابوداؤد باب فی قیام شهر رمضان نسانی باب ثواب من قام  
 رمضان ایمان ابن ماجه باب ماجاء فی قیام شهر رمضان“ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے  
 فرمایا جس شخص نے رمضان میں ایمان و احتساب سے قیام کیا  
 (تراویح پڑھیں) اس کے پہلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔

گناہوں سے مراد صغائر ہیں ، کیونکہ کبیرہ گناہ صرف توبہ سے معاف  
 ہوتے ہیں البتہ صغائر کئی عبادات سے معاف ہو جاتے ہیں خیال رہے کہ  
 حدیث پاک میں جو لفظ ”احتسابا“ استعمال ہو اس کا معنی ”اللہ کی رحمت پر کامل  
 بھروسہ کرنا اور اسی سے ثواب کی امید کرنا“ ہے

” عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام  
 رمضان من غیر ان یامرہم فیہ بعزیمۃ فیقول من قام رمضان  
 ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه فتوفی رسول اللہ ﷺ  
 والامر علی ذلک ثم کان الامر علی ذلک فی خلافة ابی بکر  
 وصدرا من خلافة عمر علی ذلک“

(مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ  
 رمضان میں قیام (تراویح ادا کرنے) کی رغبت دلاتے تھے لیکن  
 لزومی حکم نہیں فرماتے تھے آپ فرماتے تھے جس شخص نے رمضان  
 میں ایمان و احتساب سے قیام کیا اس کے پہلے گناہ معاف کر دئے  
 جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال تک معاملہ ایسے ہی رہا  
 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران بھی معاملہ



ایسے ہی رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی خلافت کے دوران بھی معاملہ ایسے ہی رہا۔

یعنی صرف قیام کی رغبت دلائی جاتی رہی باقاعدگی سے تراویح کی جماعت کو لازم نہیں قرار دیا گیا، لیکن پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہی باقاعدہ تراویح کی جماعت شروع ہوگی اسی لئے تراویح کو جماعت سے ادا کرنے سنت مؤکدہ ہے سنت خلفاء راشدین درحقیقت سنت رسول اللہ ﷺ ہے کیونکہ خلفاء راشدین نے جو کام کئے وہ نبی کریم ﷺ کی اتباع میں ہی تھے۔

## تراویح کی جماعت رسول اللہ ﷺ نے کرائی :

” عن عروة ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلى في المسجد وصلى رجال بصلوته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله ﷺ فصلى فصلوا بصلوته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم يخف على مكانكم ولكني خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفى رسول الله ﷺ والامر على ذلك“

(بخاری باب فضل من قام رمضان، مسلم باب الترغيب في قيام رمضان)

حضرت عروہ سے مروی کہ بے شک مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ



عہما نے خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ایک رات کو نکلے جب رات کا کچھ حصہ گزر چکا تھا، آپ نے مسجد میں نماز پڑھی دوسرے مرد حضرات نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی (یعنی نماز باجماعت ادا کی گئی) صبح لوگوں نے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کیا، (تو پہلی رات سے دوسری رات کو) لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کی اور آپ کے ساتھ دوسرے حضرات نے بھی نماز ادا کی۔ صبح لوگوں نے ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا تو تیسری رات لوگ پہلے سے بھی زیادہ جمع ہو گئے، نبی کریم ﷺ تشریف لائے، آپ نے بھی نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی نماز پڑھی، چوتھی رات اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ مسجد تنگ ہو گئی، نبی کریم ﷺ صبح کی نماز کے لئے نکلے۔

جب آپ نے صبح کی نماز ادا فرمائی تو لوگوں کی طرف توجہ کی، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی شہادتیں کو پڑھا۔ اس کے بعد ”اما بعد“ کہہ کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا تمہارا اس مقام پر جمع ہونا مجھ پر مخفی نہیں تھا، لیکن مجھے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے، تم ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ، نبی کریم ﷺ کے وصال تک معاملہ ایسے ہی رہا۔

## حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد :

تراویح مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی ابتداء کی تراویح جماعت سے ادا کرنا سنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔



” وفيه قيام رمضان سنة بالجماعة وليس كما زعمه بعضهم  
انه سنة عمر رضي الله عنه “

(عینی شرح بخارج ۷ ص ۱۷۸)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ تراویح کو جماعت سے ادا کرنا  
رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہ  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

” ان عدم خروجہ الیہم کان للخشية عن فرضية هذه الصلوة  
والشفقة على امته والرافة بهم لالعة اخرى “

(ازعینی شرح بخاری)

چوتھی رات نبی کریم ﷺ کا باہر مسجد میں تشریف نہ لانا صرف اپنی  
امت پر شفقت اور مہربانی کی وجہ سے تھا کہ میری امت پر تراویح فرض نہ  
ہو جائیں اور ایسا نہ ہو کہ یہ ادا کرنے سے عاجز ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے اگرچہ نصف رات کے وقت تراویح کی جماعت  
کرائی لیکن ان کے لئے علیحدہ اذان اور اقامت نہیں کہی گئی۔ خیال رہے تراویح  
کا وقت عشاء کے فرض ادا کرنے کے بعد اور وتر ادا کرنے سے پہلے ہے نصف  
رات تک انتظار کرنا ضروری نہیں۔

صحابہ کرام عبادت پر بہت ہی زیادہ حریص تھے، کیونکہ پہلی رات  
صرف ان لوگوں کو تراویح پڑھائی گئیں جو مسجد میں تھے لیکن صبح جب ایک  
دوسرے کو بتایا گیا تو دوسری رات زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہو گئے اسی طرح  
جب زیادہ لوگوں کو علم ہوا تو اور زیادہ ہوئے یہاں تک کہ مسجد میں جگہ باقی نہ



رہی بلکہ لوگ مسجد میں نہ سما سکے۔

”واجمعا علی انه لا یجوز تعطیل المساجد عن قیام رمضان  
فهو واجب علی الکفایة“

(عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۷۸)

اس پر اجماع امت ہے کہ مساجد کو تراویح کی نماز سے خالی چھوڑنا  
جائز نہیں، بلکہ تراویح کے لئے مساجد میں جمع اور جماعت سے نماز  
ادا کرنا واجب علی الکفایة ہے۔

## تراویح کی ابتداء اعتکاف کی راتوں میں ہوئی :

”عن زید بن ثابت ان النبی ﷺ اتخذ حجرة فی المسجد من  
حصیر فصلی فیہ لیالی حتی اجتمع علیہ ناس ثم فقدوا صوته  
لیلة وظنوا انه قد نام فجعل بعضهم یتنحج لیخرج الیهم فقال  
ما زال بکم الذی رأیت من صنعکم حتی خشیت ان یکتب  
علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به فصلوا ایها الناس فی  
بیوتکم فان افضل صلوة المرء فی بیته الا الصلوة المکتوبة“

(بخاری باب فضل من قام رمضان، مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان)

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم  
ﷺ نے مسجد میں چٹائیوں کا ایک حجرہ بنایا (یعنی اعتکاف کے لئے  
علیحدہ جگہ کا انتخاب کیا) آپ نے اسی میں چند راتیں نماز ادا کی (یعنی  
جماعت کرائی) یہاں تک کہ لوگ جمع ہوئے نبی کریم ﷺ کی آواز  
کو نہ پا کر لوگوں نے گمان کیا کہ آپ سو گئے ہیں، لوگوں نے  
کھنگورے لگانے شروع کئے تاکہ آپ ہمارے پاس تشریف لے



آئیں، (صبح کی نماز کی بعد) نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمہارے طرز عمل کو دیکھ رہا تھا، مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔ اگر فرض کر دی گئی تو (ہو سکتا ہے تم اس کی فرضیت کا لحاظ کر کے) ادا نہ کر سکو، اے لوگو تم اپنے گھروں میں ہی یہ نماز ادا کر لیا کرو، بے شک انسان کی نماز سوائے فرض نمازوں کے گھروں میں افضل ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ ابتداء تراویح کی نماز کی اعتکاف کی راتوں کو ہوئی کیونکہ مسجد میں چٹائیوں کا حجرہ اعتکاف کے لئے ہی نبی کریم ﷺ بناتے تھے

”انہ کان معتکفا فلما عارضہ خوف الافراض علیہم ترکہ

لعظم المفسدة التي تخاف من عجزهم وترکهم الفرض“

(عینی شرح بخارج ۷ ص ۱۷۸)

مسجد میں تراویح کی جماعت کرانے اور پھر چھوڑ دینے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی رحمہ اللہ نے ایک وجہ یہ بیان کی کہ نبی کریم ﷺ اعتکاف میں تھے تو ابتداء جماعت کی مسجد سے ہی کی، لیکن جب آپ کو اپنی امت پر اس نماز کے فرض ہونے کا خوف ہوا اور یہ خیال ہوا کہ یہ فرض کو ادا کرنے کی ہمت نہ رکھ سکیں اور کہیں چھوڑ نہ دیں، تو اس عظیم مشکل سے بچنے کے لئے آپ نے جماعت کرانی چھوڑ دی۔

**مسئلہ :-** اعتکاف میں علیحدہ پردے میں جگہ بنانا مستحب ہے، لیکن

ضروری نہیں، ضروری صرف مسجد میں رہنا ہے۔ بغیر ضرورت کے مسجد سے



باہر نکلنا منع ہے مسجد کے کمرہ، صحن اور چھت پر بیٹھنا، سونا جائز ہے۔

**مسئلہ :-** نوافل وغیرہ گہرا کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرض نمازوں کے بغیر (نفلی) نماز گہر میں افضل ہے اور فرمایا گہروں کو قبرستان نہ بناؤ، یعنی جس طرح قبرستان میں نماز ادا نہیں کی جاتی ایسے ہی تم گہروں میں نماز ادا کرنا چھوڑ نہ دو۔

لیکن اگر کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ میں بچوں وغیرہ کی وجہ سے گہر اطمینان سے نماز ادا نہیں کر سکوں گا۔ یا گہر جا کر ہو سکتا ہے دنیاوی مشاغل کی وجہ سنتیں اور نفل رہ نہ جائیں تو ایسی صورت میں سنت اور نوافل مسجد میں افضل رہیں گے۔

(طحطاری)

راتیں جنمیں نبی کریم ﷺ نے تراویح کی جماعت کرائی :

” عن جبیر بن نفیر عن ابی ذر قال صمنا مع رسول اللہ ﷺ فی رمضان فلم یقم بنا حتی بقی سبع من العشرة فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسة فقام بنا فی الخامسة حتی ذهب شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ لو نفلتنا بقیة لیلتنا هذه قال انه من قام مع الامام حتی ینصرف کتب اللہ له قام لیلۃ ثم لم یصل بنا ولم یقم حتی بقی ثلث من الشهر فقام بنا فی الثالثة وجمع اہله ونسائه حتی تخوفنا ان یفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور“

(ترمذی باب ماجاء فی قیام شهر رمضان، ابوداؤد باب فی قیام شهر رمضان) نسائی باب قیام شهر رمضان واللفظ له ابن ماجہ باب ماجاء فی قیام شهر رمضان مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹



جبیر ابن نفیر سے مروی ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں روزے رکھے۔ آپ نے ہمیں نماز تراویح نہیں پڑھائی، یہاں تک کہ (آخری) عشرہ کی سات راتیں جب باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمیں نماز تراویح پڑھائی یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ گذر گیا۔ پھر جب چھ راتیں باقی رہ گئیں تو اس رات آپ نے ہمیں نماز تراویح نہیں پڑھائی۔ پھر جب پانچ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمیں تراویح کی نماز پڑھائی یہاں تک کہ نصف رات گذر گئی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کاش کہ آپ اس بقیہ رات میں بھی آپ ہمیں یہ فرائض سے زائد نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کے ساتھ مل کر (اتنی مقدار میں) قیام کر لیا اور پھر چلا گیا تو اسے تمام رات نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔ پھر آپ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی اور نہ قیام کیا یہاں تک کہ جب تین راتیں باقی رہ گئیں۔ تو آپ نے ہمیں نماز پڑھائی آپ نے اپنے اہل اور ازواج کو جمع کیا۔ (اتنی لمبی نماز تھی) ہمیں خوف ہوا کہ ہم سے فلاح ہی نہ رہ جائے۔ جبیر ابن نفیر کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ذر سے پوچھا کہ فلاح سے کیا مراد ہے تو آپ نے کہا سحری کا کھانا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد :

نبی کریم ﷺ پہلی تراویح کی نماز رمضان کی تیسری رات کو پڑھائی۔  
چوبیس رات کو نماز نہیں پڑھائی۔ پچیس رات کو پھر چھبیس رات کو نماز نہیں



پڑھائی اور ستائیس رات کو پھر نماز پڑھائی، پہلی رات کی نماز کچھ مختصر تھی۔  
دوسری رات پہلی رات سے لمبی نماز تھی، تیسری رات کو اور زیادہ لمبی تھی۔ یہاں  
تک کہ صحابہ کرام کو سحری کے فوت ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔

البتہ تیسری رات کو نماز غالباً کافی دیر سے شروع کی گئی۔ جیسا کہ پہلے ایک  
حدیث شریف میں ”جوف اللیل“ کے الفاظ گذر گئے کہ نصف رات کو نماز شروع کی  
گئی۔

تین راتوں میں مختلف طور پر نماز پڑھا کر رسول اللہ ﷺ نے یہ مسئلہ سمجھا دیا  
کہ لوگ تین قسم کے ہوں گے۔ کوئی تخفیف پسند کریں گے ان کے حال کے مطابق  
نماز کو مختصر پڑھایا جاسکتا ہے۔ اور کوئی متوسط ہوں گے، ان کے حال کے مطابق  
درمیانہ حال رکھا جائے نماز بہت مختصر نہ ہو اور بہت لمبی بھی نہ ہو۔ اور کچھ لوگ  
خشوع و خضوع والے ہوں گے جو ساری رات جاگنا چاہیں گے ان کے حال کے  
مطابق تمام رات بھی نماز پڑھائی جاسکے گی۔

اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ صحابہ کرام نماز پر بہت زیادہ حریص تھے۔ اسی لیے  
حضرات ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نصف رات تک نماز پڑھانے کے بعد رات کے  
بقیہ حصہ میں بھی نماز پڑھانے کی تمنا کی۔

جب انسان شوق و محبت اور خلوص سے امام کے ساتھ مل کر تراویح ادا کرے  
خواہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی ساری رات قیام اور نماز کا ثواب اسے مل جاتا  
ہے۔



نبی کریم ﷺ نے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھائی۔ اس لیے تراویح کو جماعت سے ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

یہ نماز رمضان کے آخری عشرہ میں تھی، جس طرح پہلے حدیث پاک سے واضح کیا جا چکا ہے۔

جماعت سے تراویح پڑھنے کو نبی کریم ﷺ نے پسند فرمایا:

”عن ثعلبة بن ابی مالک القرظی قال خرج رسول الله ﷺ ذات ليلة فی رمضان فرای فی ناحية المسجد يصلون فقال ما يصنع هؤلاء قال قائل یا رسول الله هؤلاء ناس لیس معهم القرآن و ابی بن کعب یقروهن معه يصلون بصلوته قال قد احسنوا وقد اصابوا ولم یکره ذلک لهم“ (بقی باب من رعم ایها بالحساعة افض ابو دائود باب قیام شهر رمضان)

ثعلبہ ابن مالک قرظی کہتے ہیں رمضان شریف ایک رات رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کچھ لوگ مسجد کے ایک کنارے میں نماز ادا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ قرآن پاک کے حافظ نہیں ہیں ابی بن کعب حافظ قرآن ہیں، اس لیے یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا انھوں نے اچھا کام کیا۔ آپ نے ان کے اس فعل کو ناپسند نہیں فرمایا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات میں ہی صحابہ کرام نے حافظ قرآن کے پیچھے جماعت سے تراویح شروع کر لی تھیں۔



نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو جماعت سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو منع نہیں کیا، ناپسند نہیں کیا، بلکہ پسند فرمایا اور ان کی تعریف کی کہ انہوں نے اچھا کام کیا ہے۔

جو لوگ حافظہ ہوں ان کا حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کرنا سنت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت کو باقاعدگی سے جاری

کرنا:

”عن عبد الرحمن بن عبد القاری انه قال خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان الى المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون بصلی الرجل لنفسه و بصلی الرجل فیصلی بصلوته الرهط فقال عمر انی ارای لو جمعت هؤلاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عرد فجمعهم علی ابی بن کعب ثم خرجت معه ليلة اخرى و الناس یصلون بصلوة قارنهم قال عمر نعم البدعة هذه. (بخاری کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان)

عبدالرحمن بن عبدالقاری روایت کرتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد تک گیا، وہاں لوگ مختلف حصوں میں متفرق تھے، کئی لوگ اکیلے اکیلے نماز ادا کر رہے تھے اور کوئی چھوٹا سا گروہ کسی شخص کی امامت میں جماعت سے نماز ادا کر رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک میری رائے یہ ہے ان کو ایک قاری کی امامت میں جمع کر دیا جائے تو بہت بہتر ہوگا۔ پھر آپ نے پختہ ارادہ فرمایا، یہاں تک کہ آپ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو ان سب کا امام مقرر



کر دیا، پھر آپ دوسری رات تشریف لائے تو دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قاری کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ نئی چیز بہت ہی اچھی ہے۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات میں صحابہ کرام ایک حافظ و قاری کی امامت میں تراویح جماعت سے شروع کیں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں سلسلہ میں جاری رہا۔

نبی کریم ﷺ انھیں ن ہیں روکا، اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں روکا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں نہیں روکا۔ بلکہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ رمضان شرف میں قیام کا اہتمام کر رہے ہیں لیکن تراویح باقاعدہ طور پر سب مل کر جماعت سے ادا نہیں کرتے بلکہ کوئی علیحدہ طور پر اپنی اپنی نماز ادا کر رہے ہیں اور کوئی جماعت سے تو آپ نے خیال ظاہر کیا کہ یہ لوگ اگر سب مل کر جماعت سے نماز ادا کریں اور ایک مسجد میں ایک ہی امام پیچھے سب نماز ادا کریں تو کتنا ہی بہتر ہوگا۔

پھر آپ نے اپنے خیال کو مکمل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا، یہاں کہ مسجد نبوی میں ایک ہی امام تراویح کے لیے مقرر کر دیا۔ وہ صاحب جن کو امام مقرر فرمایا وہ حضرت ابی بن کعب تھے جو حافظ قرآن تھے۔



واضح ہوا کہ تراویح میں قرآن پاک کا سنا اگرچہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں شروع ہوا لیکن باقاعدہ طور پر نہیں، بلکہ مرضی پر موقوف تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جس طرح جماعت کو باقاعدہ طور پر جاری کیا گیا اسی طرح امام ایسے شخص کو مقرر کیا جو حافظ تھا، اسی وقت سے تراویح میں قرآن پاک کا سنا بھی باقاعدہ طور پر شروع ہو گیا۔

### فائدہ جلیلہ :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا باقاعدہ طور پر جماعت سے تراویح ادا کرنے کو دیکھ کر کہنا ”نعمت البدعة هذا“ (یہ نئی چیز بہت اچھی ہے) اس سے کئی مسائل حل ہوئے ہر بات کو یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے جو حدیث پاک سے لیا گیا ہے جسے سمجھنے کی تکلیف برداشت نہیں کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ بدعت سینۃ (نئی چیز جو بری ہو) گمراہی ہے نہ کہ بدعت حسنہ، اچھی نئی چیز کو گمراہی کہنے سے وہ لوگ جو ہر نئی چیز کو بدعت اور گمراہی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی خود بھی گمراہی سے بچ نہیں سکیں گے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ”نماز کے لئے دل میں نیت کر لینا کہ یہ فلاں نماز ہے فلاں وقت کی ہے، اور میں امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہوں“

کافی ہے۔ لیکن اگر الفاظ سے ادا کرے تو بہتر ہے تاکہ دل کی نیت کے



موافق زبان کے الفاظ ہو جائیں۔ اس طرح نماز کی طرف توجہ زیادہ ہوگی کیونکہ ابھی زبان سے کہا تھا کہ یہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھ رہا ہوں تو ان الفاظ کو یاد کرتے ہوئے انسان یقیناً نماز کی طرف دھیان زیادہ کرے گا۔

اس پر اشتہار چھاپ چھاپ کر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو دل سے نیت کرتے تھے، زبان سے نیت نہیں کرتے تھے تم زبان سے نیت کر کے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرتے ہو۔

ایسے جاہلانہ طرز تبلیغ سے اے اللہ تیری پناہ اے اللہ ان جاہلوں کو ہدایت عطا فرما، کاش کہ ان لوگوں کو یہ بھی کوئی بتائے کہ نبی کریم ﷺ نے جمعہ اور عیدین میں صرف عربی خطبہ دیا تھا۔ اردو یا کسی اور زبان میں تقریر نہیں کی تھی تم پہلے اردو، یا اور کسی زبان میں تقریر کرتے ہو پھر عربی خطبہ پڑھتے ہو تمہارا یہ طور طریقہ کہاں سے آیا، کیا یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے؟

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی کچی تھی، دیواریں پتھروں اور مٹی سے بنی ہوئی تھیں۔ چھت سے بارش میں پانی ٹپکتا تھا۔ آج پختہ مسجدیں کیوں بنا رہے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں قالین نہیں تھے، بجلی کے پنکھے نہیں تھے، تم کیوں یہ کام کر رہے ہو۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دینی مدرسہ کی کوئی عمارت نہیں تھی طلباء کے لئے رہائش کا عمارتی صورت میں کوئی اہتمام نہیں تھا طلباء کے لئے کھانے کا اہتمام لنگر خانہ کی صورت میں نہیں تھا طلباء کو



پڑھانے کے کوئی تنخواہ دار مدرس نہیں تھا۔ امامت کرانے کے لئے کوئی تنخواہ دار امام نہیں تھا، تم یہ سب کام کیوں کر رہے ہو؟

نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جا کر کبھی لگاتار تین دن سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ تم دن میں تین مرتبہ گندم کی روٹی سیر ہو کر کھا کر ڈکار کیوں مار رہے ہو۔ نبی کریم ﷺ کے گھر تو کھانا پکانے کے لئے کئی کئی دن چولہا نہیں جلتا تھا، بلکہ صرف کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔ تم طرح طرح کے کھانے کیوں کھا رہے ہو۔

نبی کریم ﷺ نے فقیرانہ لباس اختیار فرمایا۔ آپ نے شاہانہ لباس اختیار نہیں کیا، تم شاہانہ لباس، کاروں کی سواری کو حاصل کرتے ہو۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کوئی صرف کی کتاب نہیں تھی، نحو کی نہیں تھی آج یہ تم کیوں پڑھ رہے ہو، ذرا اپنے گریبان میں جھانکو کہیں تم گمراہ تو نہیں ہو رہے یقیناً ان چیزوں سے تو تم گمراہ نہیں ہو رہے ان چیزوں کی وجہ سے تو ہم تمہیں گمراہ نہیں مانتے لیکن البتہ مسلمانوں کو گمراہ کہنے کی وجہ سے یقیناً تم دین سے بغاوت کر رہے ہو اور گمراہ ہو رہے ہو۔ تف تمہاری عقل پر جب رب تعالیٰ نے تمہیں راہ راست سے بھڑکادیا تو میں کیا کروں۔

☆☆☆☆☆



## پس تراویح کا ثبوت

” عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال كانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة قال و كانوا یقرؤن بالمنین و كانوا یتوکلون علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان من شدة القيام “

(بیہقی باب ما روی فی عدد رکعات القيام فی شهر رمضان)

سائب بن یزید کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان شریف کے مہینہ میں پندرہ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں اور کئی کئی سو آیتیں ان میں پڑھی جاتیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تراویح میں اتنا لمبا قیام ہوتا کہ لوگ اپنی لائٹھیوں پر سہارا لگاتے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق بیان کیا گیا ہے :

”واسنادہ صحیح“ اس کی سند صحیح ہے۔

یہ حدیث <sup>بیہقی</sup> رحمہ اللہ نے سنن کبریٰ میں ذکر کی۔ اس کی پوری سند

یہ ہے۔

” اخبرنا ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسن بن فنجویہ الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی عبد اللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی ثنا علی بن الجعد انبأنا ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب ابن یزید “



”رجال اسنادہ کلہم ثقات“ اس سند میں تمام راوی ثقہ حضرات ہیں، خصوصاً ابو عبد اللہ بن فنجویہ الدینوری کے متعلق بیان کیا گیا ”فہو کبار المحدثین فی زمانہ لایسئل عن مثله“ وہ اپنے زمانہ کے محدثین میں سے بڑے محدث تھے اس وقت ان کی مثل کوئی نہیں تھا۔

(طبقات الحفاظ للذہبی)

احمد بن محمد بن اسحاق المعروف بابن سنی کے متعلق کہا گیا ہے ”کان دینا خیرا صدوقا“ وہ دین دار تھے، ہر طرح کے اچھے کام کرنے والے تھے اور بہت بڑے سچے انسان تھے اور یہ نسائی کے راوی ہیں۔

(طبقات الحفاظ للذہبی)

ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز بغوی کے متعلق ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے ”ابوبکر کان ثقة ثبتا فہما عارفا“ ابو بکر عبد اللہ ثقہ راوی تھے، حافظ کامل تھا کامل فہم کے مالک تھے اور عارف تھے۔

علی بن جعد مخاری کے شیوخ میں سے ایک تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیان کیا ”انہ ثقة“ وہ ثقہ راوی تھے، ابن ابی ذب کے متعلق تقریب میں کہا گیا ”انہ ثقة فقیہ فاضل“ وہ ثقہ راوی ہیں اور فقیہ و فاضل ہیں۔ یزید بن خصیفہ اپنے زادا کی طرف منسوب ہیں اصل میں وہ یزید بن عبد اللہ بن خصیفہ ہیں ان کے متعلق بھی تقریب میں مذکور ہے ”انہ ثقة“ وہ ثقہ راوی ہیں۔

سائب ابن یزید، صحابی صغیر تھے، واضح ہوا تمام راوی ثقہ تھے اس لئے صرف زبانی طور پر حدیث کو ضعیف کہہ کر جان نہیں چھڑائی جاسکتی اور نہ ہی



کسی معاند کے قول کا اعتبار ہوگا۔

(از التعلیق الحسن ص ۳۹۴)

بیان کردہ حدیث پاک سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی تراویح پندرہ رکعت ادا ہوتی تھیں اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی تراویح پندرہ رکعت ہی تھیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں صرف یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت لمبا قیام کیا جاتا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنی لائٹھیوں پر سہارا لگانے پر مجبور ہوتے تھے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ آپ کے زمانہ میں تراویح کی پندرہ رکعت نہیں ہوتی تھیں۔

”عن یزید بن رومان انه قال قال کان الناس یقومون فی زمان

عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث و عشرين رکعة“

(موظا امام مالک باب ماجاء فی قیام رمضان)

یزید ابن رومان کہتے ہیں کہ بے شک لوگ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تیس رکعت ادا کرتے تھے۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تراویح پندرہ رکعت تھیں، اور وتر تین رکعت تھے اس حدیث کی سند کی متعلق کہا گیا ہے ”واسنادہ مرسل قوی“ اس کی سند مرسل قوی ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب تابعی صحابی کا ذکر نہ کرے تو وہ حدیث مرسل ہوتی ہے اور قوی اس لئے ہوتی ہے کہ تابعی نے اگرچہ صحابی کا ذکر نہیں کیا لیکن تمام صحابہ کرام قوی راوی ہیں لہذا صحابی کو سند میں ذکر نہ کرنے کی وجہ



بھی کوئی ایسی نہیں کہ حدیث کو ضعیف کر دیا جائے۔

” عن یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی  
بہم عشرین رکعة “

(مصنف ابن ابی شیبہ باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

یحییٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی  
اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو تراویح پڑھایا کریں۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس  
رکعت کو ہی لازم قرار دیا۔ اس کی سند کے متعلق کہا گیا ہے ”اسنادہ مرسل  
قوی“ اس کی سند مرسل قوی ہے وہ شخص جن کو امامت کا حکم دیا وہ حضرت ابی  
ابن کعب ہیں جن کا ذکر پہلی حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔

اہل مدینہ بیس رکعت پڑھتے تھے :

” عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس  
فی رمضان بالمدينة عشرین رکعة ویوتر بثلاث “

(مصنف ابن ابی شیبہ باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

عبدالعزیز ابن رفیع سے مروی ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی  
اللہ عنہ رمضان شریف میں لوگوں کو مدینہ طیبہ میں بیس رکعت  
پڑھاتے تھے اور تین وتر۔

اعتراض : اہل مدینہ تو چھتیس رکعت پڑھتے تھے، بیس کا قول کس طرح  
درست ہے۔ جیسا کہ عینی شرح بخاری میں ہے

” و عند مالک ستة وثلاثون رکعة غیر الوتر واحتج علی ذلك  
بعمل اهل المدينة “

(عینی شرح بخاری بخارج ۷ ص ۱۷۸)



امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کے بغیر چھتیس رکعت ہیں  
آپ نے اہل مدینہ کے عمل کو دلیل بنایا ہے کہ وہ وتر کے بغیر چھتیس  
رکعت ہی پڑھتے تھے۔

**جواب:** امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی بیس رکعت تراویح کے ہی قائل تھے،  
البتہ اہل مدینہ کے عمل کے مطابق چھتیس رکعت پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے،  
کیونکہ اہل مدینہ چار رکعت کے بعد چار رکعت نوافل بغیر جماعت کے علیحدہ  
علیحدہ پڑھتے تھے اور آخری چار رکعت یعنی بیس مکمل کرنے کے بعد نہیں  
پڑھتے، اس طرح ان کی سولہ رکعت اضافی ہو جاتی تھیں، بیس اور سولہ مل کر  
چھتیس رکعت بن جاتی تھیں۔

## اہل مکہ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا:

”ویستحب لاهل المدینة ستا وثلاثین رکعة تشبیہا باهل  
مكة حیث كانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون  
رکعتیه ولا یطوفون بعد الخامسة فاراد اهل المدینة مساواتهم  
فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات“

(مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۳)

اہل مدینہ نے چھتیس رکعت کو پسند کیا وہ اہل مکہ سے مشابہت  
کرتے کہ وہ ہر چار رکعت کے بعد طواف کرتے تھے اور دو رکعت تحیہ  
المسجد پڑھتے تھے پانچویں ترویح یعنی بیس رکعت مکمل کرنے کے بعد  
طواف نہیں کرتے تھے۔

اہل مدینہ ان کے مساوی اس طرح عمل کرتے تھے کہ طواف اور تحیہ



الطواف كى جگه چار ركعت نوافل ادا كرتے۔

مكه والے ٲيس ركعت تراوتح پڑھتے ان كے درميان چار مرتبه طواف كرتے تھے، ٲهر طواف كے بعد دور ركعت طواف كى پڑھتے، اس طرح مكه والوں كى ٲيس تراوتح اور آٹھ ركعت تحية الطواف اور چار طواف اور تين وتر ٲوتے يعنى تراوتح اور تحية الطواف اور وتر كى تين ركعت ملا كراكتيس ركعت بنتيم۔

مدينه طيبه والوں كى تراوتح، نوافل اور وتر كى مجموعى طور پر انتاليس ركعت بنتى تھيم۔ واضح ٲهواكه مدينه والے اور مكه والے ٲيس ركعت ٲى تراوتح پڑھتے رٲے بلكه ان ميں اضافى عبادت بهى كى۔

## ٲيس ركعت كے ثبوت پر اور احاديث :

” عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين

ركعة بالوتر “

(مصنف ابن ابى شيبه باب كم يصلى فى رمضان من ركعة)

عطاء كتے ٲيں ميں نے لوگوں كو جمع وتر كے تيس ركعت پڑھتے

ٲائے۔

اس حديث ٲاك سے بهى واضح ٲهواكه ٲيس ركعت تراوتح ٲيں اور تين

ركعت وتر ٲيں۔

” عن ابى الخصيب قال كان يؤمنا سويد بن غفلة فى رمضان

فصلى خمس ترويحات عشرين ركعة “

(السنن الكبرى للبيهقى كتاب الصلوة باب ماروى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان)



”اسنادہ حسن“ اس کی سند حسن ہے

ابو خصب کہتے ہیں کہ حضرت سوید ابن غفلہ رمضان شریف میں ہماری امامت کرات تھے، ہمیں پانچ ترویج یعنی تیس رکعات پڑھاتے تھے۔

”عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرين رکعة“

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

حضرت نافع بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ہمیں رمضان میں ابن ابی ملیکہ تیس رکعات پڑھاتے تھے۔

”اسنادہ صحیح“ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

”عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بہم فی رمضان خمس ترویجات ویوتر بثلاث“

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

سعید ابن عبید کہتے ہیں بے شک علی بن ربیعہ ہمیں رمضان میں پانچ ترویج یعنی تیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین و تر پڑھاتے تھے۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح طور پر تیس رکعات تراویح اور تین و تر کا ادا کرنا سمجھ آ رہا ہے۔

”اسنادہ صحیح“ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ جو دلیل بنانے کے قابل ہے، اس میں کسی قسم کا ضعف نہیں۔



## بیس رکعات کے متعلق کچھ اور احادیث :

ابھی تک بیس رکعات تراویح کے ثبوت پر جو احادیث پیش کی گئی وہ تمام صحیح یا حسن یا مرسل قوی الاسناد تھیں وہ تمام کی تمام قابل حجت ہیں، صحیح حدیث حکم کو ثابت کرنے کے لئے ایک ہی کافی ہے، جب کہ کئی احادیث صحیح اور حسن پیش کر دی گئی ہیں تو اب کون سی مشکل باقی رہ گئی۔

اب چند احادیث وہ نقل کر رہا ہوں جو اگرچہ ضعیف ہیں لیکن دوسری احادیث سے جب ان کو تائید حاصل ہے تو وہ بھی درجہ قوت میں آجاتی ہیں، ان کو بھی حجت بنانا صحیح ہوگا۔

” عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ كان يصلي في رمضان  
عشرين ركعة والوتر “

(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

(التعليق الحسن على آثار السنن ص ۳۹۸)

” عن ابی عبدالرحمن سلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال  
ودعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلي بالناس عشرين  
ركعة قال وکان علی رضی اللہ عنہم یوتر بهم “

(بیہقی)

ابو عبدالرحمن سلمی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قراء کو رمضان میں بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھائے، وتر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ



پڑھاتے تھے۔

(التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۳۹۹)

” عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ  
امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة“

(بیہقی)

ابو الحسناء کہتے ہیں بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ  
نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس رکعات  
پڑھائے۔

(التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۳۹۹)

” عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امرہ ان  
یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النہار  
ولایحسنون ان یقرؤا فلو قرأت علیہم باللیل فقال یا امیر  
المؤمنین ہذا شئی لم یکن فقال قد علمت ولکنہ حسن فصلی  
بہم عشرین رکعة“

(کنز العمال)

حضرت ابی ابن کعب کو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے  
حکم دیا کہ رمضان میں وہ لوگوں کو نماز ترویحات پڑھا دیا کریں بے شک  
لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں (لیکن حافظ نہ ہونے کی وجہ سے) قرآن  
پاک اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے اس لئے بہتر یہ ہے کہ رات کو تم  
انہیں نماز پڑھا دیا کرو۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ عرض کیا  
اے امیر المؤمنین یہ ایسا کام جو اس سے پہلے باقاعدہ طور پر نہیں کیا  
گیا۔ آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن اچھا کام ہے۔ تو انہوں نے  
بیس رکعات لوگوں کو پڑھائیں۔

(التعلیق الحسن ص ۴۰۰)



بیس رکعات کے ثبوت کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اچھے کام کا ایجاز کرنا بھی اچھا ہے۔

” عن عبدالله بن قيس عن شتير بن شكل انه كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر “

( مصنف ابن ابى شيبه )

عبداللہ بن قیس کہتے ہیں شتیر ابن شکل رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔

” عن ابى البخترى انه كان يصلى خمس ترويعات فى رمضان ويوتر “

( مصنف ابن ابى شيبه )

ابو البختری سے مروی ہے کہ وہ پانچ ترویعے رمضان میں پڑھتے تھے اور وتر پڑھتے تھے۔

چار مذاہب میں بھی تراویح بیس رکعات ہیں :

” والمختار عند ابى عبدالله رحمه الله فيها عشرون ركعة وبهذا قال الثورى وابو حنيفة والشافعى وقال مالك ستة وثلاثون وتعلق بفعل اهل المدينة “

( المفى لابن قدامة ج ۲ عن ۱۶۷ )

امام ابو عبداللہ رحمہ اللہ کے نزدیک مختار یہی ہے کہ بیس رکعات ادا کی جائیں۔ یہی قول امام ثوری اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ چھتیس رکعت کے قائل تھے، انہوں نے اہل مدینہ کے عمل کے مطابق عمل کو ترجیح دی۔



متنبیہ :

ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کنیت ہے، المعنی ابو قدامہ رحمہ اللہ ان کے ہی مقلد ہیں واضح ہوا کہ چار مذاہب، حنفی مالکی، شافعی، حنبلی، سب میں تراویح پیس رکعت ہی ہیں۔

کیونکہ پیس رکعت کے قائل امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ اور پیس رکعت کے قائل امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ اور پیس کا قول ہی امام ابو عبد اللہ احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا ہے۔ اور پیس رکعت ہی امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور اہل مدینہ کے نزدیک چھتیس رکعات کی وجہ گذر چکی ہے۔ کہ وہ پیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور سولہ رکعت اضافی طور پر نوافل ادا کرتے تھے۔

تراویح کی پیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع :

”اجمع الصحابة على ان التراويح عشرون ركعة“

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۹۴)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ تراویح کے پیس رکعات پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

”وقد عدوا ما وقع في زمن عمر رضي الله عنه كالأجماع“

(ارشاد الساری لشرح البخاری ج ۳ ص ۵۱۵)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی شرح ارشاد الساری میں



بيان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس تراویح پر جن لوگوں نے عمل کیا وہ اجماع کی طرح ہے۔

یعنی اتنی تعداد میں صحابہ کرام نے بیس تراویح پر عمل کیا جن کی تعداد اجماع کے درجہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

” روى مالك عن ابن رومان قال قال كافي الناس يقومون في زمن عمر في رمضان بثلاث وعشرين ركعة وعن علي انه امر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة وهذا كالأجماع“

(المغنى ج ۲ ص ۱۶۷)

ابن رومان کہتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں بیس رکعت (بیس تراویح، تین وتر) پڑھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ اس کے قائل لوگ اتنی تعداد میں ہیں جن کو اجماع کی حیثیت حاصل ہے۔

## غير مقلدين کے امام کا فتویٰ :

” فانه قد ثبت ان ابي بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة في قيام رمضان ويوتر بثلاث فرأى كثير من العلماء ان ذلك هو السنة لانه اقامه بين المهاجرة والانصار ولم ينكره منكر“

(فتاویٰ ابن تیمہ ج ۲۳ ص ۱۱۲)

بے شک یہ ثابت ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رمضان کے قیام میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھاتے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ بہت سے علماء نے اسے سنت قرار دیا ہے، اس لئے کہ انہوں نے



مہاجرین و انصار کے موجودگی میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھائے ہیں، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

جب حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کی موجودگی میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کی جماعت کرائی، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو اجماع صحابہ پایا گیا۔

ابن تیمیہ کے اقوال و نظریات ہی عقائد کے معاملہ میں غیر مقلدین کا سرمایہ ہیں۔ اسی کے اقوال کے مطابق غیر مقلدین کے عقائد ہیں تو بیس رکعت تراویح کے متعلق ابن تیمیہ کے فتویٰ کو نہ تسلیم کرنا باعث تعجب ہے۔ کاش کہ اپنے عقائد کے امام کی بات کو ہی تسلیم کر لیتے۔

## آٹھ تراویح پر غیر مقلدین کے دلائل :

تجد کے بیان میں آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پڑھ چکے، صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

”ماکان یرید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ“

یعنی رمضان اور غیر رمضان میں رسول خدا (رات کی نماز علی العموم) گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے، اس حدیث کی صحت کا آفتاب ہمیشہ نصف النہار پر رہا ہے۔ یہ حدیث نہایت درجہ صحیح اور غیر مجروح ہے، تو اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ حضور رات کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت (جن میں تین وتر بھی ہیں) رہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ غیر



رمضان تہجد گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور حضور نے وہی گیارہ رکعت تہجد تراویح کے نام سے رمضان میں پڑھائی۔

(صلوة الرسول ص ۳۸۱)

## غیر مقلدین کی اس دلیل کا رد :

ذرا غور فرمائیں کہ ایک ہی حدیث تہجد کی بحث میں اور وہی تراویح کی بحث میں ذکر کر دی۔

حدیث پاک سے واضح ہے کہ یہ اس نماز کا ذکر ہے جو نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں بھی پڑھی اور رمضان کے بغیر دوسرے مہینوں میں بھی پڑھی۔ وہ نماز تہجد ہے تراویح نہیں۔

تہجد صرف آٹھ ہی نبی کریم ﷺ نے نہیں پڑھے، بلکہ چار رکعت اور تین وتر، چھ رکعت اور تین وتر، آٹھ رکعت اور تین وتر۔

وتر کی بحث میں ایک حدیث پاک ذکر کی گئی اس کو پھر سے دیکھیں، تو واضح ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ نے صرف آٹھ ہی رکعت رمضان اور غیر رمضان میں پڑھے ہوں اس کی ناسوا اور کوئی صورت نہ۔ یہ کہنا غلط ہوگا۔

”عن عبد الله بن ابي قيس قال سألت عائشة بكم كان رسول الله ﷺ يوتر قالت باربع وثلاث وست وثلاث وثمان وثلاث وعشرة ولم يكن يوتر باكثر من ثلاث عشر ولا انقص من سبع

(طحاوی باب الوتر، ابوداؤد باب فی صلوة اللیل مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۹)

عبد اللہ ابن ابی قیس کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا



سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ کتنی تعداد میں وتر ادا کرتے تھے، آپ نے فرمایا چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین دس اور تین، آپ نے طاق رکعات تیرہ سے زائد نہیں ادا کیں اور سات سے کم نہیں۔

اب واضح ہوا کہ اگر تہجد والی حدیث سے ہی تراویح کو ثابت کرنا ہے تو یہ کہنا چاہئے کہ تراویح چار بھی ہیں چھ بھی ہیں، آٹھ بھی ہیں۔

## غیر مقلدین کی عجیب چالبازی :

جب ان کی دلیل بہت زیادہ کچی تھی کیونکہ انہوں نے وہ حدیث پیش کی جس میں تہجد کی نماز کا ذکر تھا، تو ان پر جب اعتراض ہوا کہ تم اس حدیث سے تراویح کی آٹھ رکعت کیسے ثابت کرتے ہو۔ تراویح تو غیر رمضان میں ادا نہیں ہوتیں تو انہوں نے پھرتی سے عجیب چالبازی کا مظاہرہ کیا، اپنا موقف یوں پیش کیا کہ رمضان کے بغیر جو تہجد تھے وہی رمضان میں تراویح بن گئیں۔

## غیر مقلدین کا موقف غلط ہے :

تہجد اور تراویح کو ایک کہنا غلط ہے یہ درحقیقت تہجد کے معنی سے ہی بے خبری ہے، ہجد، تہجد، نیند سے جاگنا، رات کو سونا۔ رات کو جاگ کر نماز پڑھنا۔

ہجد ہجد : نام وصلی باللیل، تہجد، استيقظ للصلوة

(المعجم الوسيط (المنجد اردو)



ہجد ، ہجودا ، فہو ہاجد ، کا معنی ہے سونا ، اور رات کو نماز پڑھنا ،  
تجد ، نماز کے لئے بیدار ہوا۔ لفظ تجد کے معنی سے ہی واضح ہوا کہ یہ نماز سو کر  
جاگنے پر سحری کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اور تراویح جاگتے ہی سب پڑھتے ہیں  
خواہ غیر مقلد ہوں یا کہ احناف۔

یہ کہنا کہ تجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے۔ اس  
پر غیر مقلدین نے کوئی دلیل نہیں قائم کی بلکہ صرف زبانی دعویٰ کر دیا ہے۔

## غیر مقلدین کے علامہ ثناء اللہ امرتسری کی حق گوئی

مولوی عبد اللہ چکڑالوی نے جب کہا کہ تراویح اور تجد ایک ہیں۔  
رمضان میں نبی کریم ﷺ نے تجد کی ہی جماعت کرنا شروع بنا دیا۔ تو اس کا  
رد کرتے ہوئے علامہ ثناء اللہ امرتسری نے یوں کہا۔

(مولوی عبد اللہ چکڑالوی صاحب کی) ساری کوشش کا خلاصہ یہ  
ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے دو نہیں۔  
یعنی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے تجد کی نماز ہے اور کوئی  
نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر دلیل کوئی نہیں بلکہ  
اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تجد کے معنی نیند سے اٹھ کر  
نماز کا پڑھنا قاموس میں ہے ”تہجد ، استیقظ“ نہ ہی حضرت  
عائشہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے  
یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی  
ہے بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ ”ماکان رسول اللہ



یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدی عشرۃ رکعۃ  
 "آنحضرت ﷺ گیارہ رکعتیں ہی رمضان اور غیر رمضان میں  
 پڑھتے تھے۔"

رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ نے اول شب تراویح  
 پڑھی تھیں۔ ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی یہ تو گیارہ  
 رکعت سے زیادہ ہو گئیں، اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو فرمان خداوندی  
 "فتہجد" کی تعمیل نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں  
 صورتیں ممکن ہیں، یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ حضور نے ان دنوں  
 میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی  
 مقدار ایسی قلیل ہے کہ جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لئے  
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عام طور پر نفی کر دی آنحضرت  
 ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں، یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں  
 میں حضور نے اسی اول شب کی نماز کو قائم مقام پچھلی رات کی نماز  
 کے کر کے نہ پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام  
 ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھو  
 جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں جمعہ کے واسطے کئی  
 ایک شرائط ہیں جو ظہر کے لئے نہیں۔

(اہل حدیث کا مذہب ص ۹۶ ۹۷)

خیال رہے کہ اتنی بات تو علامہ ثناء اللہ امرتسری نے حق کہی ہے کہ  
 تراویح کی نماز اور ہے۔ ان دونوں کو ایک کہنا غلط ہے۔ کیونکہ تراویح اول وقت  
 میں ادا ہوتی ہیں اور تہجد سو کر اٹھنے کے بعد، لیکن اس کے بعد علامہ امرتسری



نے بہت تکلف سے کام لیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

اگر حدیث کی کتب کے عنوان کو ہی دیکھ لیا جائے تو بات واضح ہو جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا تعلق ہی تہجد کی نماز سے ہے۔ بات سیدھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تہجد کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زائد نہیں پڑھی۔ کیونکہ دس رکعت والی روایت کا مفہوم یہ بھی ہے کہ آپ نے آٹھ رکعت تہجد، تین رکعت وتر سحری کے آخری وقت میں ادا کئے ساتھ ہی سحری کے اختتام پر دو رکعت فجر کی (سنت) ادا کیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث کو دیکھیں تو مسئلہ خود بخود واضح ہو جائے گا۔

”عن عائشة قالت كان النبي ﷺ يصلي من الليل ثلث عشر  
رکعة منها الوتر ورکعتا الفجر“

(بخاری ج اباب کیف صلوة اللیل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعت نماز ادا فرماتے جن میں (تین رکعت) وتر بھی ہوتے اور دو رکعت فجر کی بھی۔

واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی کبھی تہجد چار رکعت اور کبھی کبھی چھ رکعت بھی پڑھے ہیں۔ لیکن آٹھ رکعت سے زائد کبھی بھی نہیں پڑھے۔ رمضان ہو یا غیر ہو، حدیث پاک بالکل واضح ہے اس میں تراویح کا ذکر ہے ہی نہیں صرف غیر مقلدین کا ضد کی وجہ سے سرچکرا گیا ہے۔



تہجد اور تراویح کے علیحدہ علیحدہ ہونے میں علامہ امرتسری کا فتویٰ:

سوال :- جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ یا نہیں؟

جواب :- پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۳۱)

نبی کریم ﷺ تہجد آخر رات میں ادا کرتے تھے:

”عن اشعث قال سمعت ابی قال سمعت مسروقاً قال سألت عائشة ای العمل کان احب الی النبی ﷺ قالت الدائم قلت متی کان یقوم قالت یقوم اذا سمع الصارخ“

(بخاری باب من نام عند السحر، کتاب التہجد)

اشعث کہتے ہیں میں نے اپنے باپ (ابو الشعشاء سلیم) سے سنا کہ وہ کہتے ہیں میں نے مسروق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کون سا عمل نبی کریم ﷺ کو پسند تھا تو آپ نے فرمایا ہمیشگی، میں نے کہا آپ کب اٹھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب آپ مرغ کی اذان سنتے تھے۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

وہ عمل زیادہ اچھا جو ہمیشہ کیا جائے خواہ تھوڑا ہی ہو۔ ایک دن زیادہ



عمل کر دیا پھر چھوڑ دیا۔ ایسا عمل بہتر نہیں۔

نبی کریم ﷺ تہجد کی نمازرات کے آخری وقت میں یعنی سحری کے وقت مرغ کے اذان دیتے وقت ادا فرماتے تھے

## تراویح اول وقت میں :

نبی کریم ﷺ کی تراویح کا جو ذکر پہلے ہو چکا ہے ان سے واضح ہوا کہ پہلی رات جلد شروع کی گئیں اور رات کے تمائی حصہ تک ختم کر دی گئیں۔ اور دوسری رات جلدی شروع کر دی گئیں اور نصف رات کو ختم کر دی گئیں پھر صحابی کے مطالبہ پر کہ آپ رات کے باقی حصہ میں بھی نماز پڑھاتے رہتے ہیں۔

تو تیسری رات سحری کے وقت تک پڑھائیں۔ تیسری رات عین ممکن ہے کہ رات کا کچھ حصہ گذر جانے کے بعد شروع کی ہوں تاکہ دوسری حدیث جس میں ”جوف اللیل“ کا ذکر ہے اس سے مطابقت ہو جائے۔

” فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل ظاہر فی انه ﷺ معہم النوافل جماعة اول اللیل ففیہ دلیل للجمهور علی ان التراویح یصلی اول اللیل مع الجماعة“

(شرح الترمذی للابی الطیب مندی ج ۲ ص ۱۴۹)

صحابی نے جو یہ کہا ہے کہ تراویح میں پہلی رات نبی کریم ﷺ نے ہمیں رات کے تمائی حصہ تک قیام کر لیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو تراویح جماعت سے اول رات میں پڑھائیں۔ اسی قول میں جمہور کی دلیل بھی موجود ہے کہ تراویح رات کے اول حصہ میں جماعت سے ادا کی جائیں۔



تہجد اور تراویح دونوں کے ادا کرنے کی ترغیب :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد :

” والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون یرید آخر اللیل  
وکان الناس یقومون اولہ “

(بخاری باب فضل من قام رمضان)

وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو افضل ہے اس سے جس کو تم قائم کرتے ہو۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ کی نماز تھی کیونکہ لوگ اول حصہ میں تو ادا کر رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس طرف اشارہ تھا کہ تم تراویح کی نماز تو بہت خلوص و محبت سے ادا کر رہے، لیکن تہجد بھی ادا کیا کرو، کیونکہ پچھلی رات کی نماز زیادہ افضل ہے۔

خیال رہے کہ یہ الفاظ مبارکہ اسی حدیث کا آخری حصہ ہیں جس کا پہلا حصہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو جاری کر دیا۔

یقیناً تراویح اول حصہ میں ادا ہو رہی تھیں، آخر رات میں جس نماز کی افضلیت کو ذکر کیا وہ تہجد کی نماز تھی،

تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ ہیں :

ابھی تک جو بحث کی گئی اس سے کافی حد تک معلوم ہو گیا کہ تہجد اور

تراویح علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں تاہم کچھ اور فرق بھی دیکھئے۔ نبی کریم ﷺ



پر تہجد کی نماز فرض تھی۔ آپ نے تہجد ہمیشہ ادا کئے اور بغیر جماعت کے ادا کئے، لیکن تراویح صرف تین رات جماعت سے ادا کرائیں۔ پھر امت پر فرض ہونے کے خطرہ سے چھوڑ دی۔

” كانت صلوة الليل فريضة على النبي ﷺ في الابتداء وعلى الامة بقوله تعالى ” يا ايها المزمّل قم الليل الا قليلا “ ثم نزل التخفيف فصار الوجوب منسوخا في حق الامة بالصلوات الخمس وبقي الاستحباب قال الله تعالى فاقروا ما تيسر منه واختلفوا في انه هل بقي وجوب قيام الليل في حق النبي ﷺ خاصة ام صار منسوخا في حقه ايضا قال بعض الناس ببقاء وجوب قيام الليل في حق النبي ﷺ لما روى عن عائشة ان النبي ﷺ قال ثلاث هن على فريضة وهي سنة لكم الوتر والسواك وقيام الليل فالامر على هذا في هذه الاية للوجوب “

(مظہری ج ۵ ص ۴۶۸ زیر آية فتهجد به نافله لك)

ابتدائی طور پر تہجد کی نماز نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت پر فرض تھی، اس کی فرضیت کی وجہ ”یا ایہا المزمّل قم الليل“ آیت میں رات کے قیام کا حکم ہے پھر تخفیف کا حکم نازل ہوا امت کے حق میں پانچ نمازوں کے حکم سے وجوب منسوخ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم ”فاقروا ما تيسر منه“ کی وجہ سے استحباب باقی رہ گیا۔ نبی کریم ﷺ کے حق میں بھی وجوہی حکم برقرار رہا، یعنی تہجد آپ کے لئے پہلے کی طرح ہی واجب رہے اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین چیزیں میرے لئے فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں



وتر، سواک، اور رات کا قیام یعنی تہجد کی نماز، لہذا واضح ہوا کہ ”  
فتہجد“ امر ہے جو وجوب کے لئے آیا ہوا ہے۔

تہجد اور تراویح کو علیحدہ علیحدہ پڑھا گیا:

قیس بن طلق رضی اللہ عنہ اپنے باپ حضرت طلق بن علی رضی اللہ  
عنہ کے تراویح اور تہجد پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں۔

”زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان وامسی عندنا و افطر  
ثم قام بنا تلك الليلة و اوتر بنا ثم انحد رالی مسجده فصلى  
باصحابه حتى اذا بقى الوتر قلم رجلا فقال اوتر باصحابك  
فانى سمعت رسول الله ﷺ يقول لا وتران فى ليلة

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۹)

قیس بن طلق نے کہا طلق ابن علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن  
رمضان میں ہماری زیارت کی شام انہوں نے افطار ہمارے ساتھ ہی  
کیا، پھر رات کو انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی اور وتر بھی ہمیں پڑھائے  
، پھر وہ مسجد کی طرف چلے گئے۔ اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی یہاں  
تک کہ وتر باقی رہ گئے تو انہوں نے ایک شخص کو آگے کیا اور کہا تم ان  
کو وتر پڑھاؤ، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے  
تھے ایک ہی رات میں دو مرتبہ وتر نہیں۔

اس حدیث سے بات کھل کر واضح ہو گئی کہ پہلے آپ نے تراویح

پڑھائیں، پھر وتر پڑھائے، بعد میں کچھ اصحاب کے کہنے پر تہجد ان کو پڑھا دئے

اور دوبارہ وتر نہیں پڑھائے۔



بخاری رحمہ اللہ نے بھی تراویح اور وتر کو علیحدہ علیحدہ پڑھا۔

” وقال الحاكم ابو عبد الله الحافظ اخبرني محمد بن خالد حدثنا مقسم بن سعد قال كان محمد بن اسمعيل البخاري اذا كان اول ليلة من شهر رمضان يجتمع اليه اصحابه فيصلي بهم ويقرا في كل ركعة عشرين آية و كذلك الى ان يختم القرآن وكان يقرأ في السحر ما بين النصف الى الثلث من القرآن فيختم عند السحر في كل ثلاث ليال“

(هدى السارى مقدمه فتح البارى ذكر سيرته وشمانه الخ)

مقسم بن سعد کہتے ہیں کہ محمد ابن اسمعیل بخاری رمضان شریف کی پہلی رات جب ہوتی تو اپنے اصحاب کو جمع کرتے ان کو نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے یہاں تک کہ قرآن پاک ختم کرتے۔ اور سحری کے وقت نصف سے تہائی قرآن پاک پڑھتے یہاں تک کہ تین راتوں میں ختم کرتے۔

واضح ہوا کہ علامہ بخاری رحمہ اللہ تراویح میں ہر رکعت میں بیس بیس آیات پڑھ کر قرآن پاک کو ختم کرتے، لیکن تہجد میں ہر تین راتوں میں ایک ختم کرتے، تو یا کہ رمضان میں تہجد کی نماز میں آپ دس مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے۔

غیر مقلدین کی آٹھ تراویح پر ایک اور دلیل :

” عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابى بن

كعب و تميم الداري ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة“

(موطا امام مالك باب قيام رمضان)



سائب بن یزیدی سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے امی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں اس حدیث کا عنوان قائم کیا ”حضرت عمر نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا“

حدیث بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے ”اس حدیث کی سند صحیح ہے کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔“

(از صلوٰۃ الرسول ص ۳۸۲)

## اس دلیل کا جواب :

یہ حدیث متن کے لحاظ پر مضطرب ہے قابل حجت نہیں۔

” قال الحافظ ابن حجر فی الفتح ورواه عبدالرزاق من وجه

آخر عن محمد بن یوسف فقال احدى وعشرين“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرزاق نے ایک اور وجہ (سند) سے محمد بن یوسف سے روایت بیان کی ہے جس میں اکیس رکعت کا ذکر ہے۔

” وقال الزرقانی فی شرح المؤطا قال ابن عبدالبر روی غیر

مالك فی هذا الحدیث احدى وعشرين ركعة وهو الصحيح“

زرقانی نے مؤطا کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے جن حضرات نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے انہوں نے اکیس رکعت ہی ذکر کی ہیں۔ صحیح بھی یہی ہے۔

جب یہ حدیث گیارہ رکعت سے بھی مروی ہے۔ اکیس رکعت کا بھی

ذکر ہے اور تیرہ کا بھی ایک روایت میں ہے تو اسے حجت بنانا کیسے صحیح ہے۔

(از التعلیق الحسن)



غیر مقلدین نے جو دلائل پیش کئے یا تو ان میں ذکر ہی تہجد کا ہے  
تراویح کا نہیں، اس لئے ان کے دو دلائل جن سے تہجد کی نماز سمجھ میں آتی ہے  
تراویح کے ثبوت کے لئے کافی نہیں۔

یا ان کے دلائل میں جرح پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا ہے کہ  
حدیث متن کے لحاظ سے مضطرب ہے، اس لئے اسے حجت بنانا صحیح نہیں۔

اسی طرح جو یہ کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آٹھ رکعت  
تراویح، اس پر جو حدیث پیش کی ہے وہ بھی جرح سے خالی نہیں وہ حدیث یہ پیش  
کی گئی۔

” عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ  
کان اللیلة شنی قال وما ذاک یا ابی قال نسوة داری قلن انا  
لانقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بہن ثمان  
رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبه الرضا“

(کتاب قیام اللیل امام مروری)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رمضان میں حضرت ابی بن کعب  
نے رسول خدا کی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا، حضور رات کو ایک  
بات ہو گئی آپ نے فرمایا وہ کیا ہے ابی؟ انہوں نے کہا حضور  
میرے گھر کی عورتیں کہنے لگیں ہم قرآن نہیں پڑھتیں اس لئے ہم  
تمہارے پیچھے نماز (تراویح) پڑھیں گی (اور قرآن سنیں گی) تو میں  
نے انہیں آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھادئے پس آپ نے سکوت  
فرمایا گویا (سکوت سے) اس بات کو پسند کیا۔



## اس دلیل کا جواب :

ایک بات تو یہ ہے کہ اس روایت میں رمضان کا کوئی ذکر نہیں، ممکن ہے کہ یہ نماز بھی تہجد ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں جرح پائی گئی۔ اس حدیث کی سند کو صحیح کہنا ممکن نہیں۔ آئیے توجہ فرمائیں۔

”اورده الهيتمى فى الزوائد وعزاه الى ابى يعلى وفيه ايضا عيسى بن جارية“

(التعليق الحسن)

اس حدیث کو ہیثمی نے زوائد میں ذکر کیا ہے اور ابو یعلیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس میں عیسیٰ ابن جاریہ ہے جس کے متعلق کلام ہے جو ضعف پر دلالت کر رہی ہے۔

## ایک لطیفہ لیکن حقیقت :

دلائل سے تو میں نے پس تراوتح کو بفضلہ تعالیٰ واضح طور پر بیان کر دیا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے کسی کی مرضی کی بات ہے۔ البتہ ایک لطیفہ آپ کو سناؤں سمجھ دار حضرات کو شاید کچھ پتہ چل جائے کہ حقیقت یہی ہے۔

میں نے اپنی دینی تعلیم کا آغاز ”دارالعلوم اہل سنت و جماعت مشین محلہ نمبر ۱ جہلم“ سے کیا ہے میں اس وقت بہت چھوٹی عمر کا بچہ تھا۔

جہلم میں غیر مقلدین کی مسجد کے پاس کھلی جگہ خالی ہے جسے ”چوک



اہل حدیث "کہا جاتا ہے وہاں اکثر طور پر دینی جلسے ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ڈی، سی وہابی آگیا۔ وہاں اہل سنت و جماعت کا جلسہ ہونا تھا۔ لیکن غیر مقلدین نے اپنے ہمنوا ڈی، سی کے ذریعے جلسہ بند کرادیا۔

قریب ہی ایک اور سٹرک پر جلسے کا انتظام کر لیا گیا۔ جو غیر مقلدین کی مسجد سے کوئی دور نہ تھا۔

اس جلسے میں تقریر کے لئے مدعو مفتی مختار احمد گجراتی اور صاحبزادہ فیض الحسن (آکو مہار شریف) رحمہما اللہ تھے۔ میری چھن کی عمر تھی دونوں حضرات کی زیادہ تقریر تو یاد نہ رہی البتہ ایک ایک بات دونوں کی یاد ہے۔ مفتی مختار احمد مرحوم نے خطبہ، آیت، درود پاک کے بعد اس شعر سے اپنی تقریر کو شروع کیا۔

رقیبوں نے ریٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

مومن حبیب کا نام لیتا ہے کیوں اس زمانے میں

صاحبزادہ فیض الحسن مرحوم نے اپنی تقریر کے درمیان یہ کہا کہ "قیامت کا جب منظر ہوگا، نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ حساب و کتاب جب شروع ہوگا تو ہم سے اگر رب تعالیٰ نے یہ سوال کیا کہ تراویح آٹھ رکعت تھیں، تم نے بیس رکعت کیوں ادا کیں؟ تو ہم رب قدوس کے حضور عرض کریں گی اے مولیٰ کائنات ہم نے تو بیس رکعت تیرے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحیح حدیثوں کو پڑھ کر ادا کی تھیں۔ اگر وہ حدیثیں تیرے نزدیک صحیح نہیں تھیں، تو ہم التجاء کرتے ہیں اے رب کائنات آٹھ رکعت ہم سے قبول فرمائے



اور بارہ رکعت ہمیں واپس عطا کر دے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے ہماری اس عرض کو قبول فرما کر ہمیں اس امتحان میں پاس کر دے گا۔

لیکن رب تعالیٰ نے اگر غیر مقلدین کو کہا میرے نبی کے جلیل القدر صحابہ نے تو بیس رکعت ادا کی تھیں، تمہیں کیا ہوا تھا کہ تم نے میری عبادت کو کم کرنے کا شور و غل برپا کیا ہوا تھا۔ تم نے خود بھی بارہ رکعت کم ادا کیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اب وہ کمی پوری کر کے دو۔ ورنہ تمہیں عذاب میں مبتلاء کروں گا۔

تو رب تعالیٰ کے اس سوال پر غیر مقلدین کیا کریں گے؟ یقیناً مارے مارے پھریں گے۔ اہل سنت و جماعت کے پاس آئیں گے آج تم ہمیں دو دو تراویح کی ہی خیرات دے دو تاکہ ہم بھی اپنا بوجھ ہلکا کر لیں۔

اہل سنت و جماعت کہیں گے اس وقت تو تم بڑے نیک بنتے تھے اپنے آپ کو سنت رسول اللہ ﷺ کا متبع کہتے تھے آج جاؤ ہم تمہاری کوئی امداد نہیں کر سکتے تو بیچارے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائیں گے۔

میرے مسلمان سنی بھائیوں بظاہر تو صاحبزادہ صاحب کا یہ لطیفہ نظر آتا ہے لیکن راقم کو حقیقت یہی نظر آتی ہے۔





## ﴿ جنازہ کا مسئلہ ﴾

نماز جنازہ میں غیر مقلدین اور احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے۔

### غیر مقلدین کا مذہب :

پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ پڑھیں۔ امام آواز سے پڑھے اور مقتدی آہستہ۔

(صلوة الرسول ص ۴۳۳)

جنازہ میں امام کو قرأت، دعا اونچی آواز میں پڑھنی چاہئے۔ جنازہ میں

تکبیر چار، پانچ، چھ بھی کہہ سکتے ہیں۔

### احناف کا مذہب :

نیت کے بعد پہلی تکبیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد دوسری تکبیر،

پھر نبی کریم ﷺ کے لئے درود شریف اس کے بعد تیسری تکبیر۔ پھر میت

کے لئے دعاء اور اس کے بعد چوتھی تکبیر، پھر سلام۔

سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بطور قرأت ضروری نہیں، یعنی نماز جنازہ دعاء

ہے۔ مکمل نماز نہیں کہ نماز کی طرح اس میں قراءت لازم ہو، نماز جنازہ آہستہ

آواز میں ہے، خواہ امام ہو یا مقتدی، نماز جنازہ میں تکبیریں صرف چار ہیں۔ پانچ



یاچھ نہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد رب تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے لیکن حمد و ثناء کے الفاظ مقرر نہیں، اگر سورۃ فاتحہ بطور قرأت نہیں بلکہ بطور حمد و ثنا پڑھے تو جائز ہے۔ اسی طرح دوسری تکبیر کے بعد درود شریف کے الفاظ بھی مقرر نہیں، البتہ نماز والا درود شریف پڑھے تو جائز ہے۔ ایسے ہی تیسری تکبیر کے بعد دعاء بھی مقرر نہیں، بلکہ مختلف دعائیں احادیث میں موجود ہیں۔

جن احادیث میں فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ فاتحہ کو بطور حمد و ثناء پڑھا جائے تو درست ہے۔ تاکہ دوسری احادیث سے مطابقت ہو جائے جن میں صرف حمد و ثناء کا ذکر ہے۔

تفصیل ملاحظہ ہو :

”حدثنا حفص بن غياث عن اشعث عن الشعبي قال في التكبيرة الاولى يبدأ بحمد الله والثناء عليه والثانية صلوة على النبي ﷺ والثالثة دعاء للميت والرابعة للتسليم“

(مصنف ابن ابی شیبہ ما یبدأ بہ بالتكبيرة الاولى الخ)

شعبي کہتے ہیں کہ پہلی تکبیر میں (یعنی اللہ اکبر کہنے کے بعد) ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے کرے۔ دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور تیسری کے بعد میت کے لئے دعاء اور چوتھی کے بعد سلام۔

”حدثنا محمد بن فضيل عن العلاء بن المسيب عن ابيه عن علي انه كان اذا صلى على ميت يبدأ بحمد الله ويصلي على النبي ﷺ ثم يقول اللهم اغفر لأحيانا وامواتنا وألف بين



قلوبنا واصلح ذات بیننا واجعل قلوبنا علی قلوب خیارنا“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

علاء ابن مسیب اپنے باب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب میت پر نماز پڑھتے تو ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے کرتے اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتے پھر میت کے لئے دعاء کرتے (جو حدیث میں مذکور ہے)

” حدثنا عبدة بن سليمان عن يحيى بن سعيد عدن سعيد المقبري ان رجلا سأل ابهريرة كيف تصلي على الجنابة فقال ابهريرة انا لعمر الله اخبرك اكبر ثم اصلي على النبي ﷺ ثم اقول اللهم عبدك او امتك كان يعبدك لا يشرك بك شيأ وانت اعلم به ان كان محسنا فزدني احسانه وان كان مخطئا فتجاوز عنه ، اللهم لا تفتننا بعده ولا تحرمننا“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

سعید مقبری کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تم نماز جنازہ کس طرح پڑھتے ہو؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بے شک اللہ کی قسم میں تمہیں خبر دیتا ہوں، میں تکبیر کہتا ہوں، پھر میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر دعاء کرتا ہوں اللهم عبدك الخ

” حدثنا وكيع عن سفيان عن ابي هاشم عن الشعبي قال سمعته يقول في الأولى ثناء على الله تعالى وفي الثانية صلوة على النبي ﷺ وفي الثالثة دعاء للميت وفي الرابعة تسليم“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

ابو ہاشم کہتے ہیں کہ میں نے شعبی کو کہتے ہوئے سنا کہ پہلے تکبیر



کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی ثناء پڑھ رہے تھے اور دوسری کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف اور تیسری کے بعد میت کے لئے دعاء اور چوتھی کے بعد سلام

” مالک عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابیہ انہ سأل اباهریرہ کی تصلی علی الجنازة فقال ابوہریرہ انا لعمر اللہ اخبرک اتباعها من اهلها فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللهم انه عبدک وابن عبدک وابن امتک کان یشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدک ورسولک وانت اعلم به اللهم ان کان محسنا فزد فی احسانه وان کان مسیئاً فتجاوز عنه سیئاته اللهم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعده“

(موظا امام مالک باب ما یقول المصلی علی الجنازة)

سعید مقبری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تم نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہو۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہیں بتاتا ہوں میں جنازہ والے گھر سے ہی اس کے ساتھ چلتا ہوں، جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد پڑھتا ہوں اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہوں، پھر کہتا ہوں (دعا کرتا ہوں) اللهم عبدک الخ۔

**تنبیہ :** موظا امام مالک کی جو حدیث ابھی ذکر کی ہے اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلی تکبیر کے بعد حمد کا ذکر کیا۔ لیکن مصنف ابن ابی شیبہ سے جو حدیث موظا کی حدیث کے متصل پہلے ذکر کی اس میں صرف درود شریف اور دعاء کا ذکر ہے۔ ممکن ہے سوال ہی ان دو تکبیروں کے متعلق ہو۔



اور ممکن ہے کہ سہو کتابت ہو۔

**فائدہ:** جو حدیث مؤطاً امام مالک میں ہے۔ وہی مؤطاً امام محمد میں بھی مذکور ہے۔ اور اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا:

”وبهذا نأخذ لقراءة على الجنائز وهو قول أبي حنيفة رحمه الله“

(مؤطاً امام محمد باب الصلوة على الميت والدعاء)

ہم اس پر عمل کرتے ہیں کہ جنازہ میں قراءت (فاتحہ کا پڑھنا کسی اور سورۃ کا پڑھنا) ثابت نہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے

## نماز جنازہ میں قراءت نہیں:

جنازہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف اور میت کے لئے دعاء ہے۔ جنازہ مکمل نماز نہیں، بلکہ کچھ کچھ نماز کی طرح ہے۔ کیونکہ نماز والی شرائط پائی جاتی ہیں با وضوء ہونا، ستر عورت، قبلہ کی طرف متوجہ ہونا وغیرہ لیکن مکمل نماز بھی نہیں کیونکہ جنازہ میں رکوع نہیں۔ سجدہ نہیں۔ قعدہ نہیں۔ اسی طرح قرأت بھی نہیں کہ یہ کہا جائے۔ کہ امام فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھے، قرأت کا لازم ہونا صرف نماز میں ہے۔

آئیے ان احادیث کی طرف توجہ فرمائیں جن میں قرأت نہ ہونے کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

”مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر كان لا يقرأ في الصلوة على الجنائز“

(مؤطاً امام مالک (باب ما يقول المصلى على الجنائز)



حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

قرأت نہ کرنے میں سورۃ فاتحہ بھی آگئی اور دوسری سورتیں بھی آگئیں۔ جب صحابہ کرام قرأت نہیں کرتے تھے تو قرأت پر زور دینا کس مقصد کے لئے؟

”حدثنا ابوبکر قال ثنا اسماعيل بن عليه عن ايوب عن نافع ان ابن عمر كان لا يقرأ في الصلوة على الميت“

(مصنف ابن ابی شیبہ باب من قال ليس على الجنائز قراءة)

حضرت نافع کہتے ہیں بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

”حدثنا اسمعيل بن عليه عن ايوب عن محمد انه كان لا يقرأ على الميت“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

حضرت ایوب کہتے ہیں محمد ابن سیرین رضی اللہ عنہ میت پر (نماز جنازہ میں) قرأت نہیں کرتے تھے۔

”حدثنا عبدالأعلى و غندر عن عون عن ابى المنهال قال سألت ابا العالية عن القراءة في الصلوة على الجنائز بفتح الكتاب فقال ما كنت احسب ان فاتحة الكتاب تقرأ الا في صلوة فيهاركوع وسجود“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

ابو المنہال کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا میں یقین سے کہتا ہوں کہ فاتحہ صرف ان نمازوں میں پڑھی جاتی ہے



جن میں رکوع و سجود ہے یعنی نماز جنازہ میں جب رکوع و سجود نہیں، تو کامل نماز بھی نہیں، اس لئے اس میں فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی قرأت بھی نہیں۔

”حدثنا وکیع عن موسی بن علی عن ابیہ قال قلت لفضالہ بن عبیدہ هل یقرأ علی المیت شئی قال لا“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

موسی بن علی کہتے ہیں میں نے فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا میت پر (نماز جنازہ میں) کوئی قرأت ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں۔

”حدثنا ابو معاویہ عن الشیبانی عن سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ قال قال لہ رجل اقرأ علی الجنازۃ بفاتحة الكتاب قال لا تقرأ“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

سعید ابن ابی بردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میت پر جنازہ پڑھتے ہوئے کیا میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کروں؟ تو انہوں نے کہا تم نہ پڑھو۔

”حدثنا حفص بن غیاث عن حجاج قال سألت عطاء عن القراءة علی الجنازۃ فقال ماسمعنا بهذا“

(ابن ابی شیبہ)

حجاج نے کہا میں نے عطاء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نماز جنازہ میں قرأت ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے (قرأت کے متعلق) کچھ نہیں سنا۔

”حدثنا وکیع عن سعید عن عبد اللہ بن ایاس عن ابراہیم وعن ابی الحصین عن الشعبي قال لا یس فی الجنازۃ قراءة“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)



ابو طاؤس کہتے ہیں کہ میرے باپ اور عطاء دونوں ہی نماز جنازہ میں قراءت کا انکار کرتے تھے۔ یعنی نماز جنازہ میں کوئی قراءت نہیں۔  
 ”حدثنا معتمر عن سليمان عن اسحاق بن سويد عن بكر بن عبدالله قال لا اعلم فيها قراءه“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

بکر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھے کوئی علم نہیں کہ نماز جنازہ میں بھی قراءت ہے۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ نماز جنازہ میں اگر قراءت لازم ہوتی تو اسی طرح پچھچھ جانتا جس طرح کہ نماز میں قراءت کے لازم ہونے کو پچھچھ جانتا ہے۔

”حدثنا يحيى بن ابي بكر قال ثنا محمد بن عبدالله بن ابي سارة قال سألت سالما فقلت القراءة على الجنابة فقال لا قراءه على الجنابة“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)

عبد اللہ بن ابی سارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ میں قراءت کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے کہا نماز جنازہ میں کوئی قراءت نہیں۔

اس حدیث میں بہت واضح طور پر ذکر ہے کہ نماز جنازہ میں کوئی قراءت نہیں۔ نماز جنازہ میں فاتحہ کو پڑھنا لازم قرار دینے والے ان احادیث کو نہ سمجھ سکے۔

”روى عن عبدالرحمن بن عوف و ابن عمر انهما قال لا يس فيها قراءه شئ من القرآن“

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳)



حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں ہی کہتے تھے کہ نماز جنازہ میں قرآن پاک کی قرأت نہیں۔

” روى عن ابن مسعود انه سئل عن صلوة الجنابة هل يقرأ فيها فقال لم يوقت لنا رسول الله ﷺ قولا ولا قراءة وفي رواية دعاء ولا قراءة كبر ما كبر الامام واختر من اطيب الكلام ما شئت وفي رواية واختر من الدعاء اطيبه “

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳) (المغنی لابن القدامة ج ۲ ص ۴۸۵)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ نماز جنازہ میں قراءت ہے؟ تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے کوئی کلام اور کوئی قراءت مقرر نہیں فرمائی، ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ہمارے لئے کوئی قراءت اور کوئی دعا مقرر نہیں فرمائی۔ امام جب تکبیر کے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جو کلام بہتر تمہیں پسند آئے وہی پڑھ لو۔ اور ایک روایت میں جو دعاء تمہیں بہتر نظر آئے وہی پڑھ لو۔

اس حدیث پاک سے اور زیادہ وضاحت ہو گئی کہ نماز میں حمد و ثنا ہے لیکن الفاظ کوئی اس کے لئے مقرر نہیں، بلکہ کوئی بھی حمد و ثنا ہو پڑھ لی جائے۔ اور دعاء کے لئے بھی کوئی الفاظ مقرر نہیں جو چاہئے دعاء کر لے۔

وہ جلیل القدر حضرات جو نماز جنازہ میں فاتحہ کی قرأت کے قائل نہیں:

” ابن وهب عن رجال من اهل العلم وعن عمر بن الخطاب  
وعلى ابن ابي طالب وعبدالله بن عمرو عبيد بن فضالة وابي



هريرة وجابر بن عبدالله ووائله بن الاسقع والقاسم وسالم بن عبدالله وابن المسيب وربيعه عطاء ويحيى بن سعيد انهم لم يكونوا يقرؤن في الصلوة على الميت وقال مالك ليس ذلك بمعمول به انما هو الدعاء ادركت اهل بلادنا على ذلك

(المدونة الكبرى ج ۱ ص ۱۷۴)

ابن وهب کہتے کتنے اہل علم جن میں عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، عبید بن فضالہ ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ وائلہ ابن اسقع، قاسم، سالم بن عبداللہ، ابن مسیب، ربیعہ، عطاء یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہم میت پر نماز جنازہ پر قرأت نہیں کرتے تھے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنازہ میں قرأت کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ہمارے علاقہ کے اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ ثناء کے طور پر پڑھنا جائز ہے :

اصل بات یہ ہے کہ عوام مسائل سے بے خبر ہوتے ہیں باریک فرق کو سمجھنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، اس لئے ان کو دھوکہ دینا آسان ہوتا ہے۔

قرآن پاک کا محیثیت تلاوت پڑھنا اور ہے محیثیت قراءت پڑھنا اور ہے۔ محیثیت ثناء یا دعاء اور ہے قراءت کا حکم صرف نماز میں پڑھنے پر صادق آتا ہے، کہ نماز میں قرأت فرض ہے۔ جہاں قرأت فرض ہوگی وہاں قرآن پاک سے کوئی سورت پڑھنا ضروری ہوگا۔

تلاوت کی غرض سے پڑھنا عام ہے خواہ نماز میں پڑھے یا نماز کے باہر، نماز کے باہر پڑھنا فرض نہیں ثناء اور دعاء کی غرض سے پڑھنے کا یہ مطلب



ہے کہ قرآن پاک کی وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پائی جاتی ہے۔ ان کو صرف حمد و ثناء کی غرض سے پڑھا جائے۔

اور جن آیات میں دعائیہ کلمات ہیں ان کو دعاء کی غرض سے پڑھنا بحیثیت دعاء کے پڑھنا کہلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جنسی آدمی یا حیض و نفاس والی عورت قرآن پاک کی آیات بطور دعاء تلاوت کر سکتی ہیں، لیکن تلاوت کی غرض سے نہیں پڑھ سکتے۔ بے وضو شخص بحیثیت تلاوت قرآن کو پڑھے تو پڑھ سکتا ہے، لیکن بحیثیت قرأت (یعنی نماز میں قراءت کی غرض سے) نہیں پڑھ سکتا۔

اب اس فرق کے بعد واضح ہو گیا کہ قرآن پاک کا ثناء کی غرض سے پڑھنا اور ہے۔ قرأت کی غرض سے اور ہے لہذا جن احادیث سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ان میں ثناء کا لحاظ کیا گیا ہے۔ قرأت کا نہیں اگر یہ اعتبار نہ کیا جائے تو جو احادیث قرأت کی ممانعت کی ذکر کی گئی ہیں اور جن جلیل القدر صحابہ کرام کا قرأت سے انکار ذکر کیا ہے ان تمام کی مخالفت لازم آئے گی

اور جو صورت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کی ہے اس میں تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ اب واضح ہوا کہ یہ شور و غل یہ اشتہار بازی، یہ دھوکہ دہی، یہ چالبازی کہ حنفی جنازہ میں فاتحہ نہیں پڑھتے جب کہ احادیث میں فاتحہ کے پڑھنے کا ذکر ہے، بیکار ہے۔

فاتحہ کا پڑھنا قرأت کے طور پر منع ہے، امام کا بلند سے آواز سے پڑھنا منع ہے۔ اسے حنفی حضرات نہیں مانتے۔ کوئی ثناء کے طور ثناء کی جگہ پڑھے تو



حنفی انکار نہیں کرتے عوام کو دھوکہ دینا تو آسان ہے لیکن اہل علم کو مشکل ہے۔

## فاتحہ والی حدیث :

” عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صليت خلف ابن عباس  
على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب فقال لتعلموا انها سنة“

(بخاری)

حضرت طلحہ ابن عبد اللہ بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں  
نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی انہوں  
نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ اور کہا تا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

” عن ابن عباس ان النبي ﷺ قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب“

(ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ  
نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی۔

## مقام توجہ :

غیر مقلدین کے عقیدہ کے ایک عظیم پیشوا علامہ ابن قیم کے ایک  
قول کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔

” ويذكر عن النبي ﷺ انه امر ان يقرأ على الجنازة بفاتحة  
الكتاب ولا يصح اسناده“

(راد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

نبی کریم ﷺ سے جو یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے جنازہ میں سورۃ  
فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ان روایات کی اسناد صحیح نہیں ہیں۔



علامہ ابن قیم کی اس وضاحت سے ایک عظیم بات یہ حاصل ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت والی احادیث جب صحیح الاسناد نہیں تو فاتحہ کے پڑھنے یا نہ پڑھنے میں بظاہر صحابہ کرام میں اختلاف نظر آتا ہے کیونکہ پہلے کئی جلیل القدر صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جو قرأت سے منع فرماتے تھے۔ لیکن درحقیقت کوئی اختلاف نہیں جنہوں نے منع فرمایا انہوں نے قرأت سے منع کیا۔ جنہوں نے اجازت دی انہوں نے ثناء کی اجازت دی۔ یہی خوبی ہے امام اعظم رحمہ اللہ کی فراست کی ہے کہ انہوں نے احادیث کو صحیح سمجھا اور جہاں تک ممکن ہو احادیث میں تطبیق دی۔

## جنازہ کی تکبیریں :

جنازہ کی تکبیروں کے متعلق روایات مختلف ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ چار تکبیروں کے بغیر دوسری تمام روایات منسوخ ہیں۔

## جنازہ کی تکبیریں تین :

” حدثنا معاذ عن عمران بن جذیر قال صلیت مع انس بن مالک علی جنازة فکبر علیها ثلاثا لم یزد علیها ثم انصرف “

(مصنف ابن ابی شیبہ باب من کبر علی الجنازة ثلاثا)

عمران بن جذیر فرماتے ہیں میں نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنازہ پڑھا انہوں نے تین تکبیریں کہیں اور ان پر زیادہ نہیں کہیں، پھر نماز جنازہ سے فارغ ہو گئے۔



## جنازہ کی تکبیریں پانچ :

” حدثنا هشيم عن حصين عن الشعبي عن زيد بن ارقم انه صلى  
على ميت فكبر عليه خمسا“

( ابن ابی شیبہ من یکبر علی الجنازة خمساً )

شعبي سے مروی ہے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں  
پانچ تکبیریں کہیں۔

## جنازہ کی تکبیریں سات :

” حدثنا عبدالله بن نمبر وو كيع قالا حدثنا سمعيل بن ابى  
خالد عن موسى بن عبدالله بن يزيد قال صلى على ابى  
قتادة فكبر عليه سبعا“

( ابن ابی شیبہ باب من یکبر علی الجنازة سبعا و تسعا )

موسیٰ بن عبد اللہ ابن یزید کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے  
حضرت ابو قتادہ کے جنازہ میں سات تکبیریں کہیں۔

## جنازہ کی تکبیریں نو :

” حدثنا ابن فضيل عن يزيد عن عبدالله بن الحارث قال صلى  
رسول الله ﷺ على حمزة و كبر عليه تسعا“

( ابن ابی شیبہ من کبر یکبر علی الجنازة سبعا و تسعا )

عبد اللہ ابن حارث رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے  
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں نو تکبیریں کہیں۔



## جنازہ کی تکبیریں چھ :

” حدثنا ابوبکر قال ثنا هشيم قال اخبرنا حصين عن الشعبي ان عليا صلي على سهل بن حنيف فکبر عليه ستا “

( ابن ابی شیبہ باب مذکور )

شعبي رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سهل بن حنيف کا جنازہ پڑھایا اور چھ تکبیریں کہیں۔

## جنازہ کی تکبیریں چار :

” عن ابی هريرة ان النبی ﷺ صلی علی النجاشی فکبر اربعا وفي الباب عن ابن عباس وابن ابی اوفی وجابر وانس ویزید ابن ثابت قال ابو عیسیٰ حدیث ابی هريرة هذا حدیث حسن صحیح “

(ترمذی بحذف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے نجاشی کا جنازہ پڑھایا، چار تکبیریں کہیں۔ چار تکبیروں کی روایات حضرت ابن عباس، ابن ابی اوفی، جابر، انس، یزید ابن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے

” عن عثمان بن عفان ان النبی ﷺ صلی علی عثمان بن مظعون وکبر علیه اربعا “

( ابن ماجہ )

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ بے شک نبی کریم ﷺ نے



حضرت عثمان ابن مظعون کا جنازہ پڑھایا اور اس میں چار تکبیریں کہیں  
 ” حدثنی سعید بن المسیب ان باهريرة قال ان النبی ﷺ  
 صف بهم المصلی فکبر علیه اربعا“

(بخاری)

حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی  
 اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے (حضرت نجاشی) کے  
 جنازہ کے لئے لوگوں کی صف بنوائی اور چار تکبیریں کہیں۔

چار تکبیریں کہنے والے جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ :

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، عقبہ بن عامر،  
 عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، امام حسن ابن علی، زید ابن ثابت، عبد اللہ ابن مسعود  
 ابن الحنفی، ابو مجلز، عبد اللہ بن ابی اوفی، ابراہیم نخعی، قیس بن ابی حازم، سوید رضی  
 اللہ عنہم

(احادیث ابن ابی شیبہ میں دیکھی جائیں)

چار تکبیروں کے بغیر باقی منسوخ ہیں :

” والجواب عن الاحادیث التي فيها التكبير على الجنابة  
 باكثر من اربع انها منسوخة“

(عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۱۶)

وہ احادیث جن میں چار تکبیروں سے زیادہ تکبیروں کا ذکر ہے وہ تمام  
 منسوخ ہیں۔

” قال بعضهم ان حديث النجاشي هو الناسخ لانه مخرج في



الصحيح من رواية ابي هريرة قالوا و ابو هريرة متاخر الاسلام  
وموت النجاشي كان بعد الاسلام ابي هريرة رضی اللہ عنہ  
ومما يؤكد هذا مارواه قاسم بن اصبع من حديث ابي بكر بن  
سليمان بن ابي حيشمة عن ابيه قال كان النبي ﷺ يكبر على  
الجنائز اربعا و خمسا و ستا و سبعا و ثمانيا حتى مات  
النجاشي فخرج الى المصلى فصف الناس من ورائه فكبر عليه  
اربعا ثم ثبت النبي ﷺ على اربع حتى توفاه الله تعالى

(عینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۱۶)

بعض اہل علم نے تمام احادیث (جن میں چار تکبیروں کے سوا ذکر  
ہے) کی منسوخیت کی اس طرح وضاحت کی کہ بے شک نجاشی کے جنازہ والی  
حدیث ناسخ ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے  
روایت کی گئی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایمان، یر سے قبول کیا  
لیکن نجاشی کی وفات ان کے اسلام لانے کے بعد ہوئی، اس کی تاکید ایک اور  
روایت سے ہوتی ہے۔ وہ روایت ابو بکر بن سلیمان بن ابی حشیمہ کی اپنے باپ سے  
ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں، پانچ کہیں، چھ کہیں، سات  
کہیں، آٹھ کہیں، یہاں تک کہ نجاشی کی وفات ہوئی تو آپ جنازہ گاہ کی طرف  
تشریف لے گئے، لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں، پھر آپ نے چار  
تکبیریں کہیں۔ آپ چار تکبیروں پر ہی قائم رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے  
تشریف لے گئے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی ابو حشیمہ کی روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے۔

” قال ابن عبد البر وانقدا لاجماع بعد ذلك على اربع واجمع



الفقهاء واهل الفتوى بالامصار على اربع على ماجاء في الاحاديث الصحاح وماسوى ذلك عندهم شذوذ ولا يلتفت اليه قال ولا نعلم احدا من فقهاء الامصار بخمس الا ابن ابى لیلی

(نوری شرح مسلم ج ۱ ص ۳۲۹)

ابن عبد البر نے کہا اجماع منعقد ہو گیا اس کے بعد (یعنی ابو حیثمہ کی روایت کے بعد) کہ جنازہ میں تکبیریں چار ہیں تمام فقہاء، اور اہل فتویٰ حضرات کا اس پر اتفاق ہے اور صحیح احادیث سے چار کا ثبوت ملتا ہے باقی شاذ روایات ہیں ان کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ تمام فقہاء کرام میں سے کوئی ایک بھی نہیں جو پانچ تکبیروں کا قائل ہو سوائے ابن ابی لیلیٰ کے۔

## چار تکبیروں پر صحابہ کرام کا اتفاق :

”حدثنا ابو معاوية عن الأعمش عن ابراهيم قال سئل عبد الله عن التكبير على الجنائز فقال كل ذلك قد صنع ورأيت الناس قد اجمعوا على اربع“

(ابن ابی شیبہ باب ما قالوا فی التكبير على الجنائز من كبر اربعا)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جنازہ میں کتنی تکبیریں ہیں تو آپ نے فرمایا تمام اقوال پر عمل ہوتا رہا۔ تحقیق میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ان کا چار تکبیروں پر اجماع ہے۔

”حدثنا هشيم قال اخبرنا مغيرة عن ابراهيم عن ابن مسعود قال كنا نكبر على الميت خمسا وستا ثم اجتمعنا على اربع تكبيرات“

(ابن ابی شیبہ باب مذکور)



ابراہیم (ع) نے رسول اللہ ﷺ کا جنازہ کی تکبیروں میں اختلاف رہا لیکن بعد میں چار تکبیروں پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

## جنازہ میں ثناء وغیرہ آہستہ پڑھے :

سب سے بھاری دلیل تو قاضی شوکانی کا قول ہے، جن کے دلائل کے ارگرد ہی غیر مقلدین گھومتے پھرتے ہیں۔ قاضی شوکانی رقمطراز ہیں۔

” وذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلوة الجنابة وتمسكوا بقول ابن عباس المتقدم لم اقرأ اى جهر الا لتعلموا انه سنة وبقوله في حديث ابى امامة سراً في نفسه“

(نیل الاوطار ج ۴ ص ۶۶)

جمہور حضرات اس طرح گئی ہیں کہ نماز جنازہ میں بلند آواز سے پڑھنا مستحب نہیں۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول زبور پہلے گذر گیا) سے دلیل پکڑی ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے بلند آواز سے صرف اس لئے پڑھا ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ فاتحہ (بوجہ ثناء) پڑھنا سنت ہے۔ اور جمہور کے مذہب کی یہ دلیل بھی ہے کہ ابو امامہ کی حدیث میں ”سراً فی نفسہ“ (آہستہ آواز میں پڑھنا یعنی دل ہی دل میں پڑھنا) آتا ہے۔

## آہستہ پڑھنے میں اہل علم کا اتفاق :

” ويسر القراءة والدعاء في صلوة الجنابة لا نعلم بين اهل العلم فيه خلافا“

(المغنی لابن قدامة ۲ ص ۴۸۶)



نماز جنازہ میں ثناء اور دعاء آہستہ آواز میں پڑھی جائیں۔ ہمیں کوئی معلوم نہیں کہ اہل علم نے اس میں کسی قسم کا اختلاف کیا ہو۔

یعنی اہل علم کا تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر اختلاف ہوتا تو ہمارے علم میں بھی آتا۔ ماں اگر علم والے حضرات کے بغیر دوسری لوگ اختلاف کریں تو ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار بھی نہیں۔

### نماز جنازہ کے بعد دعاء :

اس مسئلہ پر اگر کسی نے تفصیلی علم حاصل کرنا ہو تو میری کتاب شمع ہدایت کا مطالعہ کرے میں نے اس مسئلہ پر بفضلہ تعالیٰ بحث اس میں ذکر کی ہے۔ تاہم ایک حدیث اور اس کی وضاحت فائدہ کے لئے یہاں بھی ذکر کر رہا ہوں۔

### جنازہ کے بعد دعاء کا واضح ثبوت :

” عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء“

(مشکوٰۃ باب الجنائز ص ۱۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو اس کے لئے خلوص سے دعاء کرو۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث پاک کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے مراقبہ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا



” قال ابن حجر و صححه ابن حبان “

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے  
حدیث پاک کو سمجھنے کے لئے وضابطہ، نظر رہیں۔ پھر حدیث پاک  
کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

### پہلا ضابطہ :

” متى امکن العمل بها سقط المجاز هذا اصل کبير لنا يتفرع  
عليه كثير من الاحكام ای مادام امکن العمل بالمعنى الحقیقی  
سقط المعنى المجازى لانه مستعار والمستعار لا يزاحم  
الاصل “

(نور الانوار مبحث الحقیقة والمجاز)

جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو مجاز پر عمل کرنا ساقط ہو جائے گا  
(متن کی اس عبارت کو شارح نے اس طرح بیان فرمایا ہے) یہ  
ہمارے نزدیک بہت بڑا قانون ہے جس پر بہت احکام متفرع ہوتے  
ہیں۔ یعنی جب تک معنی حقیقی پر عمل ممکن ہو معنی مجازی ساقط ہو  
جائے گا۔ اس لئے کہ معنی مجازی تو عاریہ (مانگ کر) لیا جاتا ہے۔ جو  
چیز عاریہ ملی جائے وہ اصل سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

### دوسرا ضابطہ :

” والفاء للوصل والتعقيب ای لكون المعطوف موصولاً  
بالمعطوف عليه متعقباً بلا مهلة “

(نور الانوار مبحث حروف المعطف)



جس جگہ لفظ ”فا“ استعمال ہو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معطوف  
و معطوف علیہ کے بعد متصل بلا مہلت پایا گیا ہے۔

یعنی فاء کے بعد آنے والا ”فا“ کے پہلے آنے والے کے بعد ہی واقع  
میں بھی پایا جائے گا۔ لیکن متصل۔ یعنی دونوں کے درمیان وقفہ، مہلت نہیں  
پائی جائے گی۔ بلکہ ایک ساتھ ہی آگے پیچھے پائے جائیں گے۔ جیسے یہ کہا  
جائے۔ ”جاء نی زید فبکر“ تو اس کا معنی یہ ہوگا۔ میرے پاس زید آیا اس  
کے بعد بغیر کسی دیر کے بکر بھی آگیا۔

اب دونوں ضابطوں کو بیک وقت ذہن میں رکھ کر حدیث پاک کے  
معنی کی طرف غور کرو مسئلہ واضح سمجھ آجائے گا۔ حدیث پاک کا معنی یہ ہے۔

جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو بغیر کسی دیر کے اس کے لئے خلوص  
سے دعاء کرو۔ اس معنی کے بغیر یہ معنی کرنا کہ میت پر جب تم نماز جنازہ پڑھو  
تو نماز جنازہ میں میت کے لئے خلوص سے دعاء کرو ”غلط ہے عربی کے تمام  
ضوابط کو پس پشت ڈال کر عربی سے بے خبر لوگوں کو تو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔  
لیکن اصحاب علم ان کے دھوکہ میں نہیں آسکتے۔

اب اس مختصر بحث کی بعد عقل و شعور رکھنے والے حضرات سمجھ  
جائیں گے کہ جنازہ کے بعد دعاء کرنے کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے دیا ہے۔

جنازہ کے بعد دعاء کرنے سے روکنے والے ساری عمر سر پیٹتے رہیں  
کتب کی ورق گردانی کرتے رہیں۔ ان شاء اللہ ایک حدیث بھی نہیں پیش کر



سکیں گے کہ جس میں نبی کریم ﷺ نے جنازہ کے بعد دعاء کرنے سے منع کیا ہو اور ایک آیہ بھی نہیں پیش کر سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہو۔ ہاں البتہ کافروں کے لئے دعاء کرنے سے رب تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی :

﴿ لا تصل علی احد ابداء ولا تقم علی قبره انهم کفروا باللہ  
ورسوله وما تواوہم فاسقون ﴾

ان کافروں میں سے کسی ایک پر نماز جنازہ کبھی بھی نہ پڑھو اور نہ ہی ان کی قبر پر دعاء کرو بے شک وہ اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے رہے اور ان کی موت حالت کفر میں ہوئی۔

ممکن ہے کہ وہابی بھی سب مرنے والوں کو کافر سمجھ کر جنازہ کے بعد دعاء نہ کرتے ہوں۔ اسی لئی صادق صاحب نے صلوٰۃ الرسول ص ۴۴۱ میں یہ لکھ دیا ”نماز جنازہ ختم ہو جانے کے بعد جنازہ کے ارگرد جمع ہو کر فاتحہ خوانی کرنی بے اصل ہے“

سبحان اللہ رب تعالیٰ نے جن لوگوں کو دعاء سے محروم کرنا ہوتا ہے ان کو اس راہ پر چلاتا ہے ”ومن یضللہ فلا ہادی لہ“ پنجابی کا یہ جملہ کیسے ان جاہلوں پر سچا آتا ہے ”مویا مردود نہ فاتحہ نہ درود“ جاہلوتف تمہاری عقل پر۔





## ﴿ عورتوں کی نماز ﴾

غیر مقلدین کے نزدیک مردوں اور عورتوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن یہ ان کا کہنا بلا دلیل ہے۔ احناف کے نزدیک مردوں اور عورتوں کی نماز میں چند وجہ سے فرق پایا جاتا ہے۔ بیادنی طور پر فرق کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کے پردے کو ہر مقام پر مد نظر رکھا گیا۔ جن صورتوں میں عورتوں کی بے پردگی پائی جاتی ہے ان میں مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق کیا گیا۔ ہے احناف کا مذہب بفضلہ تعالیٰ احادیث سے ثابت ہے۔ صرف زبانی دعویٰ نہیں کہ یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے کہ مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق پایا جاتا ہے دلیل کی کیا ضرورت ہے ہم نے کہہ دیا تو ہمارا کہنا ہی کافی ہے۔

نہیں نہیں۔ آئیے ذرا احادیث کی روشنی میں فرق کو دیکھیں۔ پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ حقیقی اہل حدیث کون ہے اور بناوٹی کون ہے۔

یقینی بات ہے کہ حقیقی اہل حدیث وہی ہیں جو احادیث کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ تو بفضلہ تعالیٰ حنفی حضرات ہیں۔ احادیث پر عمل بھی نہ ہو نام ”اہل حدیث“ یہ تو ایسے ہی ہے کہ نظر آئے نہیں تو نام ہو جائے ”نور جہان“ کھانے کے لئے روٹی ملے نہیں نام ہو جائے شاہ جہان، الف، با پڑھا نہ ہو نام ہو جائے محمد فاضل اور محمد عالم۔



عورتوں اور مردوں کی نماز فرق احادیث کی روشنی میں :

مرد کا جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے :

” عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ  
لقد هممت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلوۃ فیؤذن لها  
ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی رجال وفی روایۃ لا  
یشهدون الصلوۃ فاحرق علیہم بیوتہم“

(بخاری، مسلم واللفظ للبخاری، مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلہا ص ۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،  
قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں  
یہ چاہتا ہوں کہ نماز کا حکم دوں، پھر اذان کہی جائے پھر ایک شخص کو  
حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے، پھر میں لوگوں کے گھروں  
کا چکر لگاؤں ایک روایت میں ہے جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوتے  
ان کے گھروں کو جلا دوں۔

” عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال لو لا ما فی البیوت من  
النساء والذریۃ اقامت صلوۃ العشاء وامرت فتیانہ یحرقون ما  
فی البیوت بالنار“

(مسند احمد، مشکوٰۃ باب الجماعۃ ص ۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا  
اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں خود عشاء کی نماز  
پڑھاتا اور نوجوانوں کو حکم دیتا کہ (جماعت میں نہ آنے والوں کو)  
گھروں میں جمع ان کے مال و متاع کے جلا دیں۔ اس حدیث سے ہی  
واضح ہو گیا کہ مردوں کو جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے اور



عورتوں کا گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے اگر عورتوں کا بھی جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہوتا تو نبی کریم ﷺ مطلقاً یہ فرماتے کہ گھروں میں بچے نہ ہوتے تو جماعت میں نہ شریک ہونے والوں کو جلا دیا جاتا۔

آپ کا یہ فرمانا کہ ”اگر گھروں میں بچے اور عورتیں نہ ہوتیں“ یہ دلیل ہے کہ عورتوں کا حکم اور ہے اور مردوں کا حکم اور ہے۔

## عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے :

”عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ صلوة المرأة في بيتها افضل من صلوتها في حجرتها وصلوتها في مخدعها افضل من صلوتها في بيتها“

(ابوداؤد، مشکوٰۃ باب الجماعة ص ۹۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی نماز اس کے بیت میں افضل بحسب اس کے حجرہ کے اور عورت کی نماز کمرے کے اندر کمرہ میں بہتر ہے بحسب اس کے بیت کے۔

**تنبیہ :** بیت سے مراد وہ کمرہ ہے جس میں عورت سوتی ہو۔ یقیناً اس میں زیادہ پردے کا لحاظ ہوتا ہے۔ اس میں سونے کے اوقات میں گھر کے دوسرے افراد یعنی بچے وغیرہ بھی بغیر اجازت کے نہیں جاسکتے۔

حجرہ سے مراد عام کھلا کمرہ ہے۔ مخدع سے مراد کمرے کے اندر بند



کمرہ جسے ہماری پنجابی میں پڑ کو ٹھڑی۔ یا اگلی کو ٹھڑی کہتے ہیں۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہوا کہ عورت کے پردے کا لحاظ زیادہ کیا گیا ہے اسی لئے جتنا زیادہ پردہ دار کمرہ ہوگا اتنا ہی زیادہ افضل ہوگا کہ عورت اس میں نماز پڑھے۔

”عن ام سلمة عن رسول الله ﷺ انه قال خير مساجدا لנساء  
قعر بيوتهن“

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کی بہتر مسجد گھر کا اندرونی حصہ ہے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ عورت گھر نماز پڑھے۔ مسجد میں جماعت سے نماز نہ پڑھے۔

**اعتراض :** عورتوں کو مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے سے روکنا نہیں چاہئے، نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دینے کا حکم فرمایا۔

”عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا نساءكم  
المساجد و بيوتهن خير لهن“

(ابو داؤد مشکوٰۃ باب الجماعة ص ۹۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو، ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ عورتوں کے مساجد سے روکنا منع



ہے، بلکہ ان کو اجازت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ تم کس لئے روکتے ہو اور کہتے ہو عورتیں مساجد میں جماعت سے نماز ادا نہ کریں۔

**جواب:** یہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کی بات ہے۔ جب کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا افضل تھا، لیکن مساجد میں آنے کی بھی ان کو اجازت تھی، لیکن آپ کے زمانہ کے قریب ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مساجد میں آنے سے عورتوں کو مکمل طور پر روک دیا گیا تھا۔

”عن عائشة قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما

احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل“

(بخاری باب خروج النساء الى المساجد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو پاتے جو عورتوں نے ایجاد کر لی ہیں تو آپ ان کو مساجد سے منع فرماتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

”ما احدثت من الزينة والطيب وحسن الثياب ونحوها“

(عینی)

عورتوں کی نئی چیزوں پر عمل سے مراد زینت، خوشبو اور اچھے اچھے کپڑے، یعنی عورتوں نے ان چیزوں پر اس طرح عمل شروع کر دیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھیں۔

”وقال التيمي فيه دليل على انه لا ينبغي للنساء ان يخرجن

الى المساجد اذا حدث في الزمان الفساد“

(کرمانی)



تیمی نے کہا کہ اس میں دلیل ہے اس پر کہ عورتوں کو مساجد میں نہیں جانا چاہئے جب زمانہ میں فساد پیدا ہو جائے۔

واضح ہوا کہ غیر مقلدین کا عورتوں کو مساجد میں آنے پر زور دینا سوائے فساد کے کچھ بھی نہیں۔ کہاں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں عورتوں کی زیب و زینت وغیرہ اور کہاں ہمارے زمانے کی جب گریبان کھلے، بازو ننگے، سر ننگے، کپڑے باریک، پاؤڈر، سرخی۔

پہلے مخلوط تعلیم کے ادارے اور مخلوط ملازمت دفاتر دیکھ لئے جائیں۔ پھر مساجد میں عورتوں کو بلانے کا فیصلہ کیا جائے۔ ہاں البتہ ایک فائدہ نظر آتا ہے۔ اوباش قسم کے نوجوان بس شاپوں پر کھڑا ہونے کے بجائے مساجد کا رخ کر لیں گے کہ حسن کے مناظر، حسین پری پیکر کی زیارت مسجد میں ہی ہو جائے گی۔

”وعن ابن مسعود قال ما صلت امرأة خیر لها من قعر بیتها الا ان یکون المسجد الحرام ومسجد النبی ﷺ الا امرأة تخرج فی منقلیها یعنی خفیها“

(المعجم الكبير للطبرانی ج ۹ ص ۲۳۹ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴۴ باب خروج النساء الى المساجد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی عورت کی نماز کمرے کے اندرونی حصہ سے زیادہ بہتر نہیں، سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے مگر یہ کہ وہ اپنے موزے پہن کر نکلے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بغیر عورت کا اپنے گھر کے کمرے کے اندر نماز پڑھنا بہتر ہے۔ اور مسجد حرام اور مسجد



نبوی میں بھی باپردہ ہو کر، پاؤں میں موزے پہن کر جائے۔

” عن ابی عمرو الشیبانی انه رأى عبد الله يخرج النساء من

المسجد يوم الجمعة ويقول اخرجن الى بيوتك خیر لكن “

( المعجم الكبير للطبرانی ج ۹ ص ۳۴۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۵ باب خروج النساء الى المساجد )

ابو عمرو الشیبانی کہتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

نے جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے

کہا تم گھروں میں چلی جاؤ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔

اس حدیث کی سند کے متعلق کہا گیا ہے ”وقال الهیثمی رجاله

موثقون“ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

” عن عبد الله بن سويد الانصاري عن عمته ام حميد امرأة ابی

حميد الساعدي انها جانت النبي ﷺ فقالت يا رسول الله انی

احب الصلوة معك قال قد علمت انك تحبين الصلوة معی

وصلوتك فی بیتك خیر لك من صلوتك فی حجرتك وصلوتك

فی حجرتك خیر لك من صلوتك فی دارك وصلوتك فی دارك

خیر لك من صلوتك فی مسجدی “

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۱)

عبداللہ بن سويد انصاری رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی ام حمید سے

روایت کرتے ہیں کہ ابو حمید ساعدی کی عورت نبی کریم ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئی عرض کرنے لگی، یا رسول اللہ میں پسند کرتی

ہوں کہ آپ کی معیت (اقتداء) میں نماز ادا کروں۔ آپ نے فرمایا

مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز ادا کرنے کو محبوب سمجھتی ہو۔

لیکن تمہارا اپنے سونے کے کمرے میں نماز ادا کرنا جسبت عام



كمرے كے نماز ادا كرنے سے بهتر ہے۔ اور تمہارا كمرے ميں نماز ادا كرنا جسبت گھر كى صحن كے نماز ادا كرنے سے بهتر ہے۔ اور گھر كے صحن ميں تمہارا نماز ادا كرنا بهتر ہے جسبت اس ميرى مسجد ميں ادا كرنے كے۔

## عورت مردوں كى امامت نہيں كرا سكتى :

يہ واضح بات ہے كہ مرد، عورتوں اور مردوں كا امام بن سكتا ہے۔ اگرچہ عورت كا مسجد ميں آكر جماعت سے نماز پڑھنا بهتر نہيں تاہم عورت اگر مسجد ميں آجائے، پردے كا انتظام ہو، جماعت سے نماز پڑھے، امام نے نيت كر لى ہو كہ ميں عورتوں كا بهي امام ہوں تو عورت كى نماز ہو جائے گی۔

ليكن عورت كسى صورت ميں بهي مردوں كو نماز نہيں پڑھا سكتى، اس پر اجماع امت ہے :

”والذكورة خرج به المرأة فلا يصح اقتداء الرجل بها“

(طحطاوى)

امام كے لئے مذكر ہونے كى قيد پر جب اتفاق ہے تو واضح ہو گیا كہ عورت امام نہيں بن سكتى لہذا مرد كى اقتداء عورت سے صحيح نہيں۔

## عورت كا عورتوں كى امامت كرانا :

”عن ربطة الحنفية ان عائشة امتهن وقامت بينهن فى صلوة

مكتوبة“

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۴۱ باب المرأة تؤم النساء)



حضرت ربطہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں نماز پڑھائی تو وہ فرض نماز میں ان کے درمیان کھڑی ہوئیں

” عن حجيرة بنت حصين قالت امتنا ام سلمة في صلوة العصر فقامت بيننا“

(مصنف عبدالرزاق ج ص ۱۴۰ باب المرأة تؤم النساء)

حجیرہ بنت حصین کہتی ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی وہ درمیان میں کھڑی ہوئی۔

عورت کا عورتوں کی جماعت کرانا بھی صرف جواز کی حد تک ہے، لیکن کراہت سے خالی نہیں۔ کیونکہ عورت کا امامت کی حالت میں درمیان میں کھڑا ہونا بھی مکروہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ مقتدیوں کے آگے ہو کر نماز پڑھائی اور عورت کا آگے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

” هو زيادة الكشف وحرمتها ظاهرة لقوله تعالى ولا يبدین زینتھن الا ما ظہر منها“

(کفایہ)

عورت کے آگے کھڑے ہونے میں بے پردگی ہوگی جس کی حرمت قرآن پاک سے ثابت ہے۔

” ویکرہ تحریمہ جماعة النساء ولو فی التراویح یعنی ان الکراهة فی مثل ما تشرع فیہ جماعة الرجال فرضا او نفلا“

(درمختار، شامی)

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ وہ نماز تراویح کی ہی کیوں نہ ہو، یعنی جہاں مردوں کی نماز جائز ہوگی خواہ فرض ہوں یا نفل یعنی کسوف، استسقاء وغیرہ وہاں عورتوں کا امامت کرانا مکروہ ہوگا۔



عورتوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہوگی:

” ویصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء لقوله علیه السلام لیلینی منکم اولوالاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم“

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ہدایہ)

پہلے مردوں کی صف ہو، پھر نابالغ بچوں کی پھر عورتوں کی، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے قریب عاقل و بالغ کھڑے ہوں، پھر جوان کے قریب ہیں (یعنی بچے) پھر جوان کے قریب ہیں۔  
(یعنی عورتیں)

” عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولها وشرها اخرها وخیر صفوف النساء آخر وشرها اولها“

(نسائی ج ۱ ص ۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کی بہتر صف پہلی ہے اور آخری بہتر نہیں۔ عورتوں کی آخری صف بہتر ہے اور پہلی شر پر مبنی ہے۔

عورت کا سجدہ:

” عن علی قال اذا سجدت المرأة فلتحترق و لتضم فخذیها“

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲ بالمرأة کیف تكون فی سجودھا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عورت جب سجدہ کرے تو بہت سمٹ کر سجدہ کرے اور رانوں کو آپس میں ملا لے۔

” عن مغیرة عن ابراهیم قال اذا سجدت المرأة فلتضم فخذیها و لتضع بطنها علیہما“

(مجموع ابی شیبہ حوالہ مذکور)



مغیرہ روایت کرتے ہیں ابراہیم سے کہ انہوں نے کہا عورت جب سجدہ کرے تو اپنے ران (پیٹ سے) ملا لے، اور پیٹ کو ران پر رکھے۔

”عن مجاہد انه كان يكره ان يضع الرجل بطنه على فخذيها اذا سجد كما تضع المرأة“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

مجاہد سے مروی ہے کہ مرد کے لئے یہ مکروہ ہے کہ سجدہ میں اپنے پیٹ کو اپنی رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت (اپنے پیٹ کو اپنی رانوں پر) رکھتی ہے۔

”عن ابراهيم قال اذا سجدت المرأة فلتلزم بطنها بفخذيها ولا ترفع عجزتها ولا تجافي كما يجافي الرجل“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت ابراہیم (نخعی) سے مروی ہے کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے ملا لے اور اپنی سرین کو زیادہ اٹھائے نہیں، اعضاء کو ایک دوسرے سے دور نہ رکھے جیسے مرد دور رکھتا ہے۔

ان احادیث سے بہت واضح ہوا کہ عورت اور مرد کی نماز میں فرق ہے، سجدہ جب نماز میں رکن اعظم ہے اس میں ہی جب فرق موجود ہے تو اور صورتوں میں فرق کرنے میں کون سا حرج ہے۔

عورت کا نماز میں بیٹھنا:

”عن منصور عن ابراهيم قال تجلس المرأة من جانب في الصلوة“

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۴ (باب فی المرأة کیف تجلس فی الصلوة)



حضرت منصور حضرت ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ عورت ایک جانب ہو کر بیٹھے۔ یعنی عورت قعدہ میں پاؤں کو ایک طرف نکال کر زمین سے سرین ملا کر بیٹھے، اس میں اس کا زیادہ پردہ ہے،

”عن خالد بن اللجلاج قال کن النساء یومرن ان یتربعن اذا جلس فی الصلوة ولا یجلسن جلوس الرجال علی اوراکهن یتقی علی المرأة مخافة ان یکون منها الشنی“

خالد بن لجاج سے مروی ہے کہ عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ چوڑی مار کر بیٹھیں، مردوں کی طرح اپنی سرین کو پاؤں پر رکھ کر نہ بیٹھیں، عورت کو مردوں کی طرح بیٹھنے سے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ عورت کا کوئی مقام ظاہر نہ ہو یعنی پردے کا لحاظ تھا کہ وہ جتنا زیادہ زمین سے سمٹ کر بیٹھے گی اتنا زیادہ اس میں پردہ پایا جائے گا اور جتنا زیادہ اعضاء کو کشادہ کر کے بیٹھے گی اتنا ہی زیادہ پردہ کھلے گا، جو درست نہیں،

”حدثنا محمد بن بکر عن ابن جریج قال قلت لعطاء تجلس المرأة فی مثلنا علی شقها الایسر قال نعم قلت هو احب الیک من الایمن قال نعم قال تجتمع جالسته ما استطاعت قلت تجلس جلوس الرجل فی مثلنا او تخرج رجلها الیسری من تحت الیتها قال لا یضرها ای ذلک جلست اذا اجتمعت“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے کہا (کیا) عورت ہماری طرح بائیں طرف بیٹھے گی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا بائیں طرف بیٹھنا مجھے پسند ہے بہ نسبت دائیں طرف پر بیٹھنے کے۔ انہوں نے کہا



ہاں بیٹھے لیکن جتنی طاقت رکھے اتنی ہی سمٹ کر مجتمع ہو کر بیٹھے۔ میں نے کہا مردوں کی طرح بیٹھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ یا اپنا بایاں پاؤں سرین کے نیچے سے باہر نکال کر بیٹھے؟ انہوں نے کہا کوئی ضرر نہیں البتہ بیٹھے مجتمع ہو کر یعنی سمٹ کر بیٹھے۔

نتیجہ واضح ہوا کہ مقصد عورت کے پردے کا ہے، وہ اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی ہو سکے اپنے اعضاء کو اعضاء سے ملا کر، زمین سے لپٹ کر بیٹھے، خواہ یہ مقصد اسے مردوں کی طرح بیٹھنے سے حاصل ہو، یا چوکڑی مار کر بیٹھنے سے حاصل ہو، یا سرین کو زمین پر رکھنے اور پاؤں کو باہر نکالنے سے حاصل ہو۔

جب احادیث مبارکہ سے یہ واضح ہو گیا کہ عورت زیادہ سے سمٹ کر، اعضاء کو اعضاء سے ملا کر، زمین سے لگ کر سجد کرے اور بیٹھے، تو انسان کو رب تعالیٰ نے عقل و شعور دیا ہے وہ غور کرے کیا عورت کے بیٹھنے میں سب سے زیادہ پردہ اس صورت میں نہیں جو امام اعظم رحمہ اللہ اور آپ کے متبعین نے بیان کی ہے؟ کہ عورت سرین پر بیٹھے اور پاؤں کو باہر نکال لے، یقیناً یہی صورت بہتر ہے۔

جو وجہ احادیث سے سمجھ آئی وہی فقہا کرام نے بھی بیان کی ہے لوگ سمجھتے ہیں شائد فقہ حدیث کے مخالف علم کا نام یہ سراسر غلط بیانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک اور حدیث پاک سے استنباط (حاصل کرنا) کئے ہوئے مسائل ہی علم فقہ ہے جو بعینہ قرآن پاک اور حدیث پاک کے موافق ہے، مخالف نہیں۔



فقہاء کرام نے بیان کیا :

” فان كانت امرأة جلست على اليتها اليسرى واخرجت  
رجلها من الجانب الايمن لانه استرلها“

( ہدایہ )

اگر عورت نماز ادا کر رہی ہو تو وہ اپنی سرین کے بائیں حصہ کے بل  
بیٹھے اور اپنے پاؤں کو دائیں جانب باہر نکال لے کیونکہ اس میں  
عورت کے لئے پردہ زیادہ پایا جاتا ہے۔

امامت، سجود اور قعود میں عورت کا مرد سے فرق جب ظاہر ہو گا اور  
اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ اصل میں عورت کے پردے کی وجہ سے ہی یہ  
فرق ہے تو جہاں جہاں بھی ممکن ہو اتو وہاں فرق کیا گیا۔

عورت تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک نہ اٹھائے کیونکہ اس  
کے بازو، زیادہ کھل جائیں جو اس کی بے پردگی پر دلالت کریں گے، لیکن  
عورت جب اپنے ہاتھ کندے تک بمشکل اٹھائے گی۔ تو اس کا پردہ برقرار  
رہے گا اسی طرح عورت جب ہاتھ باندھتے وقت اپنے ہاتھ اپنے پستانوں پر رکھ  
کر باندھے گی تو اس کا زیادہ پردہ ہو گا۔ عورت اور مرد کا اور کئی وجہ سے فرق پایا  
جاتا ہے اس کی تفصیل راقم کی کتاب ”اسلام میں عورت کا مقام“ میں دیکھی  
جائے۔ اس میں میں نے کئی وجہ سے فرق واضح طور پر بیان کیا ہے۔





## ﴿ جلسہ استراحت کا مسئلہ ﴾

جلسہ کا معنی ہے بیٹھنا، استراحت کا معنی ہے راحت طلب کرنا، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جلسہ استراحت ہے یا نہیں۔

جلسہ استراحت سے مراد یہ ہے کہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد یا تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر اٹھنا۔

غیر مقلدین کا مذہب اور ان کی دلیل :

جلسہ استراحت : دوسرا سجدہ کر چکنے کے بعد ایک رکعت پوری ہو چکی ہے، اب دوسری رکعت کے لئے آپ نے اٹھنا ہے لیکن اٹھنے سے پہلے اور دوسرے سجدے کے بعد جلسہ استراحت میں ذرا بیٹھ کر اٹھیں۔ اس کی صورت یہ ہے۔

”ثم يقول الله اكبر ويرفع ويشي رجله اليسرى فيقعد عليها ثم ينهض“

(ابوداؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

پھر حضور اللہ اکبر کہتے ہوئے (دوسرے سجدے سے) اٹھتے اور موڑتے بایاں پاؤں اور بیٹھتے اس پر، پھر کھڑے ہوتے (دوسری رکعت کے لئے)

**نوٹ:** جلسہ استراحت سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھیں

(بخاری) (صلوة الرسول ص ۲۶۳، ۲۶۴)



## احناف کا مذہب :

اس مسئلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ جلسہ استراحت نہیں بلکہ پہلی اور تیسری رکعت سے فارغ ہو کر اپنے قدموں کے سروں پر ہی اٹھ جائے بیٹھے نہیں۔

جب جلسہ استراحت نہیں تو اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ بھی نہیں ٹیکے جائیں گے بلکہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر اٹھا جائے گا۔

## احناف کے دلائل :

”عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ ینہض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ“

(ترمذی ج ۱ ص ۳۸ باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نماز میں اپنے قدموں پر سیدھے کھڑے ہو جاتے۔

اس حدیث کے بعد ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

”قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ہریرۃ علیہ العمل عند اهل العلم یختارون ان ینہض الرجل فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ“

(حوالہ مذکور)

ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اہل علم کا عمل ہے۔ اور یہی ان کا مختار مذہب ہے۔ کہ نماز پڑھنے والے شخص کو اپنے قدموں کے سینے پر ہی اٹھنا چاہئے۔



” عن وائل بن حجر قال رأيت النبي ﷺ اذا سجد وضع  
ر كتيه قبل يديه واذا قام من السجود رفع يديه قبل ر كتيه “

(ابن ماجه باب السجود ص ۶۳)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی  
کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنوں کو اپنے  
ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب سجدہ سے کھڑے ہوتے اور اپنے  
گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔

(یہی حدیث نسائی بارفع الیدین عن الارض قبل الرکتین ج ۱ ص ۱۲۹ میں بھی مذکور ہے) ابوداؤد،  
ترمذی، دارمی میں بھی ہے بحوالہ مشکوٰۃ باب السجود)

” عن عبدالرحمن بن یزید قال رمقت عبداللہ بن مسعود فی  
الصلوة فرئیتہ ینہض ولا یجلس قال ینہض علی صدور قدمیه  
فی الرکعة الاولى والثالثة “

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۳۰۶ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۲۵ باب من قال یرجع علی  
صدور قدمیه مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۶)

عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ  
عنہ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ بیٹھتے نہیں  
تھے۔ وہ اپنے قدموں کے بل پہلی اور تیسری رکعت میں اٹھ جاتے  
تھے۔

” وعن عباس او عیاش بن سہل الساعدی انه کان فی مجلس  
فیہ ابوہ وکان من اصحاب النبی ﷺ وفی المجلس ابوہریرة  
وابو حمید الساعدی وابو اسید ف ذکر الحدیث وفیہ ثم کبر  
فسجد ثم کبر فقام ولم یتورک “

(ابوداؤد ج ۱۰۷ باب افتتاح الصلوة)

ایک محفل میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور بھی تھے اور ان



میں حضرت ابو ہریرہ، ابو حمید الساعدی، ابو اسید رضی اللہ عنہم بھی تھے ایک حدیث کو بیان کیا گیا، جس میں یہ ذکر تھا کہ (نبی کریم ﷺ نے) تکبیر کہی، پھر سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کہی، ساتھ ہی فوراً کھڑے ہو گئے، کوئی تورک (پاؤں نکال کر بیٹھنا) نہیں کیا۔

” عن عبید بن ابی الجعد قال کان علی ینہض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ“

(مصنف ابن ابی شیبہ باب من کان ینہض علی صدور قدمیہ)

عبید ابن ابی جعد کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے سینے پر کھڑے ہو جاتے۔

” عن عبدالرحمن بن یزید قال کان عبداللہ ینہض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ“

(حوالہ مذکور)

عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے اگلے حصہ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

” عن خثیمۃ عن ابن عمیر قال ینہض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت خثیمہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہو جائیں۔

” عن الشعبي ان عمرو عليا واصحاب رسول الله ﷺ كانوا ینہضون فی الصلوۃ علی صدور اقدامهم“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت شعبی سے مروی ہے کہ بے شک حضرت عمر اور



حضرت علی اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔

”عن وهب بن كيسان قال رأيت ابن الزبير اذا سجد السجدة الثانية قام كما هو على صدور قدميه“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

وہب ابن کیسان رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے (عبداللہ) ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ جب دوسرا سجدہ کرتے (تو کھڑے ہونے والی رکعات میں) تو کھڑے ہو جاتے جیسا کہ آپ (پہلے ہی) قدموں کے کناروں پر تھے۔

یعنی جلدی سے بغیر کسی تاخیر کے اور بغیر بیٹھنے کے اور بغیر سہارا لگانے کے آپ کھڑے ہو جاتے یوں محسوس ہوتا کہ آپ پہلے سے ہی قدموں کے کناروں پر تیار بیٹھے تھے۔

”عن نافع عن ابن عمر انه كان ينهض في الصلوة على صدور قدميه“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔

”عن ابراهيم قال كان ابن مسعود في الركعة الاولى والثالثة لا يقعد حين يريد ان يقوم حتى يقوم“

(مصنف ابن ابی شیبہ باب من كان يقول اذا رفعت راسك من السجدة الثانية)

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب پہلی اور تیسری رکعت سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو بیٹھے نہیں



تھے یہاں تک کہ کھڑے ہو جاتے۔

” عن الزهري قال كان اشياخنا لا يميلون يعني اذا رفع احدهم رأسه من السجدة الثانية في الركعة الأولى والثالثة ينهض كما هو ولم يجلس“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے بزرگ حضرات (بیٹھنے کی طرف) میلان نہیں فرماتے تھے۔ یعنی پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے جب بھی کوئی سر اٹھاتا، تو سیدھا ہی کھڑا ہو جاتا جیسا کہ وہ بیٹھا ہی نہیں تھا۔

” عن الزبير بن عدی عن ابراهيم انه كان يسرع في القيام في الركعة الأولى من آخر سجدة“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

زبیر بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم (تجلی) رضی اللہ عنہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد قیام کی طرف بہت جلدی کرتے تھے۔

عن نعمان بن ابی عیاش قال ادركت غير واحد من اصحاب النبي ﷺ فكان اذا رفع رأسه من السجدة في اول ركعة والثالثة قام كما هو ولم يجلس

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

نعمان ابن ابی عیاش کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے کئی صحابہ کرام کو پایا کہ جب بھی کوئی پہلی اور تیسری رکعت کے (دوسرے) سجدہ سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوتے جیسا کہ یہ بیٹھے ہی نہیں تھے۔

تمام احادیث مذکورہ سے واضح ہوا کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت



کے دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت نہیں، بلکہ قدموں کے بل سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے۔

## غیر مقلدین کی دلیل کا جواب اور شاندار محاکمہ :

غیر مقلدین نے جو احادیث پیش کیں کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد ذرا بیٹھ کر ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھے، وہ احادیث بھی صحیح ہے۔ ان کا بھی انکار نہیں۔ بظاہر دونوں قسموں کی حدیثوں پر عمل تو ممکن نظر نہیں آتا کہ جلسہ استراحت اور ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنے سے، بغیر جلسہ استراحت اور ہاتھوں کا گھٹنوں سے پہلے اٹھانے پر عمل نہیں ہوتا۔

اور اگر جلسہ استراحت نہ کیا جائے اور ہاتھ زمین پر لگا کر نہ اٹھے تو دوسری حدیثوں پر عمل نہیں ہو گا۔

غیر مقلدین کے قول پر عمل کیا جائے تو ان تمام احادیث کو چھوڑنا لازم آئے گا قربان جاؤں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فراست علمی پر آپ نے شاندار محاکمہ بیان فرمایا کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے، کسی کو چھوڑنا لازم نہ آئے۔ اور آپ کے محاکمہ کو بھی دوسری اور احادیث سے تائید حاصل ہے۔

وہ محاکمہ یعنی احادیث میں تطبیق اس طرح بیان کی گئی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام بغیر کسی عذر کے یعنی تکلیف اور بڑھاپے کے عذر کے بغیر تو قدموں کے بل اٹھتے رہے۔ کبھی ہاتھوں کا سہارا زمین پر نہیں لگایا۔ لیکن بڑھاپے میں اور تکلیف کی صورت میں ذرا بیٹھ کر، ہاتھوں کا سہارا زمین پر لگا کر اٹھے۔



## محاکمہ پر احادیث کی تائید :

” عن الحارث عن ابراهیم انه كان يكره ذلك الا ان يكون  
شیخا کبیرا او مریضا“

(مصنف ابن ابی شیبہ باب فی الرجل یعتمد علی یدیه فی الصلوۃ)

حارث رحمہ اللہ روایت کرتے کہ حضرت ابراہیم (نخعی) رضی اللہ عنہ ہاتھوں کا  
سہارا لگا کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے ہاں البتہ کوئی شخص بوڑھا ہو یا مریض ہو تو اس  
کیلئے جائز ہے۔

” عن ابی حنیفۃ عن علی قال ان من السنۃ فی الصلوۃ  
المکتوبۃ اذا نهض الرجل فی الرکعتین الا ولین ان لا یعتمد  
بیدہ علی الارض الا ان یكون شیخا کبیرا لا یتطیع“

(ابن ابی شیبہ حوالہ مذکور)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرض نماز میں سنت یہ ہے  
کہ انسان جب پہلی دو رکعت کے بعد اٹھے تو اپنے ہاتھوں کا زمین پر  
سہارا نہ لگائے مگر یہ کہ بہت بوڑھا ہو (بغیر سہارے کے اٹھنے کی)  
طاقت نہ رکھتا ہو

ان احادیث سے بہت واضح ہو گیا کہ اگر کسی کو کمر میں تکلیف، پاؤں،  
ٹانگوں میں تکلیف ہو یا بیمار ہو۔ یا بڑھاپا ہو وہ سیدھا قدموں کے بل اٹھنے کی  
طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ بیٹھ کر اٹھے یا زمین پر سہارا لگا کر اٹھے تو یہ جائز ہے۔ اور ان  
ہی عذروں کے پیش نظر نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے بیٹھ کر اٹھنا  
یا زمین پر سہارا لگا کر اٹھنا ثابت ہے۔



جب کوئی عذر نہ ہو تو قدموں کے بل نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے قدموں کے بل اٹھنا ثابت ہے۔

یہی حکم بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے ہے جو تا قیامت (ان شاء اللہ) باقی رہے گا۔ وہ حکم یہی ہے کہ انسان طاقت کے مطابق کام کرے۔ اس بحث سے بعد اگر کوئی شخص ضد، حسد، عناد، ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر انصاف کی نظر سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو دیکھے گا تو دادِ تحسین دئے بغیر رہ نہیں سکے گا۔





## ﴿ نمازوں کے اوقات ﴾

نماز کے وقت میں غیر مقلدین اور احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ غیر مقلدین کہتے ہیں جب نماز کا وقت شروع ہو جائے اسی وقت نماز ادا کی جائے دیر نہ کی جائے۔

احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ یعنی وقت میں تین حال پائے جاتے ہیں۔

ایک ہے: کل وقت، یعنی نماز کا وقت کب ختم ہوتا ہے۔ وقت کے شروع ہونے سے لیکر وقت کے ختم ہونے تک تمام وقت کہلائے گا۔

دوسرا ہے: مکروہ وقت۔ نماز کے بعض اوقات وہ ہیں جن میں نماز مکروہ ہوگی اگرچہ وہ نماز کا وقت کہلائے گا۔

تیسرا ہے: مستحب وقت جن وقتوں میں نماز ادا کرنا یا جماعت کرانا افضل ہوتا ہے اسے مستحب وقت کہا جاتا ہے۔ دونوں مذہبوں کے دلائل اور مسئلہ پر وضاحت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حق مذہب کونسا ہے۔

### غیر مقلدین کا مذہب :

آئمہ مساجد کلمت میں ہماری درخواست ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کے مطابق وہ نمازیں اول وقت پر پڑھایا کریں، اس سے خدا خوش ہو



گا اور سنت کی پیروی کے سبب رحمۃ للعالمین حشر میں شفاعت فرمائیں گے

(صلوة الرسول ص ۱۴۸)

سبحان اللہ کبھی نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا انکار اور کبھی دھوکہ دینے کیلئے اقرار کبھی آپ کی رحمت کو تسلیم نہ کرنا اور کبھی تمام جہانوں کیلئے رحمت مان لینا یہی ان کے باطل مذہب کا بیان کافی ہے، بہر حال ان کے مذہب کے دلائل بیان کرنے کے بعد احناف کے مذہب کی وضاحت ہوگی۔

## غیر مقلدین کے دلائل :

نماز عصر کا وقت : حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں

”فاقام العصر والشمس مرتفعة بیضا نقیة“

(رواہ مسلم)

یعنی رسول اللہ ﷺ خدا نے قائم کی نماز عصر در حالی کہ آفتاب تھا  
بلند سفید صاف (یعنی زرد نہ تھا)

”وعن انس قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی العصر والشمس  
مرتفعة حیة“

(متفق علیہ)

روایت ہے حضرت انس سے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا نماز عصر  
پڑھتے اور آفتاب ہوتا تھا بلند، زندہ، (یعنی روشن بغیر زردی کے)

## منافق کی نماز :

حضرت انس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا



”تلك صلوة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا اصفرت  
وكانت بين قرني الشيطان قام فنقر اربعا لا يذكر الله فيها  
الا قليلا“

(رواه مسلم)

یہ منافق کی نماز عصر ہے (جو اخیر وقت پڑھی جائے) کہ بیٹھا رہتا ہے  
، انتظار کرتا ہے آفتاب کا، یہاں تک کہ جب ہو جاتا ہے زرد، اور ہوتا ہے  
دوہلیاں دو سینگوں شیطان کے (یعنی غروب کے وقت) کھڑا ہوتا (نماز کیلئے)  
پھر ٹھونگیں مارتا ہے چار، نہیں یاد کرتا اس میں اللہ کو مگر تھوڑا۔

(صلوة الرسول ص ۱۴۴)

غیر مقلدین اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں ناکام ہو گئے :

دعویٰ یہ کہ نماز عصر اول وقت میں پڑھی جائے، گرمیوں میں بھی  
ساڑھے تین بجے۔ اور جو احادیث بیان کی ہیں، ان سے یہ دعویٰ کیسے ثابت  
ہے۔ احادیث سے جو ثابت ہو رہا ہے وہ تو احناف کا مذہب ہے۔

پہلی جو دو حدیثیں پیش کی ہیں ان سے یہ ثلث ہو رہا ہے کہ رسول  
اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی جب کہ سورج روشن، چمکدار تھا۔

تیسری حدیث جو پیش کی اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ عصر کی نماز  
میں اتنی تاخیر کر دینا کہ سورج زردی مائل ہو جائے۔ بلکہ غروب کے قریب  
ہو جائے (کیونکہ غروب کے وقت ہی شیطان سورج کے آگے اپنے بازو پھیلا کر  
کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ سورج کی عبادت کرنے والے دراصل مجھے سجدہ کریں)



اور نماز پڑھنے والے کو سورج کے غروب ہونے کا خطرہ ہو وہ بے اطمینانی سے نماز ادا کرے تو یہ علامت نفاق ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ ”منافق کی نماز“ کا عنوان بھی غلط ہے اور ظلم عظیم ہے کسی مومن کو منافق کہنا دراصل اپنے آپ کو کافر بنانا ہے۔ احادیث میں جہاں بھی اس قسم کے الفاظ ہیں وہاں منافقت کی علامت مراد ہوتا ہے، بعینہ منافق نہیں کہا گیا اور نہ ہی یہ کہنا درست ہے۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ مثال کے طور پر راولپنڈی، اسلام آباد میں گرمیوں کا آخری وقت غروب شمس (سورج کے غروب ہونے کا وقت) کا سات بج کر تیس منٹ ہے۔ سورج کے غروب ہونے سے بیس یا پچیس منٹ پہلے سورج زردی مائل ہوتا ہے اگر کوئی شخص سات بجے یا اس کے بعد نماز ادا کرے تو وہ مکروہ وقت ہوگا۔ اور اگر کوئی غروب کے وقت نماز ادا کرے یعنی جب سورج غروب ہو رہا ہو تو یہ علامت نفاق ہوگی۔

یہی مذہب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے احناف کا ہے کہ وہ ساڑھے پانچ بجے یا زیادہ سے زیادہ پونے چھ بجے نماز ادا کر لیتے ہیں، جب سورج خوب چمک رہا ہوتا ہے، آب و تاب میں ہوتا ہے۔

ذرا انصاف کیجئے کہ احناف کیا اس وقت نماز نہیں ادا کر رہے ہوتے جو حضور ﷺ کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ یقیناً وہی وقت احناف کی نماز کا ہے جو وقت رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ہے۔



## عصر کا وقت فقہ حنفی سے :

” واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر على القولين و آخر وقتها مالم تغرب الشمس “

( ہدایہ )

عصر کا وقت اس وقت شروع ہو گا جب ظہر کا وقت امام اعظم رحمہ اللہ اور صاحبین کے قول کے مطابق ختم ہو جائے گا۔ یعنی سایہ چیز کا دو مثل ہو جائے اور عصر کا وقت ختم اس وقت ہو گا جب سورج غروب ہوگا۔

خیال رہے کہ عصر کا جو وقت بیان کیا گیا ہے یہ کل وقت ہے۔ جس میں مکروہ اور غیر مکروہ دونوں شامل ہیں۔

” ثلاثة اوقات لا يصح فيها شئ من الفرائض والواجبات التي لزمتم في الذمة قبل دخولها عند طلوع الشمس الى ان ترتفع وعند استوائها الى ان تزول وعند اصفرارها الى ان تغرب ويصح اداء ماوجب فيها مع الكراهة “

( نورالایضاح )

تین وقتوں میں کوئی فرائض و نوافل ادا نہیں ہوں گے، جو اس کے ذمہ اس سے پہلے ہیں، ایک طلوع شمس (سورج کے نکلنے) کے وقت یہاں تک کہ سورج (ایک دو نیزے کے برابر) اوپر آجائے۔ اور جب سورج درمیان میں ہو یہاں تک کہ ڈھل جائے۔ اور جب سورج زردی مائل ہو جائے البتہ اسی دن کی عصر جو اس وقت اس پر لازم ہوئی بوجہ تاخیر کے وہ ادا ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔



## اس فقہی قول کو حدیث پاک سے لیا گیا:

” ولذا استدل بحديث عقبة بن عامر الثابت في مسلم وغيره ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ نهانا ان نصلي فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حين تميل الشمس وحين تضيف للغروب حتى تغرب“

(فتح القدیر)

ان تین اوقات میں نماز کی ممانعت پر اس حدیث پاک سے دلیل پکڑی گئی ہے جو مسلم وغیرہ میں مذکور ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں۔ تین وقتوں میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے اور فوت ہونے والے لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرماتے تھے، جب سورج طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور جب دوپہر کے وقت سورج درمیان میں ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور غروب ہونے کی طرف مائل ہو یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

سورج کے زردی مائل ہونے اور غروب کے قریب ہونے پر فقہاء کا استدلال:

” قوله ﷺ ان الشمس تطلع بين قرني شيطان فاذا ارتفعت فارقتها ثم اذا استوت قارنها فاذا زالت فارقتها فاذا دنت للغروب قارنها واذا غربت فارقتها ونهى عن الصلوة في تلك الساعات رواه مالك في الموطأ والنسائي فانه افاد كون المنع“



لما اتصل بالوقت مما يستلزم فعل الاركان فيه التشبيه بعبادة الكفار وهذا المعنى بنقصان الوقت والافالوقت لانقص فيه نفسه بل هو وقت كسائر الاوقات

(فتح القدير)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ بے شک سورج شیطان کے دو سینگوں (یعنی بازوؤں) کے درمیان طلوع ہوتا ہے، پھر جب سورج بلند ہو جاتا ہے وہ ہٹ جاتا ہے، پھر جب سورج درمیان میں آتا ہے پھر اس کے سامنے آجاتا ہے۔ پھر جب سورج ڈھل جاتا ہے وہ بھی ہٹ جاتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے وہ پھر اس کے سامنے آجاتا ہے۔ اور جب غروب ہو جاتا ہے جدا ہو جاتا ہے۔ اور تین اوقات میں نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔

(موظا امام مالک نسائی)

اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ کافروں کی عبادت کی مشابہت حاصل ہوتی ہے ورنہ وقت میں ذاتی طور پر کوئی نقص نہیں۔ بلکہ یہ بھی دوسری وقتوں کی طرح ہی وقت ہیں۔ نقصان عبادت میں ہوگا تو ضمناً اوقات میں بھی نقص آگیا

فقہاء کرام کی عبارات اور دلائل کو دیکھ کر انصاف سے فیصلہ کریں، کیا یہ سچ نہیں، یہ حق نہیں کہ فقہ قرآن و حدیث کے مسائل کی وضاحت کرنے والے علم کا نام ہے؟ ہاں ہاں یہ حقیقت ہے اس کا انکار ممکن نہیں۔ عوام کو دھوکہ دینا یہ مسئلہ توفیق کا ہے ہم تو حدیث بیان کر رہے فقہ کوئی حدیث کے



مطابق علم کا نام نہیں۔ فقہ تو اماموں کا من گھڑت علم ہے، یہ سب جھوٹ اور فریب ہے، دھوکہ دہی کے بغیر کچھ نہیں۔

## ظہر کی نماز کا وقت اور غیر مقلدین :

گرمی میں ظہر ٹھنڈے وقت : حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا نے فرمایا

” اذا اشتد الحر فابدوا بالصلوة “

(متفق علیہ)

جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

**ملاحظہ :** ٹھنڈے وقت کا یہ مطلب نہیں چار بجادوبلکہ یہ مراد ہے کہ شدت کی گرمی میں سورج ڈھلتے ہی فوراً نہ پڑھو۔ تھوڑی دیر کرو۔

اور نسائی میں حضرت انس سے روایت ہے۔ ”واذا كان البرد عجل“ یعنی جب سردی ہوتی تو حضور ظہر پڑھنے میں جلدی کرتے

(صلوة الرسول ص ۱۴۴)

## غیر مقلدین کی اس دلیل میں بھی ناکامی :

چار بجے نماز پڑھنے کا بہتان ہے، گرمیوں میں نماز ہمارے علاقہ میں ڈیڑھ بجے سے لے کر اڑھائی بجے تک ہوتی ہیں۔ سردیوں میں نماز ایک بجے سے لے کر دو بجے تک ہوتی ہے۔



حدیث شریف کی یہ توجیہ بیان کرنا کہ شدت گرمی میں سورج ڈھلتے ہی فوراً نہ پڑھو، تھوڑی دیر کرو "غلط ہے۔ اس پر کوئی دلیل نہیں قائم کی گئی۔ صرف زبانی دعویٰ قابل قبول نہیں۔

اگر اپنی مرضی سے ہی وجہ گھڑنی ہو تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شدت گرمی میں زوال کے وقت نماز نہ پڑھو بلکہ سورج ڈھلتے ہی جلدی پڑھ لو۔

## احناف کا مذہب فقہ سے :

"ووقت الظهر من زوال الشمس الی ان یصیر ظل کل شئی  
مثلیہ او مثله سوی ظل الاستواء"

(نور الابضاح)

ظہر کا وقت سورج کے ڈھل جانے سے شروع ہوا ہے اور ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے بغیر دو مثل ہو جائے یا ایک مثل ہو جائے۔  
ظہر کا یہ کل وقت ہے۔ یعنی ظہر کے وقت کی ابتداء کو بیان کیا گیا ہے، اور ظہر کے وقت کی انتہاء کو بیان کیا گیا ہے۔

## ظہر کا مستحب وقت :

"والابراد بالظہر فی الصیف وتعجیلہ فی الشتاء الافی یوم  
غیم فیؤخر فیہ"

(نور الابضاح)

گر میوں کو ظہر میں ٹھنڈا کر کے پڑھا جائے، سردیوں میں جلدی، ہاں



اگر بادل ہو تو تاخیر کرے۔

یہ ضرورت اس وقت تھی جب گھریوں کا نظام نہیں تھا، دیر کا حکم اس لئے تھا کہ ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے ہی نماز پڑھ لی جائے۔

## احناف کے دلائل احادیث سے :

”عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا

بالصلوة فان شدة الحر من فیح جہنم“

(بخاری ج ۱ ص ۷۶ باب الابراد بالظہر ، مسلم ج ۱ ص ۲۲۴ باب استحباب الابراد بالظہر ، ابوداؤد ج ۱ ص ۵۸ باب وقت صلوة الظہر ترمذی ج ۱ ص ۴۰ باب ماجاء فی تاخیر الظہر ، نسائی ج ۱ ص ۸۷ باب الابراد بالظہر ، ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۹ باب الابراد بالظہر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے

ہیں کہ بیشک آپ نے فرمایا جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، بے شک سخت گرمی جہنم کے سانس لینے سے ہے۔

”عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کان الحر ابرد

بالصلوة واذا کان البرد عجل“

(بخاری ، نسائی حوالہ مذکور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے

تھے جب گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ اور جب سردی ہو تو

جلدی پڑھو۔

”عن ابی ذر الغفاری قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر

فاراد المؤذن ان یؤذن للظہر فقال النبی ﷺ ابرد ثم اراد ان

یؤذن فقال له ابرد حتی رأینا فنی التلؤل فقال النبی ﷺ ان



شدة الحر من فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابدوا بالصلوة

(بخاری باب الابراد بالظهر فی السفر، مسلم باب استجاب الابراد بالظر)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو، کچھ دیر کے بعد مؤذن نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے (پھیلے ہوئے) ہم دیکھ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک سخت گرمی جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس جب سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو۔

اس حدیث پاک میں لفظ ”ثم“ سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے روکنے کے بعد کچھ وقت گذر گیا تو مؤذن نے دوبارہ اذان دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے پھر روک دیا۔

”فنی التلؤل“ سے بھی پتہ چلا کہ ٹیلوں کے سائے کافی مقدار میں پھیل چکے تھے جو دور سے دکھائی دے رہے تھے اگر مطلقاً ”سایہ“ ہی معنی لیا جائے تو وہ کسی طرح بھی درست نہیں، کیونکہ جب تک سایہ ڈھلے نہیں اس وقت تک تو ظہر کا وقت شروع ہی نہیں ہوتا۔

اصلی سایہ کے سوا ایک مثل ہونے سے پہلے ظہر ادا کر لیجائے :

اگرچہ ظہر کے وقت میں مکروہ وقت نہیں، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے کہ ظہر کا وقت کب ختم ہوتا ہے ہر چیز



کے اصلی سایہ کے بغیر ایک مثل سایہ ختم ہونے تک وقت ختم ہو جاتا ہے یا کہ دو مثل تک پہنچنے تک۔

یہی اختلاف عصر کے وقت کی ابتداء میں ہے کہ ایک مثل کے بعد شروع ہوتا ہے یا دو مثل کے بعد، زیادہ صحیح اور معتبر اور مفتی بہ قول امام اعظم رحمہ اللہ کا دو مثل والا ہے۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک سایہ پہنچنے سے پہلے پہلے ادا ہو جائے اور دو مثل تک سایہ پہنچنے کے بعد ہی عصر کی نماز پڑھی جائے۔

اس فقہی ضابطہ کو بھی بفضلہ تعالیٰ حدیث پاک سے ہی لیا گیا ہے۔  
آئیے حدیث پاک کو دیکھیں۔

” عن عبد الله بن رافع مولى ام سلمة زوج النبي ﷺ انه سأل  
ابا هريرة عن وقت الصلوة فقال ابو هريرة انا اخبرك صل الظهر  
اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثلك “

(موظا امام مالك كتاب وقوت الصلوة)

حضرت عبد اللہ بن رافع جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں وہ روایت کرتے ہیں۔ کہ بے شک انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ ظہر کی نماز ادا کر لو جب تمہارا سایہ ایک مثل ہو جائے اور عصر کی نماز ادا کر لو جب تمہارا سایہ دو مثل ہو جائے۔



بہت واضح ہوا کہ ظہر کے وقت کی انتہائے شے کے ایک مثل سایہ پر نہیں ہوتی ورنہ وہاں سے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے البتہ شے کے ایک مثل سایہ کے ختم ہونے تک ظہر کو ادا کر لینا بہتر ہے۔

راقم عام طور دو بجے ہی ظہر کی نماز ادا کرتا ہے۔ میرے خیال میں یہ وقت تقریباً تمام سال راولپنڈی، اسلام کے علاقوں میں بہتر ہے۔ تعجیل و تاخیر دونوں پر بیک وقت عمل ہو جاتا ہے۔

## فجر کی نماز کے متعلق غیر مقلدین کا بیان :

” عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ ليصلي الصبح فتصرف النساء متلفعات بمروطهن ما يعرفن من الغلس“

(متفق علیہ)

حضرت عائشہ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول خدا (جب) نماز صبح پڑھتے تھے۔ پس پھر تیں عورتیں (مسجد سے آپ کے ساتھ نماز پڑھ کر) اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نہ پہچانی جاتی تھیں، بسبب اندھیرے کے۔

(بخاری و مسلم)

ملاحظہ : معلوم ہوا کہ حضور اندھیرے میں اول وقت نماز پڑھا کرتے تھے

(صلوة الرسول ص ۱۴۵)

## فجر کی نماز کے وقت کے متعلق فقہ حنفی سے :

” وقت الصبح من طلوع الفجر الصادق الى قبيل طلوع الشمس“

(نور الابضاح)



صبح کا وقت صبح صادق سے لیکر سورج کے نکلنے سے تھوڑا پہلے تک۔  
صبح کا یہ وقت ہے، یعنی اس کی ابتداء صبح صادق (پو پھٹنے) سے ہی ہے  
اور انتہاء سورج کے نکلنے کے وقت کے قریب تک ہے۔

## صبح کی جماعت کا مستحب وقت فقہ حنفی سے

میں نے نور الايضاح کے عربی حاشیہ ”ذریعة النجاح“ میں در مختار  
، شامی، مراقی الفلاح سے ترتیب دیا اور اس میں اپنی طرف سے وضاحت بھی کی  
۔ اسے دیکھیں۔

متن کی عبارت یہ ہے :

”ویستحب الاسفار بالفجر للرجال“

مردوں کیلئے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا مستحب ہے۔

اس پر راقم کا ترتیب دیا ہوا حاشیہ یہ ہے۔

”الاسفار بالفجر للرجال الى التاخير للاضائة والابتداء  
باسفار والنختم به وهو المختار بحيث يرتل اربعين اية ثم يعيده  
بطهارة ولو فسد لقوله عليه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم  
للاجر، والاسفار بالفجر مستحب سفرا وحضرا للرجال الا في  
مزدلفة للحاج فان التغليس لهم افضل لوجوب الوقوف بعده  
بها كما هو في حق النساء دائما لانه اقرب للستر والفائدة في  
الاسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها وما يؤدي الى  
التكثير افضل



اقول باعث الافضلية بالاسفار تكثير الجماعة وان كان تكثير الجماعة في التغليس فالافضل التغليس وان الذين يعملون في المعامل والمصانع والمكاتب يرضون التعجيل والتاخير باعث لحرجهم وتقليل الجماعة والله اعلم بالصواب“

(ذريعة النجاح)

مردوں کیلئے فجر کی نماز میں اسفار کا یہ مطلب ہے کہ وقت کے روشن ہونے کیلئے تاخیر کرے، ابتداء بھی روشنی میں ہو اور ختم بھی روشنی میں ہو۔ مختار یہ ہے کہ امام ترتیل سے چالیس آیتیں پڑھے، پھر اگر نماز میں کوئی فساد لازم آجائے تو دوبارہ وضوء کر کے اسی مقدار میں قراءت سے نماز وقت میں ادا ہو سکے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فجر کو روشنی میں ادا کرو کہ اس میں زیادہ اجر ہے۔ فجر کی نماز کو مردوں کے لئے روشنی میں ادا کرنا مستحب ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ سوائے مزدلفہ کے، کیونکہ وہاں اندھیرے میں نماز افضل ہے حاجیوں کے لئے، اس لئے کہ بعد میں وہاں دعاء کے لئے ٹھہرنا ہے تاکہ زیادہ وقت مل سکے، جیسا کہ عورتوں کو ہمیشہ ہی اندھیرے میں نماز پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس میں ان کا پردہ ہے۔ روشنی میں نماز ادا کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جماعت میں لوگ زیادہ مل سکیں گیں اور اندھیرے میں نمازی کم ہوں گے۔ تکثیر جماعت افضل ہے۔

اس پر راقم کی وضاحت یہ ہے کہ جب مقصد روشنی میں پڑھنے کا تکثیر جماعت ہے تو یقیناً اگر اندھیرے میں نماز پڑھنا نمازیوں کے زیادہ ہونے کا سبب ہو تو اندھیرے میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب ہو گا۔ جیسا کہ کارخانوں



، فیکڑیوں اور دفاتر میں ملازمت کرنے والے صبح کی نماز جلدی پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں ایسی صورت میں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ اگر دیر سے نماز ادا کی جائے تو یا ان لوگوں کے کاموں میں حرج واقع ہوگی۔ یا وہ نماز جماعت سے پہلے ادا کر کے چلے جائیں گے اس لئے نمازیوں کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

## احناف کا استدلال احادیث سے :

” عن رافع بن خدیج ان رسول الله ﷺ قال اسفروا لصلوة

الفجر فان ذلك اعظم للاجر او قال لاجوركم“

(مسند حمیدی ج ۱ ص ۱۹۹ ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱ باب وقت الصبح، ترمذی ج ۱ ص ۹۴ باب الاسفار،

نصب الراية ج ۱ ص ۲۳۸)

رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ فجر کو روشنی میں ادا کرو، بے شک اس میں عظیم اجر ہے

**اعتراض:** نبی کریم ﷺ نے سفیدی میں نماز پڑھنے کا جو حکم دیا ہے، اس

کا مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ صبح صادق کے وقت نماز ادا کرو، کیونکہ صبح کاذب

کے بعد اندھیرا ہو جاتا ہے۔

**جواب:** صبح صادق مراد نہیں ہو سکتی، کیونکہ صبح صادق سے پہلے تو نماز ہو

ہی نہیں سکتی، پھر روشنی میں نماز پڑھنے کا حکم اور عظیم اجر کے پائے جانے کا کیا

مقصد ہو سکتا ہے؟

ایک اور حدیث پاک کو دیکھیں تو اور واضح ہو جائے گا کہ اس سفیدی



سے مراد روشنی ہی ہے، صبح صادق نہیں،

” عن هریر بن عبدالرحمن بن رافع بن خدیج قال سمعت  
جدی رافع بن خدیج يقول قال رسول الله ﷺ لبلال نور  
بصلوة الصبح حتى يبصر القوم مواقع نبلهم من الاسفار“

( المعجم الكبير للطبرانی ص ۲۷۸ رقم الحديث ۴۴۱۴ )

هریر بن عبدالرحمن بن رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے اپنے  
دادا رافع بن خدیج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے  
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ صبح کی نماز کو روشن کر کے  
پڑھو، یہاں تک کہ اس روشنی میں قوم اپنے تیروں کے گرنے کے  
مقامات کو دیکھ لے۔

اس حدیث پاک سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ”اسفار“ سے مراد  
صبح صادق نہیں بلکہ روشنی مراد ہے۔

” عن علی بن ربیعۃ قال سمعت علیا يقول لمؤذنه اسفر اسفر“

( مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۶۹ باب وقت الصبح ) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱ باب من کان  
ینور بها ، طحاوی ج ۱ ص ۱۲۳ باب وقت الفجر )

حضرت علی بن ربیعہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ  
سے سنا کہ وہ اپنے مؤذن (ابن نباح) کو کہہ رہے تھے اور روشنی  
ہونے دو، اور روشنی ہونے دو

” عن عبدالرحمن بن یزید قال کنا نصلی مع ابن مسعود  
فکان یسفر بصلوة الصبح“

( طحاوی ج ۱ ص ۱۲۵ باب وقت الفجر ، مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۶۸ ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱  
ص ۳۲۱ باب من کان ینور بها )

عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ



کے ساتھ نماز پڑھتے تھے وہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھتے تھے۔

جن احادیث کو ذکر کیا گیا ہے ان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جب تکثیر جماعت روشنی میں ہو تو روشنی میں نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ اس پر عمل رسول اللہ ﷺ کا بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اور صحابہ کرام کا بھی

## غیر مقلدین کی دلیل کا جواب :

”والحدیث القولی مقدم ای اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر  
واما ثبوت الغلس فلا ننکره ایضا فانه ایضا جائز فان الخلاف  
فی الافضلیة فصار الترجیح لمذهب الاحناف“

(حاشیہ ترمذی)

صبح کی نماز کو روشنی میں پڑھنے والی حدیث قوی ہے۔ اور اندھیرے میں نماز پڑھنے والی حدیث فعلی ہے۔ قانون یہ ہے کہ جب قوی اور فعلی حدیث میں تعارض ہو تو قوی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اور اصل میں یہ نزاع ہی نہیں کہ اندھیرے میں صبح کی نماز نہیں ہوتی، بلکہ نزاع تو صرف افضلیت میں ہے کہ افضل کیا ہے۔ روشنی والی نماز میں عظیم اجر کا ذکر ہے لہذا یہ افضل ہوگی۔ اندھیرے والی نماز میں صرف پڑھنے کا ذکر ہے لہذا وہ جائز رہے گی۔

اندھیرے میں نماز فجر ادا کرے یا روشنی میں جائز ہے۔ لیکن جب روشنی میں نمازی زیادہ ہوں تو روشنی میں افضل ہے۔ اور جب اندھیرے میں نماز پڑھنے سے نمازی زیادہ ہوں تو اندھیرے میں افضل ہے۔



راقم جہاں امام ہے وہاں کے لوگ دفتری ملازم ہیں۔ دفتر میں جانے سے پہلے سیر کرنا، ناشتہ کرنا، غسل کرنا، کپڑے بدلنا ان کے کئی معمولات ہیں سردیوں میں وقت کم ہونے کی وجہ سے راقم صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھاتا ہے اور گرمیوں میں وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے اور رات کے چھوٹا ہونے اور دیر سے جاگ آنے کی وجہ سے صبح کی نماز اجالے میں پڑھاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں نمازیوں کی سہولت کے مد نظر ہیں۔ ورنہ راقم خود گرمیوں اور سردیوں میں جلدی جاگنے کا عادی ہے، ہمیشہ اندھیرے میں نماز پڑھنے یا اجالے میں نماز پڑھنے سے راقم کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن فقہی نقطہ کو مد نظر رکھ کر بفضلہ تعالیٰ راقم کا عمل ہے۔ ضد یا عناد کسی کو نہ ہو تو بفضلہ تعالیٰ راقم کے طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا۔

## جلدی نماز پڑھنے پر غیر مقلدین کی ایک اور دلیل :

ترمذی شریف میں حضرت علی روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلوة اذا اتت والجنابة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها كفوا“

اے علی تین چیزیں (ایسی) ہیں کہ نہ دیر کرنا ان کو (پہلی) نماز جب کہ آئے وقت اس کا (دوسری) جنازہ جب کہ تیار ہو (تیسری) عورت بن خاوند کے جب کہ پائے تو اس کے لئے کفو۔

(صلوة الرسول ص ۱۴۷)



اس حدیث کو غیر مقلدین نے دلیل بنایا ہے کہ نماز کا جب وقت آجائے اسی وقت نماز ادا کی جائے دیر نہ کی جائے۔

## اس دلیل کا جواب :

حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر ہے، جنازہ جب حاضر ہو تو اس میں دیر نہ کرو۔ کیا کوئی غیر مقلد اس کے ظاہر پر عمل کرتا ہے۔ کہ ایک شخص فوت ہوا، ادھر قبر تیار ہوئی اور بغیر دیر کے اسے دفن کر دیا؟ نہیں اس پر کوئی عمل نہیں کر رہا، ابھی چند دن ہوئے علامہ عبدالقادر روپڑی فوت ہوئے، ان کی وفات کے بعد تقریباً سولہ یا اٹھارہ گھنٹے بعد جنازہ ہوا۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ لڑکی غیر شادی شدہ کفو کو جب مل جائے تو اس کی شادی میں دیر نہ کی جائے۔

کیا ایسا کوئی غیر مقلد ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی بالغ ہوتے ہوئے کفو ملنے پر کر دیتا ہے کفو تو تقریباً ہر خاندان کو مل ہی جاتی ہے جب ان دونوں پر عمل نہیں تو نماز کے وقت شروع پر نماز ادا کرنے پر زور کیوں؟

بات واضح ہے کہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا مستحب وقت ہو جائے تو نماز پڑھنے میں اتنی دیر نہ کرو کہ مکروہ وقت آجائے۔ جب کوئی شخص فوت ہو جائے جنازہ پڑھنے والے چالیس آدمی آجائیں تو جنازہ ادا کرنے میں بہت دیر نہ کرو کہ جسم سے بدبو آنے لگ جائے یا میت کو برف خانہ میں رکھنا پڑھے۔ لڑکی جو ان ہو جائے، کفو مل جائے تو بہت دیر نہ کرو جہاں فتنہ کا خوف ہو۔



یہ مطلب جو راقم نے بیان کیا ہے، یہی تقریباً منصف مزاج علماء کرام کرتے ہیں۔ اور اسی پر عمل بھی ہو رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں دو پر غیر مقلدین بھی اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح میں نے بیان کیا ایک پر وہ جلدی جلدی عمل کر کے بظاہر اہل حدیث بننے کی ناکام کوشش کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ وقت مستحب اور مطلق وقت فرق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

## غیر مقلدین کا حدیث پر عمل یا حدیث سے انحراف :

غیر مقلدین نے اوقات کے متعلق جو احادیث بیان کی ہیں (ان کا جواب دیا چکا ہے) ان سے انہوں نے نتیجہ نکالتے ہوئے بظاہر نصیحت ان الفاظ سے کی ہے (جو درحقیقت نصیحت ہے)

**بھائیو اور بہنو!** غور کرو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری زندگی میں پانچوں نمازیں اول وقت پڑھیں۔

(صلوة الرسول ص ۱۴۶)

یہ سراسر غلط ہے، گرمیوں میں دیر سے ظہر کی نماز پڑھنے کا ذکر احادیث مبارکہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور فجر کی نماز نمازیوں کے زیادہ ہونے کی غرض سے روشنی میں ادا کرنے کی فضیلت کو بھی ذکر کیا چکا ہے۔

آئیے اب عشاء کی نماز کی تاخیر کا مستحب ہونا احادیث مبارکہ سے دیکھیں۔ پھر اندازہ کریں کہ غیر مقلدین کی یہ نصیحت واقعی نصیحت ہے یا نصیحت ہے۔ کیا حدیث پر عمل ہے یا حدیث سے انحراف ہے۔



”عن ابى سعيد قال انتظرنا رسول الله ﷺ ليلة لصلوة العشاء حتى ذهب نحو من شطر الليل قال فجاء فصلى بنا ثم قال خذوا مقاعدكم فان الناس قد اخذوا مضاجعهم وانكم لم تزالوا فى صلوة منذ انتظرتموها ولو لا ضعف الضعيف وسقم السقيم وحاجة ذى الحاجة لأخرت هذه الصلوة الى شطر الليل“

(نسائی ج ۱۹۳ باب ما يستحب من تاخير العشاء، ابن ماجه ج ۱ ص ۵۰ باب وقت صلوة العشاء ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱ باب وقت صلوة العشاء الاخرة مسند احمد ج ۳ ص ۵)

حضرت ابو سعيد (خدری) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک رات عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کی انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رات کا تقریباً نصف حصہ گزر گیا تو آپ تشریف لائے، پھر ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر آپ نے فرمایا اپنی اپنی جگہ پر قائم رہو (اس کے بعد آپ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا) بے شک لوگ اپنی اپنی آرامگاہ میں سو گئے ہیں بے شک تم جتنی دیر نماز کی انتظار میں رہے ہو نماز میں ہی تھے۔ اگر بوڑھوں کے بڑھاپے، بیماروں کی بیماری، صاحب حاجت کی حاجت کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو نصف رات تک مؤخر کر دیتا۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ نماز کی انتظار میں بیٹھنا، دیر کرنا، نہ سونا، نماز پڑھنا ہے۔ یعنی نماز کے پڑھنے کا ثواب حاصل ہوتا رہے گا۔

نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز کو دیر سے ادا کرنے کو پسند فرمایا صرف بوڑھے، بیماروں، ضرور تمندوں کا لحاظ کرتے ہوئے آدھی رات تک دیر نہیں کی۔ لیکن رات کے تمائی حصہ تک دیر کرنا مستحب ہے۔



” عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ لو لا ان اشق على

امتى لأمرتهم ان يؤخروا العشاء الى ثلث الليل او نصفه“

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰، ترمذی ج ص ۴۳ باب ماجاء فى تاخير العشاء الاخرة، ابن ماجه ج ۱

ص ۵۰ باب وقت العشاء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اگر میں اپنی امت کے لئے مشکل نہ سمجھتا تو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز

کو رات کے تہائی حصہ تک مؤخر کر دو۔

اس حدیث پاک میں شارحین کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کے

ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں امت کی مشکل کو خیال میں نہ لاتا تو عشاء کی

نماز کو رات کے تہائی حصہ تک مؤخر کرنے کو واجب کر دیتا۔ یعنی وجوبی حکم دیتا

نبی کریم ﷺ نے اگرچہ عشاء کی نماز کو دیر سے پڑھنا واجب تو نہیں قرار دیا،

لیکن رات کے تہائی حصہ تک دیر کرنا پسند فرمایا۔ مستحب یہی ہے کہ عشاء کی

نماز دیر سے پڑھی جائے۔

جب عشاء کی نماز کو دیر سے پڑھنا رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا تو

جلدی نماز پڑھنے پر زور دینا یقیناً حدیث پاک سے انحراف ہے خدرا غور کریں

حدیث پر عمل کرنے سے انحراف کرنے پر کوئی شخص اہل حدیث ہوتا ہے یا کہ

عمل کرنے سے؟ حقیقت یہی ہے کہ ہمارا نام تو حنفی ہے لیکن ہم حقیقی معنی میں

اہل حدیث ہیں۔ غیر مقلدوں نے اپنا نام ہی سرف اہل حدیث رکھا ہوا

ہے، ورنہ وہ اہل حدیث کہلانے کے حقدار نہیں۔

☆☆☆☆☆



## ﴿چھوٹے بچے کے پیشاب میں اختلاف﴾

غیر مقلدین کے نزدیک چھوٹا بچہ اگر کپڑوں پر پیشاب کر دے تو ان کپڑوں کو دھونا ضروری نہیں، بلکہ اس پر پانی چھڑکنا کافی ہے۔

### احناف کا مذہب :

احناف کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جس طرح باقی ناپاک چیزوں کا حکم ہے وہی بچے کے پیشاب کا حکم بھی ہے

اگر نجاست کسی کپڑے پر لگ جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ نجاست خشک ہونے کے بعد نظر آتی ہے یا نہیں۔ اگر نجاست خشک ہو نیچے بعد نظر آئے تو اس نجاست کا زوال اور گندگی کی بو کو زائل کر کے ہی کپڑے کو پاک کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اتنا دھوئے کہ نجاست زائل ہو جائے اور اس کی بو بھی باقی نہ رہے۔

اگر خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے تو تین مرتبہ دھونا اور خشک کرنا اور بو والی نجاست اگر ہو تو بو کو زائل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

### غیر مقلدین کی دلیل :

ام قیس اپنے چھوٹے (شیر خوار) بچے کو، جس نے کھانا نہیں کھایا تھا رسول اللہ کے پاس لائی اور حضور نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔ بچے نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ تو حضور نے پانی منگوا کر کپڑے پر چھینٹا دیا اور نہ دھویا۔



غیر مقلدین نے اس دلیل سے یہ پیش کیا کہ بچے کے پیشاب کو دھونا نہیں، البتہ صرف پانی کے چھینٹے دینا کافی ہے۔

## احناف کی طرف سے جواب :

آئیے پہلے حدیث کے الفاظ مبارکہ کی طرف غور کریں، پھر شارحین کی بحث کو دیکھیں تو مسئلہ واضح ہو جائے کہ بچے کا پیشاب بھی اسی طرح ناپاک ہے جس طرح بڑوں کا پیشاب ناپاک ہے۔

”عن عبد اللہ بن عتبہ عن ام قیس بنت محض انها اتت بابت لها صغير لم يأكل الطعام الى رسول الله فاجلسه رسول الله في حجره فبال على ثوبه فدعا بماء فنضحه ولم يغسله“

(بخاری جلد اول باب بول الصبيان ص ۲۵)

عبد اللہ بن عتبہ ام قیس بنت محض سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا جو کھانا نہیں کھا سکتا تھا، اس کو آپ نے اپنی گود میں بٹھایا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی طلب کیا وہ کپڑوں پر چھڑکا اور کپڑوں کو دھویا نہیں۔

## حدیث پاک پر شارحین کی بحث :

اس حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا ہے ”فنضحه“ (پانی چھڑکا) اور بعض روایات میں ”فرشہ“ استعمال ہوا ہے اس کا معنی بھی ہے۔ ”پانی چھڑکا“ اور بعض روایات میں ”فصب“ لفظ استعمال ہوا جس کا معنی ہے ”پانی بہایا“



تینوں لفظوں کی مزید وضاحت دیکھئے :

”نضیح“ کا معنی ہے برتن کار سنا اور پسینہ بہنا۔ اس لئے اس کا ظاہری معنی نئے گا ”پانی چھڑکا“ ”رش“ کا معنی ہے ”پانی چھڑکنا“ بکھیرنا، آسمان کا پھوار برسانا، اس کا بھی ظاہری معنی یہ ہی ہوگا ”پانی چھڑکا“ پھر ”لم یغسلہ“ کے الفاظ سے مزید غلطی ہوتی ہے کہ آپ نے کپڑوں کو دھویا نہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ بچے کا پیشاب ناپاک نہیں، اور اس سے کپڑوں کا دھونا لازم نہیں۔

حالانکہ اس طرح نہیں، کیونکہ ”فصب“ کے لفظ سے بھی سمجھ آرہا ہے کہ آپ نے پانی بہایا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کپڑے کو دھویا۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے

”بماء فاتبعہ ای اتبع رسول اللہ ﷺ البول بماء“

(حاشیہ بخاری)

نبی کریم ﷺ نے پیشاب کا پانی سے پیچھا کیا۔ یعنی آپ نے پانی بہایا اور کپڑے کو دھویا۔

اسی معنی پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں ”فصب“ کا لفظ ہے اور اس کا معنی پانی بہانا اور گرانا ہے۔ اب تمام روایت کی تطبیق اس طرح دی جاسکے گی ”غسلہ من غیر دفرك و غیر مبالغہ“ آپ نے کپڑے کو دھویا لیکن دھونے میں مبالغہ نہیں کیا، اور کھر چا نہیں۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ بچے کے پیشاب میں زیادہ بو نہیں ہوتی۔ بدبو کے

زائل کرنے کے لئے زیادہ مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اس تفصیل کے بعد واضح ہوا

کہ عبید اللہ بن عتبہ کی روایت بالمعنی ہے اگر اس کی تاویل نہ کی جائے تو معنی باطل

ہوتا ہے۔



احادیث جن سے پیشاب کا نجس (ناپاک) ہونا سمجھ میں آتا ہے :

عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ اکثر عذاب  
القبر من البول

(ابن ماجہ ص ۲۹) باب التشدید فی البول م مستلک حاکم باب عامۃ عذاب القبر من البول ج ۱

(ص ۱۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے  
فرمایا زیادہ عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوگا۔

” عن عبادة بن الصامت قال سألنا رسول الله ﷺ عن البول  
فقال اذا مسكم شئى فاغسلوه فانى اظن ان منه عذاب القبر“

(كشف الاستار عن زوائد البزار ج ص ۱۳۰ باب الاستنجاء بالماء)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے  
پیشاب کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ جب تمہیں (تمہارے جسم یا کپڑوں کو) پیشاب لگ جائے تو اسے دھولو، بیشک  
میں جانتا ہوں کہ (عام) عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

” عن ابن عباس قال مر النبي ﷺ بقبرين فقال انهما ليعذبان  
وما يعذبان في كبير اما احدهما فكان لا يستتر من البول واما  
الآخر فكان يمشى بالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقها  
نصفين ففرز في كل قبر واحدة قالوا يا رسول الله لم فعلت هذا  
قال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا“

(بخاری ج ص ۳۵ کتاب الوضوء) مسلم ج ۱ ص ۱۴۱ باب الدلیل علی نجاستہ البول)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا  
دو قبروں کے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا بے شک ان دونوں (قبروں  
والوں) کو عذاب ہو رہا ہے، ان کو عذاب کسی بڑی چیز کی وجہ سے  
نہیں ہو رہا۔ ایک ان میں سے وہ ہے جو پیشاب سے نہیں پختا تھا اور



دوسرا چغلی خوری کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک سبز شاخ لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا دوسری قبر پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ یہ جب تک خشک نہیں ہوں گی ان سے عذاب کی تخفیف ہوگی۔

یعنی یہ جب تک سبز رہیں گی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گی تو عذاب سے ان کو تخفیف ہوگی۔ سبحان اللہ سبز شاخ کی تسبیحات سے قبر والوں کو عذاب سے تخفیف، قرآن پڑھنے سے نہ ہو؟ یہ بھی ان لوگوں کی ہی سوچ ہے۔ مزید کے لئے راقم کے رسالہ ”ایصالِ ثواب مستحب ہے“ اور راقم کی کتاب موت کا منظر مع احوال حشر و نشر کا مطالعہ کریں

ذکر کردہ احادیث سے واضح ہوا کہ پیشاب جسم پر یا کپڑوں پر لگ جائے تو دھونا ضروری ہے۔ پیشاب ناپاک ہے، اسی لئے پیشاب سے نہ چھنا عذابِ قبر کا سبب ہے۔

ان احادیث میں بڑے، چھوٹے کے پیشاب کو کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا۔ اور خصوصاً مسلم کے عنوان سے بات سمجھ میں آرہی ہے۔ کہ بچے کا پیشاب نجس ہے۔

مقام توجہ :

” عن الحسن عن امه انها ابصرت ام سلمة تصب الماء على بول الغلام ما لم يطعم فاذا طعم غسلته و كانت تغسل بول الجارية“

(ابوداؤد ج ۵ ص ۵۴ باب بول الصبی یصب الثوب)



حضرت حسن اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ (نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پیشاب پر پانی بہا تیس جب تک وہ کھاتا پیتا نہیں تھا اور جب کھاتا پیتا تھا تو آپ دھو تیں۔ اور بچی کے پیشاب سے (کپڑے وغیرہ کو) دھو لیتی تھیں

اس حدیث سے بہت واضح ہوا کہ چھوٹے بچے کا پیشاب جب پہنچے تو کپڑے کو معمولی دھویا جائے پانی بہایا جائے زیادہ مبالغہ دھونے میں ضروری نہیں بڑے شخص کے پیشاب اور چھوٹی بچی کے پیشاب سے کپڑوں کو زیادہ مل کر دھویا جائے تاکہ ان سے بو کو دور کیا جاسکے

## غلطی کی بنیادی وجہ محاورات سے بے خبری :

اگر ہم اپنے اردو کے روزمرہ کے محاورات کو دیکھیں تو بات سمجھ میں آجائے کہ ”لم یغسلہ“ کا مطلب کیا ہے ایک ہی لفظ ہوتا ہے اندازہ گفتگو بدلنے سے معنی بدل جاتا ہے، انسان دھوئی کو کپڑے دھونے کے لئے دیتا ہے پتہ کرنے کے لئے جاتا ہے اس نے کپڑے ابھی تک نہیں دھوئے ہوئے گھر آکر وہ شخص کہتا ہے اس نے کپڑے نہیں دھوئے کبھی دھوئی کپڑے دھوئے صاف نہ کرے داغ رہ جائیں تو پھر آدمی کہتا ہے اس نے کپڑے نہیں دھوئے کبھی کپڑا پاک کرنے کے لئے دھونے کے لئے کسی کو کہے وہ معمولی پانی انڈیل دے شرعی قانون کے مطابق ان کو پاک نہ کرے تو اس وقت بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے کپڑے نہیں دھوئے الفاظ سب جگہ ایک ہیں مطلب علیحدہ علیحدہ ہے۔

اسی طرح کبھی کوئی شخص سوالیہ انداز میں کہتا ہے ”یہ کام تم نے کیا ہے؟ کبھی خبر دینے کے متعلق کہتا ہے ”یہ کام تم نے کیا ہے۔ کبھی سوالیہ انداز میں ڈانٹ بھی ساتھ ہوتی ہے زور دے کر کہا جاتا ہے ”یہ کام تم نے کیا ہے“ یعنی تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا کبھی کہا جاتا ہے فلاں شخص نے تمہارے متعلق کہا ہے یہ کام تم نے کیا ہے، یعنی میرا دل تو نہیں مانتا کہ وہ سچا ہے سب جگہ پر الفاظ ایک ہی ہیں۔ لیکن انداز گفتگو بدلنے سے مفہوم بدل گیا۔



یہی صورت عربی میں بھی ہے۔ لیکن لوگ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اب مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کہ ”لم یغسلہ“ کا مطلب ہے آپ نے اس طرح کپڑے کو نہیں دھویا جیسا کہ بڑوں یا بچیوں کے پیشاب لگنے سے دھویا جاتا ہے۔

## مغرب کی اذان کے بعد نفل:

احناف کے نزدیک مغرب کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے نفل ادا کرنے مکروہ ہیں۔ احناف نے ان احادیث سے دلیل پکڑی ہے۔

” عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب مارأیت احدا

یصلیہما علی عهد رسول اللہ ﷺ “ (ابوداؤد باب الصلوة قبل المغرب ج ۱ ص ۱۸۲)

طاؤس سے روایت یہی کہ حضرت ابن عمر سے مغرب سے پہلے دو رکعت ادا کرنے کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا میں نے کسی ایک کو نہیں دیکھا کہ اس نے یہ دو رکعت ادا کی ہوں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں۔

” وعن حماد بن ابی سلیمان انه سأل ابراهیم النخعی عن الصلوة قبل

المغرب قال فنہاہ عنها وقال ان رسول اللہ ﷺ و ابا بکر وعمر لم

یکونوا یصلونہا “ (کتاب الآثار ص ۲۹ باب ما یعاد من الصلوة وما یکرہ)

حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے مغرب سے پہلے نماز (نفل) پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس سے منع

فرمایا اور کہا کہ بیشک رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس وقت میں نفل نہیں ادا کرتے تھے۔

**تنبیہ:** عام طور پر جن مسائل پر بہت نزاع کیا جاتا ہے۔ میں نے ان مسائل کو احادیث کی روشنی میں بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

عبدالرزاق ولد قاضی عبدالعزیز

ولد قاضی فیض احمد ولد قاضی علامہ نبی رحمہم اللہ



# شیخ پریشاد قادری عبدالرشاق بختراوی حاروی کی تصانیف و تراجم

تفسیر نجوم الفرقان  
جلد اول تا دہم

المظہر النوری شرح قدوری

جواہر السنائیہ شرح ہدایہ  
اول تا سوم

سراجی فی المیراث

خلاصہ توضح و تلویح  
(اردو)

مراح الارواح  
(اردو)

میلااد مصطفیٰ صلی اللہ  
علیہ وسلم

اسلام میں عورت کا مقام

شمع ہدایت

تسکین الجنان فی محاسن کثر الایمان

فضائل رمضان

احکام مساجد

ایصال ثواب مستحب ہے

فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا

فضائل شب برأت

تحفہ حفاظ

بذریعہ النجاح شرح نور الایضاح

کشاف الحقائق شرح کثر الدقائق

ضوء المصباح شرح تلخیص المفتاح

خلاصہ حسامی (اردو)

تذکرۃ الانبیاء

موت کا منظر

میزان الصرف  
(اردو شرح)

شمال ترمذی

عقیدہ حاضر و ناظر

نماز کے بعد ذکر و دعا مستحب

تکریم والدین مصطفیٰ صلی اللہ  
علیہ وسلم

سبز عمامہ کی برکتوں سے کذاب جل اٹھے

اقامت بیٹھ کر سنا مستحب ہے

انگوٹھے چومنا مستحب ہے

اذان کے بعد درود شریف مستحب ہے

اذان کے ساتھ درود شریف مستحب ہے

مکتبہ امجدیہ  
کمیڈو لاہور ہندو  
CELL: 0321-5098812